

# بُرْہَان

شمارہ ۱

جلد ۳۴

جولائی ۱۹۵۹ء مطابق محرم الحرام ۱۳۷۹ھ

فہرست مضامین

- |    |   |   |
|----|---|---|
| ۲  | سید احمد اکبر آبادی                       | نظرات                                   |
|    | جناب شبیر احمد خان صاحب غوری ایم اے ایل   | یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ       |
| ۵  | ایل بی۔ بی ٹی ایچ رحیم رامحانات عربی      |   |
|    | دقاری اتر پردیش۔                          |   |
| ۱۹ | جناب مولانا ابو محفوظ الکریم صاحب معصومی  | سند و ہند کا ایک علمی و ثقافتی تذکرہ    |
|    | لکچرر تاریخ مدرسہ عالیہ کلکتہ             |   |
|    | جناب ڈاکٹر خورشید احمد فاروق صاحب         | تاریخ الرتوۃ                            |
| ۳۳ | استاذ ادبیات عربی دہلی یونیورسٹی          |   |
|    | جناب نثار احمد صاحب فاروقی                | ذکر مصحفی                               |
| ۴۱ | دہلی یونیورسٹی لائبریری دہلی              |   |
|    | جناب عابد رضا صاحب بیدار                  | مولانا آزاد کی مستند سوانح عمری کا خاکہ |
| ۴۹ | ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ |   |
| ۵۹ | جناب آئم مظفرنگوی۔ جناب ساجد بھوپالی      | ادبیات۔ غزل۔ نوائے غم                   |
| ۶۱ | (سب)                                      | تبصرے                                   |



# نَظَرِیَّت

افسوس ہے ۲۴ جون کو صبح کے وقت بمبئی میں مولانا عبدالرزاق یلح آبادی کا ۶۵ برس کی عمر میں انتقال ہو گیا نعش بمبئی سے یلح آباد لائی گئی اور بروز جمعہ ۲۶ جون کو سپرد خاک کر دی گئی۔ مرحوم اردو اور عربی دونوں زبانوں کے نامور ادیب۔ صحافی اور انشا پرداز تھے۔ عربی کی تعلیم مصر میں پائی تھی اور سید رشید رضا مرحوم جو اپنے عہد کے اکابر علما اور محققین مصنفین میں سے تھے ان کے تلمیذ رشید تھے اس لئے مرحوم عربی زبان بالکل مادری زبان کی طرح بولتے اور لکھتے تھے مصر سے واپس آ کر کلکتہ سے عربی کا ایک جریڈ "الجامعہ" کے نام سے نکالا جو عربی کے اساتذہ اور طلباء میں بڑا مقبول ہوا لیکن یہاں مولانا ابوالکلام آزاد کے دامانِ دولت سے وابستہ ہونے کے بعد انھوں نے اردو اخبار نویسی کو اپنا مستقل نصب العین زندگی بنا لیا اور بڑی محنت کاوش و مشق و مزاوت کے بعد اس میں بھی اپنا خاص یکایک اسلوب پیدا کیا کہ اردو زبان کے بھی صاحبِ طرز ادیب بن گئے۔ اُن کی تحریر صاف سیاٹ۔ بہت سلیس و عام فہم مگر ساتھ ہی دلور انگیز اور پر جوش ہوتی تھی اس سلسلہ میں "اولا الہلال" و "البلاغ" کی ادارت میں مولانا ابوالکلام کے رفیق رہے و رکچہ کلکتہ سے ہی متعدد اخبار خود اپنے نکالے تقسیم کے بعد اپنا اخبار "وزانہ آزاد ہند" اپنے لائق فرزند احمد سید رضا یلح آبادی کے حوالہ کر کے دہلی چلے گئے اور انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز کے رہنما سی عربی مجلہ ثقافت الہند کو بڑی قابلیت سے اڈٹ کرتے رہے اس کے علاوہ آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن دہلی کے عربی پروگرام کے بھی ڈائریکٹر رہے اخبارات و رسائل کی اڈیٹری کے باوجود تصنیف و تالیف اور ترجمہ کا مشغلہ بھی رکھتے تھے چنانچہ متعدد کتابیں ترجمہ اور کئی کتابیں تالیف کیں جن میں آخری ضخیم کتاب "ہے جو مولانا ابوالکلام آزاد پر ہے اور غیر مطبوعہ ہے ذاتی افلاق و اوصاف کے اعتبار سے مرحوم بڑے با وضوح۔ بامروت۔ صاف دل و صاف سینہ انسان تھے۔ اظہارِ رائے کے معاملہ میں بڑے نڈر اور بے باک تھے تحریک پاکستان کے عہدِ شباب میں اپنی اس



جہلت کے باعث انہوں نے بڑی بڑی سختیاں جھیلیں درمختارداشت کئے۔ لیکن غم و ہمت میں ذرا جنبش پیدا نہیں ہوئی۔ طبعاً بڑے ہنسوز اور خوش مزاج تھے اور ساتھ ہی بڑے یقین القلب بھی مولانا ابوالکلام آزاد کے تو عاشق زار ہی تھے اور اس لئے اُن کی وفات کے بعد وہ خود بھی اپنی زندگی سے بے زار ہو گئے تھے لیکن بہت سے لوگوں کو یہ سن کر تعجب ہو گا کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر جب انہوں نے سنی تو اس طرح بے ساختہ بلک بلک کر روئے ہیں کہ دیکھنے والوں کو ان پر رحم آتا تھا۔ اللہم اغفرلہ واسرحہ۔

احباب کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ راقم الحروف دس مہینے اور چند ماہ کے بعد مدرسہ عالیہ کلکتہ کی خدمت سے سبکدوش ہو کر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے منسلک ہو گیا ہے۔ اس لئے ذاتی خط و کتابت اب مندرجہ ذیل پتوں میں سے کسی پتہ پر کی جائے۔

(۱) صدر شعبہ سنی دینیات - مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

(۲) علی منزل - لال ڈگری روڈ - سول لائنز - علی گڑھ۔

کلکتہ میں قیام کی یہ مدت دیکھتے دیکھتے ایک خوب کی طرح پوری ہو گئی! اور خواب بھی رہ جو پڑا حسین و دلکش تھا جس کے اثرات عمر بھر ذہن میں جاگر رہتے ہیں یہاں ایک پردیسی کی پذیرائی جس طرح گورنمنٹ نے کی۔ مدرسہ عالیہ کے اساتذہ اور طلباء نے کی اور پبلک کے مختلف طبقات اور جماعتوں نے کی اُس کی وجہ سے کلکتہ خصوصاً اور پورا مغربی بنگال عموماً پڑیس نہیں بلکہ وطن سے بھی کچھ زیادہ گہوارۃ النسمت ہو گیا تھا میں نے کلکتہ سے دانگی کی تاریخ قصدِ آغنیٰ رکھی۔ لیکن روانگی سے ایک ہفتہ قبل جب اُس کا اظہار ہو گیا تو بزرگوں نے اور دوستوں نے مختلف طریقوں سے جس طرح اپنے تعلق خاطر کا اظہار کیا ہے اُس کے میں اپنی حیا مستعار ایک گراں زر سرمایہ تصور کرتا ہوں۔ علمی ادبی، ثقافتی اور تعلیمی اداروں اور انجمنوں نے اوداعی پارٹیوں اور جلسوں کا اہتمام انتظام کیا۔ احباب نے شخصی طور پر پر تکلف دعوتوں کا بند بست کیا۔ اردو اخبارات نے ان دواعی پارٹیوں کی خبریں و دران میں میری تقریریں جلی عنوانات سے شائع کیں اس کے علاوہ طویل دار بے اور اڈیٹوریل نوٹ لکھ کر اور اس ہیچ میز کے کوائف حالات زندگی پر مقالات اور نظمیں شائع کئے وہ عزت افزائی کی کراہیک فقر بے نوا کبھی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا و داعی تقریبات کے موقع پر بزرگوں اور دوستوں نے جو تقریریں کیں



یا نظمیں پڑھیں اُن کا ایک ایک لفظ خلوصِ محبت اور شفقت کا آئینہ دار تھا حد یہ ہے کہ بڑے بڑے سن رسیدہ بزرگوں اور ہم عمر دوستوں کو بے ساختہ روتے اور گلو گرفتہ میں نے تنہا نہیں تمام شکر کائے جلسہ نے دیکھا ہے۔ بعض وہ حضرات جن سے کلکتہ کی مدت قیام میں ایک مرتبہ بھی ملقات نہیں ہوئی تھی انھوں نے بھی ایسی نظمیں لکھیں اور سائیں جن کا لفظ لفظ درد و اثر میں ڈوبا ہوا اور انتہائی مخلصانہ جذبات کا ترجمان تھا یہ نظمیں چوں کہ فنی اعتبار سے بھی بڑی پختہ اور بلند ہیں اس لئے جتنے جتنے برہان میں بھی شائع ہوں گی (اردو۔ عربی اور نیگلہ زبانوں میں لکھے ہوئے سپاس ناموں کا اتنا انبار لگ گیا کہ کلکتہ سے منتقل ہوتے وقت منجھدا اور اناٹا نہایت کے اُن کا ایک مستقل عدد ہو گیا۔ اور چوں کہ وہ سرشتِ شمس میں فریم کئے ہوئے تھے اس لئے اُن کو بڑی احتیاط سے لانا پڑا۔ محبت و خلوص اور نوازش و کرم کے ان غیر معمولی مظاہروں کو یہ بندہ ناچیز دیکھتا تھا اور مولانا محمد علی مرحوم کا یہ مصرعہ بار بار پڑھتا تھا

اک فاسق و فاجر میں اور ایسی کراماتیں

حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی نسبت کبھی کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوا۔ من آنم کہ من دامنم کے بمصداق میں اپنی بساط اور پیمیرزی سے کبھی غافل نہیں ہوا۔ یہ جو کچھ ہوا محض لطف و کرم خداوندی ہے خدا جب اپنے کسی حقیر بندہ پر مہربان ہوتا ہے تو اُس کے بزرگوں اور دوستوں کے دل میں اس کی طرف سے ایسا ہی حسن ظن اور تعلق خاطر پیدا کرتا ہے اور اسی وجہ سے وہ جو کچھ لکھا گیا ہے اُس کا مقصد و امانتِ ربکِ فخرت کی تمیل اور بحسب من لکھ شکر الناس لکھ شکر اللہ تشکر و امتنان کے سوا کچھ اور نہیں۔ غزاهم اللہ عنی احسن الجزاء۔

مغربی بنگال عموماً اور کلکتہ کے مسلمانوں میں خصوصاً اللہ تعالیٰ نے بحیثیت مجموعی جی خصوصیات رکھی ہیں ان میں عالی ہمتی ہے۔ بیدار مغزی اور توانائی ہے مذہبی و قومی مسائل سے دل چسپی اور اُن کی گتھیوں کو سلجھانے کا جذبہ ہے ملی اور ثقافتی روایات کو محفوظ اور زندہ رکھنے کا دلولہ ہے اگر یہ سب مل جل کر کام کریں تو پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ایک مثال و نمونہ بن سکتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو اس کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی مدد اُن کے شامل حال کرے۔



## یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ

جناب شبیر احمد خاں حسناغوری ایم اے ایل ایل بی۔ بی ٹی ایچ رجسٹرار امتحانات  
عربی و فارسی اتر پردیش

۱۔ یونانی جانتے والے مترجمین | ”یونانی علوم مسلمانوں میں کس طرح منتقل ہوئے“  
یہ ایک دلچسپ سوال ہے۔

مستشرقین نے اپنے قومی تفوق کے ادعا کی بنا پر یونانی علم و حکمت اور ”مسلمانوں  
کی عقلی موٹگافیوں کے درمیان شامی عیسائیوں کو وسیط قرار دیا ہے : یعنی مسلمانوں  
نے علوم و فنون کی ترقی میں جو خدمات شائستہ بھی انجام دی ہوں، اصلادہ شامی  
عیسائیوں ہی کے شاگرد تھے۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ اس مفروضہ کے مقدمات سطحی ہیں اور مستشرقین کا استدلال سا  
تنقید کی کسوٹی پر پورا نہیں اُترتا۔

اس کے مقابلے میں مسلمان مورخین نے یونانی علم و حکمت کے مسلمانوں میں منتقل  
ہونے کی جزئیات و تفصیلات اسلامی تواریخ میں قلمبند کی ہیں اگرچہ منتشر طور پر۔ ان  
کا ماحصل یہ ہے کہ یونانی علوم مسلمانوں میں تین راستوں سے داخل ہوئے :-

(ا) طبقہ کتاب و دبیران کے ذریعے جو اکثر حالات میں نو مسلم ایرانی تھے۔

(ب) خلفاء و امارات کی تشہیج و تشویق اور سرپرستی میں پیشہ ور مترجمین کے ذریعے

جو یا تو عراق اور نجدی سپاہوں کے مناظرہ تھے یا حران کے صابئی۔

(ج) اسکندریہ کے مدرسہ فلاسفہ کے مشائی معلمین کے ذریعے جو تیسری صدی کے

آخر میں انطاکیہ اور حران ہوتے ہوئے بغداد پہنچ گئے تھے۔



اس کی تفصیلی کیفیت ”یونانی منطق کے قدیم عربی تراجم“ اور ”فارابی کی منطق“ میں مذکور ہے۔ اس سلسلے میں جو کچھ کہا گیا اس کا ماحصل تو وہی مستشرقین کے محرز بالا مفروضہ کی تفصیل و تبصیر ہے جس پر تبصرہ مستشرقین کے مفروضہ کی تنقید میں کیا جائے گا مگر اس ضمن میں ایک عجیب بات دیکھنے میں آئی جس کا منشا و حسب ذیل ہے۔

”مسلمان علماء فارسی سے مختلف اسباب کی بنا پر براہ راست واقف تھے۔ قدیم رومی زبان کے جاننے والوں کا ذکر بھی خال خال کتب تراجم میں نظر سے گذرا ہے۔ لیکن یونانی کے جاننے والے علماء کا تذکرہ شاید نظر سے نہیں گزرا“

اس خیال کی اور اسی طرح دوسرے خیالات کی تائید میں ابن النذیم، ابن القفطی، ابن ابی اعمیہ وغیرہ کا حوالہ دیا گیا ہے :-

”الفصل“ فہرست ابن ندیم، تاریخ الحکماء، عیون الانباء اور دوسری تراجم و تاریخ کی کتابوں سے بھی اس رائے کی تائید میں مدد ملتی ہے۔“

لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ ان ماخذ و مصادر کے مطالعہ کی یا تو زحمت نہیں فرمائی گئی یا فرمائی گئی تو ان کی تصریحات کو اس درجہ ناقابل اعتناء سمجھا گیا گویا نہ ہونے کے برابر ہیں۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

(۱) اصولاً یہ امر قابل غور ہے کہ جو یونانی علوم مسلمانوں میں منتقل ہوئے وہ صرف فلسفہ اور طب ہی میں منحصر نہ تھے۔ ان کا بڑا حصہ ریاضیات پر مشتمل تھا۔ پھر ریاضیات میں مشغولیت عملی اذبان کا حصہ ہے اور سریانی علماء [شامی عیسائی] جنہیں یونان اور اسلام کے درمیان وسیط قرار دیا جاتا ہے، مذہبی موشگافیوں میں مشغول تھے۔ انہیں ان Exact Sciences کے مطالعہ کی فرصت کہاں۔

اس بات کی تائید قدیم سریانی ادب کی تواریخ سے ہوتی ہے۔ سریانی ادب کی

۱۔ معارف اعظم گڑھ بابت اپریل مئی جون جولائی ۱۹۵۹ء ۲۔ معارف اعظم گڑھ بابت نومبر دسمبر ۱۹۵۹ء جنوری فروری مارچ اپریل ۱۹۶۰ء



تاریخوں میں منطق، فلسفہ، طب اور دیگر عرفانی علوم *Occult Sciences* کے تراجم و تصانیف کا ذکر ہے مگر ہندسہ و مہیئت کی کسی مہتمم بالشان کتاب (مثلاً اصول اقلیدس، مخروطات، ابلونیوس وغیرہ) کے سریانی ترجمہ کا پتہ نہیں چلتا۔ اس سلسلے میں دو باتیں قابلِ لحاظ ہیں (۱) مشرقی (سریانی بولنے والے) عیسائیوں کو خواہ وہ نسطوری ہوں یا یعقوبی منطق و فلسفہ سے براہ راست کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ وہ ان علوم کو اپنے مذہبی معتقدات و فرقہ وارانہ موافقت کی تائید و تشبیہ کے لئے سیکھتے تھے اور چونکہ نسطوری تعلیمات دوسرے مسیحی فرقوں کے برخلاف زیادہ قرنِ عقل تھیں اس لئے ان کی تائید و تشبیہ کے لئے نسا طرہ یونانی فلسفے سے مدد لیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر نسطوری مبلغ جس طرح مسیحیت کا مبشر تھا اسی طرح یونانی فلسفہ کا معلم بھی تھا۔ اس طرح ارسطو کی بہت سی کتابیں اور ان پر بعد کے مفسرین نے جو تعلیقات لکھی تھیں سریانی زبان میں منتقل ہوئیں۔ اس نسطوری ترجمہ کی تحریک کا آغاز پانچویں صدی مسیحی میں ”ایپاس“ نے کیا جس نے سب سے پہلی مرتبہ فروریوس کی ایساغوجی کا سریانی میں ترجمہ کیا تھا۔

بوشترک *Baumstreck* کی ”تاریخ ادب سریانی“ سے معلوم ہوتا ہے کہ شرقِ قریب (میسوپوٹامیہ - سریا اور مغربی ایران) میں طب کی تعلیم کا رواج نہ تھا۔ طب کی تعلیم صرف اسکندریہ کے مدرسہ کے ساتھ مخصوص تھی جہاں یعاقبہ *Monophysites* کا غلبہ تھا نسطوری علماء علی العموم علوم فلسفیہ ہی کے ساتھ اعتبار کرتے تھے۔ وہ یونانی فلاسفہ کی کتابوں، بالخصوص ارسطاطالیسی منطق اور اس کی شرح کو یونانی سے سریانی میں منتقل کیا کرتے تھے یہ

بعد میں یعقوبی عیسائیوں نے بھی منطق و فلسفہ کے ساتھ اعتنا شروع کر دیا اور ان کے مشاہیر علماء نے بھی فلسفہ و حکمت کی کتابوں کا سریانی میں ترجمہ کرنا شروع کیا۔ ان میں

لے معارف جون ۱۹۵۹ء صفحہ ۳۳ بہت ۲ ایضاً ص ۳۳ بہ



سرجیوس زاس علی زیادہ مشہور ہے۔ اسی طرح نستوری علماء نے طب کے ساتھ اعتنائے سے کیا اور غالباً یہ اعتنا خسرو انوشیرواں (۵۳۱-۵۷۲) کے عہد میں جنڈی ساپور کے مدرسہ کے قیام کے بعد بہت زیادہ بڑھ گیا چنانچہ صدر اسلام میں جنڈی ساپور کے مدرسہ طب اور اس کے بیمارستان پر ہی نستوری علماء چھائے ہوئے تھے۔ انہیں کو عباسی خلفائے بلاکراپنا معالج خصوصی مقرر کیا اور انہیں کے ذریعے طب کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہونا شروع ہوئیں۔

لیکن ریاضیات [بالخصوص ریاضیات اعلیٰ] کے ساتھ سریانی بولنے والے مسیحوں میں کسی دلچسپی کا اظہار نہیں ملتا۔

(ب) عہد حاضر میں محققین نے ریاضی و ہیئت کی جن قدیم ادبیات عالیہ کو ایڈٹ کیا ہے ان کے مقدموں میں ان کتابوں کے قدیم مخطوطات نیز مختلف زبانوں میں ان کے تراجم کا بھی تفصیلی گوشوارہ دیا ہے۔ مثلاً ٹی۔ ایل۔ ہیٹھ T.L. Heath نے اصول اقلیدس کا ایک بہت اچھا ایڈیشن مرتب کیا ہے اس کے مقدمہ میں انہوں نے اقلیدس کے ان تمام تراجم کا ذکر کیا ہے جو مختلف زبانوں عربی، لاطینی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن وغیرہ میں ہوئے ہیں مگر کسی سریانی ترجمہ کا ذکر نہیں کیا۔ کوئی اور مصنف بھی اصول اقلیدس کے کسی سریانی ترجمہ کا حوالہ نہیں دیتا۔ اس لئے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ سریانی زبان میں اصول اقلیدس کا ترجمہ ہوا۔ اسی طرح بارہویں صدی مسیحی سے پیشتر اصول اقلیدس کے لاطینی ترجمہ کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ اقلیدس کا قدیم ترین لاطینی ترجمہ جو عرصے تک رومن دنیا میں مقبول رہا، گوتھیک (Gothic) کا تھا مگر یہ اصول اقلیدس کے ابتدائی مقالوں کی تلخیص تھی۔ کامل اقلیدس کا لاطینی میں ترجمہ پہلی بار بارہویں صدی مسیحی میں ہوا حالانکہ اس سے پہلے عربی میں اقلیدس کے کم و بیش پانچ ترجمے ہو چکے تھے [اور واقعہ تو یہ ہے کہ اقلیدس کے یہ لاطینی تراجم براہ راست یونانی سے نہیں بلکہ عربی ترجمے سے ماخوذ تھے]



غرض جس وقت مسلمانوں میں اقلیدس کا ترجمہ ہوا دنیا میں نہ اصول اقلیدس کا سرکاری ترجمہ موجود تھا نہ لاطینی ترجمہ۔ اسی طرح یونانی ہندسہ و ہیت کی دیگر ادبیاتِ عالیہ کے سریانی یا لاطینی تراجم بھی نہیں ہوئے تھے۔

مگر یونانی علوم کی پہلی کتاب جو عربی میں ترجمہ ہوئی وہ اصول اقلیدس تھی۔ ابن خلدون لکھتا ہے۔

”کتاب اقلیدس ..... اول اصول اقلیدس یونانی کتابوں میں سب سے

ما ترجم من کتب الیونانیین پہلی کتاب ہے جس کا خلیفہ منصور عباسی

فی الملة ایام ابی جعفر المنصور کے زمانہ میں عربی میں ترجمہ ہوا۔

اس کے بعد ہارون الرشید [۱۷۰-۱۹۳ ہجری] کے زمانہ میں براہ کی سرپرستی کے

اندر حجاج بن یوسف بن مطر نے پوری اقلیدس (۱۳ مقالے) کا ترجمہ کیا جدید تحقیقات ثابت کیا ہے کہ حجاج بن یوسف کا ترجمہ اقلیدس حروف بحرف یونانی اصل کی عربی نقل ہے۔

ظاہر ہے کہ منصور عباسی کے زمانہ کے ترجمہ اقلیدس یا حجاج کے تراجم اقلیدس [نقل

ہارونی اور نقل مامونی] کی اصل نہ سریانی ہے نہ لاطینی۔ اس لئے یقیناً یہ ترجمے براہ راست

یونانی سے ہوئے تھے اور اس کے بعد تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ عہد منصور کی مترجم

اقلیدس اور حجاج بن یوسف بن مطر یونانی زبان بہت اچھی طرح جانتے تھے۔

تیسری صدی ہجری کے نصف آخر میں اسحق بن حسین نے از سر نو اقلیدس کا عربی

میں ترجمہ کیا اور ثابت بن قرہ نے اس پر اصلاح دی۔ ٹی۔ ایل۔ ہیٹھ نے نوکل طور پر اس بات

کی تصریح کی ہے کہ اسحق نے براہ راست یونانی سے ترجمہ کیا تھا۔ نیز ثابت بن قرہ نے اقلیدس

کے متعدد یونانی نسخوں کو سامنے رکھ کر اس پر اصلاح دی تھی :-

There seems no doubt that Ishac, who must have known Greek as well as his father, made his translation direct from the Greek...  
... Khalid undoubtedly consulted Greek/Arabic for the purpose of



his revision. This is expressly stated in a marginal note by a Hebrew version of the Elements made from Ishag.

اس بات میں کوئی شک معلوم نہیں دیتا کہ اسحق نے جو اپنے باپ کی طرح یونانی زبان جانتا تھا، اپنا ترجمہ براہ راست یونانی سے کیا تھا۔ . . . . بلاشبہ ثابت ہے کہ اس ترجمہ کی اصلاح کے واسطے یونانی نسخوں سے مراجعہ کیا تھا۔ اسحق کے ترجمہ اقلیدس سے عبرانی زبان میں جو ترجمہ کیا گیا تھا اس کے حاشیہ میں اس بات کو صاف صاف بیان کیا گیا ہے لیکن اقلیدس کا وہ عبرانی ترجمہ ہمارے سامنے نہیں ہے اور نہ اس تک رسائی کا بظاہر امکان ہے۔ مگر محقق طوسی کی تحریر اقلیدس موجود ہے محقق نے نویں مقالے کی اکتیسویں شکل کے آخر میں حسب ذیل نوٹ دیا ہے :-

”مردی عن ثابت ان هذا الشكل والذي قبله لم يكونا في النسخ اليونانية“  
ثابت بن قزح سے روایت ہے کہ یہ شکل اور اس سے پہلے والی شکل (مقالہ تاسع کی تیسویں اور اکتیسویں شکلیں) یونانی نسخوں میں نہیں تھیں۔

غرض اصول اقلیدس کے یہ ترجمہ براہ راست یونانی اقلیدس سے ہوئے تھے [اقلیدس کے مزید تراجم کا ذکر آگے آ رہا ہے] یہی حال مخروطات و متوسطات و ریاضی و ہیئت کی دوسری کتابوں کا ہے جو یونانی اصل ہی سے ترجمہ ہوئی تھیں۔ اس لئے ان کے مترجمین یقیناً یونانی زبان جانتے تھے۔ پھر ان کتابوں کے جو عربی تراجم آج موجود ہیں وہ یونانی اصلوں سے سرور مختلف ہیں۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ ان کتابوں کے مترجم نہ صرف یہ کہ یونانی زبان سے شناسکتے بلکہ اس کے حیر عالم بھی تھے۔ (اس بات کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے کہ اس زمانہ کے علمی حلقوں میں یونانی زبان رواج جاننے کا بہت زیادہ رواج تھا)

(۲) منطق میں بھی سریانی زبان کے اندر صرف فروریوس کی ایساغوجی اور آرسطو کی



آٹھ کتابوں میں سے ڈھائی تین کتابیں ترجمہ ہوئی تھیں لیکن چوتھی صدی ہجری میں ارسطو کی باقی منطقی کتابوں کا بھی عربی میں ترجمہ ہوا۔ ان پر شروع و تفاسیر لکھی گئیں۔ نیز منطق کی اور کتابوں کے بھی ترجمہ ہوئے۔ ظاہر ہے یہ عربی تراجم مستقلاً سریانی تراجم پر مبنی نہیں تھے بلکہ یونانی سے براہ راست یا بالواسطہ ماخوذ تھے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(الف) مسیحیت اور منطق پر پابندی | چوتھی صدی مسیحی میں مسیحیت رومن سلطنت کی مسلکتی مذہب قرار پائی۔ مسیحی پیشواؤں نے نہ صرف قدیم مذاہب کے پیروؤں کو اپنے تعصب و عناد کا شکار بنایا بلکہ علم و حکمت کے تعلیم و تعلم پر بھی پابندی لگائی۔ منطق کی تعلیم کا بڑا حصہ ممنوع قرار پایا۔ اس کی تفصیل ابن ابی اصیبعہ نے خود ثارانی سے نقل کی ہے:-

جاءت النصونية..... نصرانیت کا زمانہ آیا..... تمام مذہبی مشوا

واجتمعت اراما قفہ وتشاوروا جمع ہوئے اور مشورہ کیا اس تعلیم سے کتنا

فہم بترك من هذا التعليم وما حصہ باقی رکھا جائے اور کتنا مسترد کر دیا جائے

بطل فراءوا ان يعلم من كتب پس یہ رائے قرار پائی کہ منطق کی کتابوں میں

المنطق الى آخر الاشكال يوجد سے "اشکال وجودیہ" کے اختتام تک تعلیم

ولا يعلم ما بعده لانهم ساءوا دی جائے اور اس کے بعد کے مباحث نہ پڑھنا

ان في ذلك ضرراً على النصونية جائیں کیوں کہ ان کی رائے میں اس سے نصرانیت

..... الى ان كان الاسلام کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا..... یہاں

بعداً بحدۃ طوبیہ..... تک کہ عرصہ دراز کے بعد اسلام کا زمانہ آیا

وكان الذي يتعلم في ذلك الوقت ..... اور اس وقت تیسری صدی ہجری

الى آخر الاشكال الوجودية کے آخر میں "اشکال وجودیہ" کے اختتام

تک تعلیم کا رواج تھا۔

لہ طبعات الاطباء لابن ابی اصیبعہ حدثنی ۱۳۵



اور اس کے بعد کی منطقی تعلیم ممنوع تھی اور ”الجزء الذی لا یقراً“ کہلاتی تھی۔ فارابی کہتا ہے۔

”وکان یسمی ما بعد الاشکال“ اور اشکال وجودیہ کے بعد کا حصہ ”الجزء الوجودیۃ الجزء الذی لا یقراً“ الذی لا یقراً“ کہلاتا تھا۔

فارابی کی اس روایت کی تصدیق میں ڈاکٹر ماکس مایر ہوف Max Meyerhoff نے اپنے مشہور مقالہ ”اسکندریہ سے بغداد تک“ کے اندر رینان Renan اور اسٹینشنیلڈ Steinschneider کا حوالہ دیا ہے جو کہتے ہیں کہ ارغانون یا منطق کے سریانی تراجم ہمیشہ تحلیلات اولیٰ [انالوطیقا] کی ساتویں فصل پر ختم ہو جاتے ہیں۔ نیز پانچویں صدی سے جب کہ منطوری ترجمہ کی تحریک کا آغاز ہوا [یعنی پردوس انطاکی کے زمانہ سے] تحلیلات اولیٰ [کتاب القیاس] کے سوا نہ اور کچھ ترجمہ ہوا نہ کسی اور کتاب کی تفسیر لکھی گئی۔ یہی انداز یقوتی Monophysites فرقے کے علماء مثلاً جورجیوس اسقف العربی غیرہ کا بھی رہا۔ وہ بھی اس جزء کے علاوہ نہ کسی اور چیز کی شرح کرتے ہیں نہ ترجمہ لے۔

اسی رسم پر فارابی کے زمانہ تک مسلمان مترجمین و مفسرین کتب منطق نے عمل کیا۔

ابتدائی تین صدیوں میں قاطیغوریاس Categoriæ باری ارمینیاس Pari Helmanias اور انالوطیقا اولیٰ Prior Analytics کے ترجمے ہوئے، تلخیصیں لکھی گئیں، جوامع تیار ہوئیں اور شروح و تفاسیر لکھی گئیں مگر بعد کی پانچ کتابوں [بودیقطیقا (کتاب البرہان) طوبیقا (کتاب الجدل) سوفسطیقا (کتاب الحکمۃ الموضہ) ریطوریکا (کتاب الخطابۃ) اور ابوطیقا (کتاب الشعر)] کے ساتھ کسی نے اعتناء نہیں کیا۔ قاطیغوریاس کے مروجہ نسخہ کو حنین بن اسحق نے عربی میں ترجمہ کیا باری ارمینیاس کو اس کے بیٹے اسحاق نے باپ کے سریانی ترجمہ سے عربی میں نقل کیا اور انالوطیقا کو تیار دوس نے عربی میں ترجمہ کیا اور حنین نے اس پر اصلاح دی۔

لہ طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ جلد ثانی صفحہ ۱۳۵ لہ التراث الیونانی ص ۴۵-۴۶



غالباً یہ عربی تراجم سریانی سے ہوئے اگرچہ اس سے پہلے دوسری صدی کے ربع ثالث میں سما حسانی نے ان تینوں کتابوں اور فروریوس کی ایساغوجی کا براہ راست یونانی سے ترجمہ کیا تھا۔

(ب) رسم قدیم سے بغاوت [منطقی تعلیم کی رسم قدیم کے خلاف سب سے پہلے فارابی نے بغاوت کی اور اس نے اصرار کر کے اپنے استاد یوحنا بن حیلان سے کتاب البرہان بھی پڑھی۔ اس کے بعد مسلمانوں میں "الجزء الذی لا یقرأ" کے پڑھنے پڑھانے کا بھی رواج ہو گیا۔ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے :-

”قال ابو نصر الفارابی عن نفسه  
 انه تعلم من يوحنا بن حیلان  
 الحی آخر کتاب البرہان ...  
 وصار الرسم بعد ذلك  
 صار الامر الحی معلی المسلمین  
 ان یقرء من الاشکال الوجودیة  
 الحی حیث قدر الانسان ان  
 یقرء ۛ

ابو نصر فارابی نے اپنے متعلق لکھا ہے کہ اس  
 نے یوحنا بن حیلان سے کتاب البرہان کے  
 خاتمہ تک پڑھا۔۔۔۔۔ پھر جب منطق کی  
 تعلیم مسلمان معلمین فلسفہ میں آئی تو یہ رسم  
 ہو گئی کہ طالب علم اشکال وجودیہ کے بعد  
 (الجزء الذی لا یقرأ سے) جس قدر حصہ  
 پڑھ سکتا ہو پڑھ لے۔

چنانچہ سب سے پہلے تیسری صدی میں حنین بن اسحق اور اس کے بیٹے اسحق بن حنین نے ابوطیقا کو سریانی میں ترجمہ کیا اور اس سریانی ترجمہ سے فارابی کے معاصر متی بن یونان نے عربی میں ترجمہ کیا۔ اسی طرح اسحق بن حنین نے طوبیقا کو سریانی میں ترجمہ کیا اور یحییٰ بن عدی نے جو فارابی کا شاگرد تھا سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا سوفسطیقا کو ابن ناعم اور متی بن یونان نے سریانی میں ترجمہ کیا اور یحییٰ بن عدی نے توفیلی Neophilus سے عربی میں ترجمہ کیا۔ بطور ریتقا کو حنین بن حنین نے عربی میں ترجمہ کیا۔ بطریقا کو متی بن یونان نے ترجمہ کیا۔

۱۰ معارف جولائی ۱۹۵۴ء ص ۵۵ مکہ طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ ص ۱۳۵



ابودیقطیقا پر پہلے کندی نے شرح لکھی تیسری صدی کے آخر یا چوتھی صدی کے آغاز میں متی بن یونان اور فارابی نے اس پر شرح لکھیں طوبیقا پر فارابی نے شرح لکھی۔ یونانی حکما میں سے طوبیقا پر امونیوس اور اسکندر افروسی نے جو شرح لکھی تھی اُس کا عربی ترجمہ اسحق بن حنین نے کیا۔ دوسرا ترجمہ ابو عثمان دمشقی نے کیا۔ سوفسطیقا کی تفسیر پہلے کندی نے کی پھر تویری نے۔ ریطوریتقا کی تفسیر فارابی نے کی اور ابوطیقا کی تلخیص کندی نے کی۔ ان میں قدیم ترین کندی ہے اُس نے ابودیقطیقا پر شرح لکھی، سوفسطیقا پر شرح لکھی اور ابوطیقا کی تلخیص کی۔ کندی حنین بن اسحق اور اسحق بن حنین سے مقدم ہے جنہوں نے ابودیقطیقا کو سریانی میں ترجمہ کیا۔ اور متی بن یونان سے تو بہت زیادہ مقدم ہے جس نے سوفسطیقا کو سریانی میں اور ابوطیقا کو عربی میں ترجمہ کیا۔ لہذا کندی کے زمانہ میں کسی سریانی ترجمہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اب سوال یہ ہے کہ کندی نے یہ شرح اور تلخیص کس متن سے کیں یہاں اس بات کے تسلیم کے بغیر چارہ نہیں ہے کہ یا تو کندی کے پیش نظر ان کتابوں کے عربی تراجم تھے جو بعد میں غیر معروف ہو گئے مگر جو براہ راست یونانی سے کئے گئے تھے یا کندی نے ان کتابوں کی یونانی اصلوں کو سامنے رکھ کر ان کی شرح اور تلخیص لکھیں [غالباً یہ موخر الذکر شق زیادہ قرین قیاس ہے اس کی تفصیل آگے آئے گی] رہے حنین بن اسحق اور اسحق بن حنین تو وہ منہ جہین عہد اسلام کے گل سرسید ہیں خواہ براہ راست یونانی سے عربی میں ترجمہ کریں جیسا کہ ریاضی و ہندسہ کی کتابوں کے سلسلے میں کیا یہ سریانی کے واسطے سے کریں، بہر حال یونانی سے واقف تھے۔ اسی طرح متی بن یونان بھی سریانی کے علاوہ یونانی میں دستگاہ کامل رکھتا تھا، اُس نے نہ صرف اسحق کے سریانی ترجمہ ابودیقطیقا اور ابوطیقا کو عربی میں نقل کیا بلکہ خود سوفسطیقا کو یونانی سے سریانی میں ترجمہ کیا۔



بہر حال ارسطاطالیسی منطق کی باقی پانچ کتابوں کے ترجمے ایسے لوگوں نے کئے جو ”مترجمین عہد اسلام“ کے حلقہ سے تعلق رکھتے تھے اور یونانی کے جید عالم تھے۔

ارسطاطالیسی منطق کی کتب ثمانیہ کے علاوہ اور بھی منطق کی کتابیں تھیں مثلاً جالینوس کی ”کتاب البرہان“ جو عہد اسلام سے پیشتر سریانی میں ترجمہ نہیں ہوئی تھیں لیکن مترجمین اسلام کی سعی و اعتناء سے اپنی یونانی اصل میں دریافت ہو کر ترجمہ ہوئیں۔ جالینوس کی کتاب البرہان کو سب سے پہلے جبریل بن نجیشہ نے تلاش کرایا اور بڑی زحمت کے بعد یونانی اس کے کچھ مقالے حاصل کر کے ان کا ترجمہ کیا۔ بعد ازاں حسین بن اسحق نے بڑی جدوجہد کے بعد اس کے کچھ مزید مقالے تلاش کئے چنانچہ ابن ابی اصیبعہ لکھتا ہے :-

”کتاب البرہان .... قال

حنین و یقع الی غل لغایۃ الی

احد مت اهل دهرنا کذب

البرہان نسخۃ تامۃ بالیونانیۃ

صلی ان جبریل قد کان عفی

بطلبہ عنایۃ شدیدۃ و طلبۃ

انا بغایۃ الطلب فلم اجدر منه

شیئاً الا بد مشق نحو آمن نصفہ

... وقد کان جبریل

ایضاً وجد منه مقالات

..... و ترجمہ لہ ایوب ما

وجد منہما ..... و ترجمہ

علی بن یحییٰ ما وجد من

کتاب البرہان .... حنین نے کہا ہے کہ

آج تک ہمارے دور میں سے کسی کو یونانی

زبان میں کتاب البرہان کا مکمل نسخہ نہیں ملا۔

حالانکہ جبریل نے اس کی تلاش میں بہت

زیادہ اعتناء کیا تھا اسی طرح میں نے بھی اسے

بہت زیادہ ڈھونڈا .... مگر مجھے صرف

دشق میں اس کا کوئی نصف حصہ دستیاب

ہوا جبریل کو بھی کچھ متقاضیہ سے کہنے ...

... جن کا ترجمہ اس نے یاد سے ایوب کیا تھا

..... آٹھویں مقالے سے کیا رہویں مقالے

تک جو حصہ دستیاب ہوا اس کا ترجمہ سریانی

یہی نے اور بارہویں مقالے سے پندرہویں

مقالے تک کا ترجمہ اسحق بن حنین نے کیا



المقالة الثامنة الى المقالة  
الحادية عشر وترجم اسحق  
بن حنين من المقالة الثانية  
عشر الى المقالة الخامسة عشر  
الى العربية ۱۰

اسی طرح ارسطاطالیسی فلسفہ کی بہت سی کتابیں تھیں جو سریانی میں ترجمہ نہیں ہوئی تھیں مگر عربی میں ان کا ترجمہ ہوا جو یقیناً یونانی اصل سے براہ راست ہوا ہوگا۔ مثلاً ارسطو کی ”کتاب الآثار العلویہ“ پر اسکندر افروڈیسی نے شرح لکھی تھی مگر یہ شرح متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے بھی سریانی میں ترجمہ نہیں کی لیکن اس کا عربی میں ترجمہ ہوا چنانچہ ابن النذیم لکھتا ہے :-

الکلام علی الآثار العلویہ... کتاب الآثار العلویہ... اسکندر  
... وللا اسکندر شرح نقل افروڈیسی نے اس پر شرح لکھی تھی۔ یہ شرح  
الی العربی ولہ یثقل الی المشرقی... عربی میں ترجمہ ہوئی مگر اس سے پہلے سریانی  
میں ترجمہ نہیں ہوئی تھی۔

(۳) مترجمین عہد اسلام کی ایک بڑی تعداد صائبہ حران پر مشتمل تھی جو دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ یونانی میں بھی بہارت تمام لکھتے تھے حرانی مترجمین کے علاوہ اور بھی مترجمین یونانی جانتے تھے کیوں کہ اس کی تعلیم کا مشرق قریب میں عرب سے رواج تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے :-

سکندر کے حملہ کے بعد سے جنوبی مغربی ایشیا کی ثقافتی زبان یونانی ہو گئی تھی شاہ  
اشکانی یونانی زبان اور اس کی ہادویات کا احترام اس حد تک کرتے تھے کہ اس میں

۱۰ طبقات ابن ابی نعیم جلد اول ص ۳۵ الفہرست ص ۳۵



پرستش کا شائبہ پایا جاتا تھا۔ مشتاق یونان Phil Hellen کا لقب جسے بادشاہ ہر  
 اول نے اختیار کیا تھا اس کے جانشینوں نے بھی برقرار رکھا۔ جب شاہ  
 اردوان Ordes نے رومن سپہ سالار کراسوس پر فتح پائی تو حکم دیا کہ یوری یاڈ  
 Earphiden کا یونانی ڈرامہ بیکائی Bacchae اس کے سامنے کر کے دکھایا جائے۔ بعض اشکانی  
 بادشاہوں کے یونانی زبان میں لکھے ہوئے کتبے اب تک باقی ہیں۔ یونانی زبان ان کی  
 سلطنت کے بعض حصوں کی ملکی زبان تھی۔ ساسانی خاندان کے ابتدائی بادشاہوں نے  
 بھی پہلوی کے ساتھ ساتھ یونانی زبان کو اپنے کتبوں میں استعمال کیا ہے۔ غرض یونانی زبان  
 کو مشرقِ قریب میں قدیم زمانہ سے مقبولیت حاصل تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ شاہ پور نے یونان  
 سے فلسفہ و حکمت کی کتابیں منگا کر فارسی میں ترجمہ کرائیں۔ بعد میں بھی امتدادِ زمانہ کے  
 باوجود یونان پسندی ایران کے ادبی مزاج سے بالکل فضا نہیں ہوئی اور پانچویں صدی کے بعد  
 تو نستعلیق کے فروغ نے اس میں جان ڈال دی تا آنکہ چھٹی صدی میں خسرو انوشیروان  
 کی علم دوستی سے یہ اپنے معراجِ کمال کو پہنچ گئی اس کے نتیجے میں جندی سابور کا مدرسہ ظہور میں  
 آیا جو اسلامی ثقافت (بالخصوص مسلمانوں میں یونانی علوم کی نشر و اشاعت) کا جزوہ  
 اور مخزما یہ ہے۔

اپنے ایرانی پیشروں سے مسلمانوں نے بھی یونان پسندی درختہ میں پائی۔ اسی لئے منصور  
 (۱۳۶ - ۱۵۸) کے زمانہ میں جب اصولِ اقلیدس پہلی مرتبہ زبائر میں آئی تو اسے یونانی سے  
 عربی میں ترجمہ کرانے کے لئے کوئی دقت نہیں ہوئی۔

قومی و ملکی تعصب کی وجہ سے ایران میں یونان پسندی کو وقتوں کا سامنا ضرور کرنا  
 پڑا۔ تاہم عراق میں حران ایسا مقام تھا جو یونانی ثقافت کے پرستاروں کا آخری ملجأ و مآویہ  
 تھا۔ اسی وجہ سے حران کے پڑوسی اُسے درمیانِ یونانیین Hellesponto کہتے تھے۔ اور اسی وجہ

سے ایران بعد ساسانیوں کے تہ التراثِ یونانی ہے



سے ریاضی و ہیئت کے اکثر علماء حرانی صابئی تھے حافظ ابن تیمیہ نے ”الرد علی المنطقیین“ میں لکھا ہے :-

فان حران كانت دار لھولاء  
الصائبة . . . . . وكان بها  
ھيكل لعلة الاولى . . . . .  
وكان هذا دينهم قبل ظهور  
النصرانية فيهم ثم ظهرة  
النصوانية فيهم مع بقاء اولئك  
الصائبة المشركين حتى جاء  
الاسلام ولم يزل بها الصائبة  
والفلاسفة في دولة الاسلام  
الى آخر وقت ومنهم الصائبة  
الذين كانوا ببغداد وغيرها  
اطباء وكتابا وبعضهم لم يسلم

کیوں کہ حران ان صابئوں کا ملک تھا . . . .  
۔ . . اور اسی میں علتِ اولیٰ کا مندر ہے  
۔ . . . . اور یہی (صابئت) مسیحیت سے  
پہلے ان کا مذہب تھا۔ پھر نصرانیت ان میں  
پھیل گئی مگر یہ مشرک صابئی اب بھی باقی رہے  
یہاں تک اسلام مبعوث ہوا اور اس شہر میں  
اسلامی سلطنت کے عہد میں بھی آخر تک  
صابئی اور فلسفی لوگ بود و باش رکھتے رہے  
انھیں لوگوں میں سے وہ صابئی تھے جو بغداد  
میں طبیب اور کتاب (ملازمین سکرٹریٹ)  
کی حیثیت سے رہتے تھے اور ان میں سے بہت  
سے لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔

بہر حال اکثر مترجمین اسی حران کے رہنے والے تھے اور اس لئے یقیناً یونانی زبان

(باقی)

سے واقف تھے۔  
لے الرد علی المنطقیین ص ۲۸

## صراطِ مستقیم

انگریزی زبان میں اسلام کی صداقت پر ایک معزز یورپین نو مسلم خاتون کی  
مختصر در بہت اچھی کتاب۔ محترم خاتون نے شروع میں اسلام قبول کرنے کے مفصل  
ذوہ بھی تحریر کئے ہیں۔ طبع جدید ہے۔



## ہندو ہند کا ایک علمی وثقافتی تذکرہ

(رجال السند والہند الى القرن السابع)

(جناب مولانا ابو محفوظ الکریم صاحب معصومی لکچرر تاریخ مدرسہ عالیہ کلکتہ)

سات آٹھ سال پہلے کی بات ہے کہ جناب مولانا قاضی ابوالعالی اطہر مبارک پوری کی علمی مصروفیتوں کے تذکرہ میں ایک بزرگ کی زبانی یہ خبر ملی تھی کہ سندو ہند کے رجال پر قاضی صاحب نے کام شروع کیا ہے۔ یہ اطلاع راقم کے لئے بے حد مسرت آگئی واشتیاق آفریں تھی کہ سندھ کی علمی و تمدنی تاریخ کا موضوع، علم و تحقیق کے ہر طالب کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

سندھ اور شمالی ہند کی تاریخ کے مطالعہ میں سب سے بڑی دشواری مواد کی ندرت و کمیابی اور علمی الخصوص تمدنی وثقافتی تاریخ سے متعلق باقی ماندہ مواد کی بے ترتیبی و پراگندگی ہے۔ عربی تاریخوں کے ضمنی ابواب متعلقہ فتوح سند کے علاوہ کنتی کی چند کتابیں پیچ نامہ، تلج المآثر، طبقات ناصری اور کئی اعتبار سے ادب الحرب والشجاع، لباب الالباب، جوامع الحکایات وغیرہ اصولی مآخذ ہیں جن سے سیاسی تاریخ کا جو کھٹاجوں توں تیار بھی کر لیا جاتا ہے پر علمی وثقافتی تاریخ کے سلسلہ میں ہمارے پاس کوئی ایسا مرتب و مستند دستاویز نہیں جو صحیح معنوں میں نشان راہ بن سکتا ہو۔

اس میں شک نہیں کہ اسلامی ثقافت نے سندھ کی کایا پلٹ دی تھی اور کتنی ہی باکمال شخصیتیں اس اقلیم میں پیدا ہوئیں جن کا حصہ سلامی و عربی ثقافت کی تعمیر ترقی میں بغداد و قسطنطنیہ کے رواد علم و ادب کے مقابلہ میں کچھ کم نہیں رہا لیکن اسلامی ثقافت کے



اصلی مرکز دمشق، بغداد اور جرین سے قریب تر ہونے کے علاوہ مخصوص سیاسی حالات کے باعث سندھ کی مرکزیت ان عظیم مرکزوں کا صمیم بنی رہی اس کے نتیجے میں سندھ کی باکمال شخصیتوں کو وطن کی چہار دیواری سے باہر اپنے جوہر دکھلانے کے جس قدر مواقع حاصل تھے وہ خود اپنی جہم بھومی میں انہیں میسر نہیں آ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سندھ کی معروف ترین شخصیتیں صرف اپنی غریب الدیاری کی بدولت زندہ جاوید رہیں ورنہ سندھ میں رہ کر ان کو بغداد کے خطیب و ابن التجار، مرو کے سمعانی یا دمشق کے ابن عساکر جیسے تذکرہ نگار ہرگز میسر نہیں آتے۔ کاش سندھی رُواةِ علم و ادب کے لئے بھی کوئی ابن الفرغنی یا ابن بشکوال پیدا ہوا ہوتا تو آج کتنی ہی نامعلوم شخصیتوں کا شمارشکام میں ہوتا اور کتنی بے جان خاکوں میں جان پڑ گئی ہوتی، یہ واقعہ ہے کہ جن سندھی علماء کے سرسری خاکے کتب طبقات مترجم میں محفوظ رہ گئے ہیں آج ہم ان کے خدو خال صحیح طور پر اجاگر کرنے میں رنگ و روغن کا سارا ذخیرہ صرف کر ڈالنے پر بھی پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکتے۔ بہر حال اس سنگلاخ زمین کا طے کرنا اور موضوع کا حق ادا کرنا جس قدر کمشن اور صبر آزمایا کام ہے اس کا اندازہ کچھ اہل نظر ہی کر سکتے ہیں کہ سندھ و ہند کے علماء قدیم کی جو پرچھائیاں ہزاروں صفحات میں پھیلی ہوئی کتب طبقات و تراجم میں غمنما یا اصالة باقی رہ گئی ہیں ان کو تحقیق کی گرفت میں لانا اور ذمہ دارانہ شناخت کے بعد ان سے بزم پیشین کا آراستہ کرنا "جام و سندان باختر" کا مصداق ہے۔ قاضی اطہر صاحب اپنی اخباری مصروفیتوں کے باوجود اس خالص علمی و ثقافتی خدمت کے انجام دینے میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ ان کی مسلسل ورق گردانیوں کا خلاصہ کتاب رجال السند و الہندالی القرن السابع کی شکل میں ارباب علم و فن کے ہاتھوں میں ہے ہمیں یقین ہے کہ اسلامیات کے مکتبہ میں یہ کتاب موضوع کی سنگلاخی اور مولف

عہ المطبعة الحجازیہ، ۵۹ شارع محمد علی بومباہی ۳ (الہند) ذوالحجہ ۱۳۷۹ھ - یونیورسٹی



خدا

جلد آٹھویں

کی تفصیل یہ ہے کہ :

دالفت) بامیان کو سندھ کا علاقہ تصور کیا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ اصل حصہ میں



کے ذوق تحقیق و تفحص کے لحاظ سے گراں قدر اضافہ قرار پائے گی۔

اس کتاب کے ذریعہ ہمیں سندو ہند کے محدثین، مفسرین، فقہاء، ادباء، شعراء اطباء اور دوسرے قابل ذکر اشخاص کی بہت بڑی جماعت کا تعارف بیک نظر حاصل ہو جاتا ہے۔ کتاب کے ابتدائی صفحات میں مختلف الدیار علماء کی تقریظیں نشر و نظم میں درج ہیں مولف کی اس عظیم خدمت کے اعتراف میں فاضل تقریظ نگاروں نے بجا طور پر اپنے بہترین جذبات و خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مولف کا مبسوط مقدمہ صفحہ ۱۱ سے صفحہ ۶۴ تک سندھ کے قدیم تاریخی و جغرافیائی ماخذوں کے سرسری ذکر کے علاوہ سندو ہند کے مردم خیز خطوں اور تاریخی اہمیت کے شہروں کے تفصیلی تعارف پر مشتمل ہے۔ تراجم و سوانح کا حصہ صفحہ ۶۴ سے صفحہ ۳۰۹ تک اس کے بعد فہرست رجال صفحہ ۳۰۵ تک اور اخیر میں مصادر و ماخذ کی فہرست صفحہ ۳۸۲ تک درج ہے مولف کی بے پایاں محنت و کادش کے اعتراف کے ساتھ تحقیق طلب امور پر اظہار خیال و رشواہد و قرائن کی وضاحت ہمارا علمی و اخلاقی فرض ہے۔ امید کہ مولف کتاب مندرج ذیل معروضات کو علمی خلوص پر محمول فرماتے ہوئے ہمارے اختلاف و وجوہ اختلاف پر غور فرمائیں گے ہم نے اپنے فرغن کے پورا کرنے میں علمی و تحقیقی حدود و قیود کی رعایت حتی الامکان مد نظر رکھی ہے۔

(۱) مولف نے سندو ہند کو قدیم عرب مؤرخین و جغرافیہین کی مقررہ عادت کے مطابق دو مستقل اقلیموں کی حیثیت دی ہے ہمارے ناقص خیال میں صحیح طریقہ کار بھی یہی تھا البتہ انھوں نے بعض ایسے علاقوں کو بلاد سندھ میں شامل کر لیا ہے جن کی بابت قدیم عرب جغرافیہ نگاروں کا قول ثبوت میں پیش نہیں کیا جاسکتا اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ :

والف) بامیان کو سندھ کا علاقہ تصور کیا گیا ہے اور کتاب کے اصل حصہ میں



بامیان کے کئی اشخاص کے تراجم نقل کئے گئے ہیں ہمارے خیالی میں بامیان کے اشخاص کو سند و ہند کے ارباب علم و دانش کے طبقات میں شمار کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ سمعانی بامیانی کی نسبت میں اس کا موقع بلخ و غزنہ کے درمیان بتاتے ہیں یہاں کے مضبوط قلعہ اور بیت خانہ کی بلند عمارت اور اس کے اندرونی نقش و نگار کا تذکرہ کرتے ہیں، سرخ بیت اور خٹک بیت کا نام بتاتے ہیں۔ معروف جغرافیہ نویس یاقوت، معجم البلدان میں سمعانی کے بیان پر صرف اتنا اضافہ کرتا ہے کہ بلخ سے بامیان تک ۲۳۰ میل ہیں اور غزنہ سے بامیان تک ۲۰۰ میل ہیں۔ چوتھی صدی ہجری کی فارسی کتاب جغرافیہ حدود العالم کا بیان سمعانی سے قطعاً مختلف نہیں اس میں بامیان کا موقع غزنہ اور حدود خراسان کے درمیان بتایا گیا ہے۔ ابن الفقیہ خراسان کی علاقائی تقسیم میں بامیان کو تیسرے حصہ میں (الربیع الثالث من خراسان) رکھتا ہے (دیکھو الانساب سمعانی ص ۶۳، معجم البلدان ج ۱ ص ۴۸۱ ابن الاثیر اللہ باب ج ۱ ص ۹۲ حدود العالم (ترجمہ) ص ۱۰۹، کتاب البلدان، ابن الفقیہ ص ۳۲۱) غرض بامیان کا سندھ سے رشتہ جوڑنا ظاہراً بالکل غلط ہے۔

دب) بامیان کی طرح ارض الہند اور یازمندا در بھی صحیح جغرافیائی بیان کے بموجب سندھ کے وسیع حدود میں شامل نہیں کیا جاسکتا لیکن مولف کتاب نے بلا تامل زمندا در کے علماء کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے اور زمندا در پر مقدمہ کتاب میں یاقوت کا اقتباس پیش کیا ہے۔ بلا و دا اور کاموقع غور اور نبت کے درمیان حدود خراسان میں ہے (حدود العالم ص ۱۱۱) ابن خرداد بہ سبستان کے شہروں کو شمار کرتے ہوئے لکھتا ہے: والراج ویرد الہند و دھی مملکتہ رستم الشدید مملکتہ کیکاؤس و الممالک و الممالک عنہ (ص ۱۱۱) ابن الفقیہ کی کتاب میں اپنی الفاظ کا اعادہ ہے (البلدان ص ۲۰۸) خود یاقوت کے الفاظ لفظ دا اور کے تحت سندھ سے دا اور



کا تعلق کسی طرح ظاہر نہیں کرتے اور اس نے لفظ ضرور یعنی بلادِ دار کے صنم مرصع کے ذکر میں جو لکھا ہے کہ ”صنم کات فی بلاد الدار و من ارض السند“ یہ اس کے مقدم الذکر بیان اور بقیہ تمام جغرافیہ نویسوں کی تحریر کے خلاف ہے۔ لہذا یا قوت کے اس آخری بیان سے مولف اگر استدلال کرنا بھی چاہیں تو متفقہ جغرافیائی اقوال کی روشنی میں اس کی گنجائش نہیں نکلتی۔

(۲) سندھ کے مشہور متنازع فیہ شہر بیرون کے نام میں قدیم تصحیف برقرار رکھی گئی ہے۔ مولف کے نزدیک بیرون (بہ یائے موحده) کی صحت غیر مشکوک ہے وہ قلعشدری اور ابن سعید مغربی کے اقتباسات پیش کرتے ہیں (مقدمہ جال السند صفحہ ۲۹) ان میں سے قلعشدری کا بیان اس نام کی تحقیق و ضبط سے خالی اور اصل میں بیرونی کی معروف کتاب القانون المسعودی سے ماخوذ ہے۔ قانون کی طباعت چند قدیم مخطوطوں کی بنیاد پر ہو چکی ہے اور اس میں اس شہر کا نام بیرون (بالتون) درج ملتا ہے جس کی صحت پر اہل تحقیق عموماً اتفاق رکھتے ہیں۔ بیرونی شہر کا طول ۹۴ درجہ ۳۰ دقیقہ (صد / ل) اور عرض البلد ۲۴ درجہ ۴۵ دقیقہ (کد / مدہ) بتاتا ہے جو قلعشدری کے یہاں بالکل صحیح منقول ہے۔ بہر حال صبح الاعشی میں بیرون بالبائ کا وجود تصحیف پر مبنی ہے (القانون المسعودی ج ۲ / ۵۵۲)۔ واقعہ یہ ہے کہ اس لفظ کا ضبط کسی قدیم جغرافیہ نویس کے یہاں نہیں ملتا البتہ جغرافیائی کتابوں میں عام طور سے اس کی قراءۃ بیرون بالبائ کی گئی ہے۔ اصطخری کی کتاب المسالک والممالک میں (بیرون) (بالبائ) ہے لیکن اس کے قلمی نسخوں میں بیرون اور بیرون کی شکلیں بھی ملتی ہیں آخری شکل بزرگئے معجم بعد الواد ہے بلندی کی فتوح البلدان میں صرف ایک جگہ اس کا ذکر آتا ہے جس کی قراءت مستشرق دغویہ حسب عادت بالبائ کرتا ہے حالانکہ اصل نسخہ میں السرون بلا اعجام لکھا ہے (نہ یکھو فتوح البلدان ص ۳۳۳ حاشیہ ترجمہ)





میں جن دلائل یا قرائن و شواہد کی ضرورت ہو سکتی ہے اصولی طور پر ان کا واضح نقشہ مؤلف کے پیش نظر نہیں رہا۔ یہ واضح رہے کہ تراجم و طبقات کی کتابوں میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ملتی ہے جن کے اسماء و کنیٰ۔ سندی، ہندی، ابو السندی، ابو الہندی وغیرہ ہیں لیکن ان لوگوں کے سندی الاصل ہونے کے بارہ میں کوئی ثبوت علی العموم پیش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مؤلف کتاب کا نظریہ کسی کو سندی الاصل قرار دینے کے سلسلہ میں یہ رہا ہے کہ مذکورہ اعلام و کنیٰ کی دلالت کافی سمجھ لی جاتے۔ اس کتاب کے کثیر تراجم کا نفس موضوع سے اسی قدر تعلق ثابت کیا جاسکتا ہے کہ اشخاص متعلقہ میں سے کسی کا نام سندی تھا اور کسی کا ہندی۔ کسی کی کنیت ابو السندی تھی اور کسی کی ابو الہندی، کوئی ابن السندی کہلاتا تھا اور کوئی ابن الہندی۔ ذیل میں ہم اس امر کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں کہ مؤلف کے خیال کے بر خلاف ہر جگہ، سندی، ابو السندی یا ہندی، ابو الہندی کسی شخص کی سندیت یا ہندیت کے بارہ میں دلیل و حجت نہیں بن سکتے جب تک اس کی اصیلت کسی مستند ماخذ سے بصراحت معلوم نہ ہو یا قوی قرائن و شواہد اس کے ہندی نژاد ہونے کے حق میں نہ پائے جاتیں ہم یہاں ان اشتباہ انگیز الفاظ میں سے صرف سندی، ہندی اور دیلی کی نسبت اپنا خیال ظاہر کریں گے کہ مؤلف کے ذہن پر انہی لفظوں کا غلبہ و استیلاء رہا ہے۔

(اعت) سندی کا لفظ عربی زبان میں سند کی طرف نسبت ہے اور علم و لقب کی حیثیت سے بھی مروج رہا ہے سمعانی کی کتاب الانساب میں دونوں حیثیتیں واضح کی گئی ہیں جن شخصیتوں کے لئے سندی بطور علم یا لقب استعمال کیا گیا ہے ہمارے نزدیک

نہ خود مؤلف نے سہل بن عبد دیہ الرازی کے ترجمہ میں ذہبی کا قول نقل کیا ہے۔ ”یلقب سندی“  
رجل السندی (اور ابو معشر یحییٰ بن عبد الرحمن السندی کے تذکرہ میں بن حاتم حوالہ  
سے صاحب الجبر شاذان خدوون کے الفاظ نقل کئے ہیں) کان اصبغ سندی فی  
السندی من القب باطنی

ان کا سندی الاصل ہونا قطعاً ضروری نہیں۔ بہر حال کتاب الانساب کی یہ صراحت مد نظر رہنی چاہیے کہ ”واسم علی و ذان هذه النسبة وهو السندی بن شاہک صاحب الحرم الخ یعنی سندی کا ہم وزن نام بھی ہوتا ہے جیسے سندی بن شاہک کا نام۔ سمعانی کے اس بیان کی توثیق و وضاحت ابن الاثیر کی اللباب فی تہذیب کے ہو جاتی ہے ان کے الفاظ غریح ہیں کہ۔۔۔ وفي الاسماء ما يشبه هذه النسبة یعنی اسماء و اعلام میں اس نسبت (سندی) کا ہم وزن بھی مروج رہا ہے حیرت ہے کہ مؤلف کتاب کے پیش نظر دونوں کتابیں رہی ہیں اس کے باوجود انھوں نے اس مشترک بیان پر غور نہیں کیا اور اس کے نتیجے میں بڑی غلط فہمی میں مبتلا رہے سمعانی اور ابن الاثیر کے متفقہ بیان کی مزید توثیق میں یہ کہنا بے موقع نہ ہوگا کہ علم و لقب کے طور پر صرف سندی یا السندی ہی مروج نہیں رہا تھا بلکہ اور مقامات کی نسبتوں کے ہم وزن اعلام و اسماء بھی کتب طبقات و رجال میں بکثرت ملتے ہیں اور ان اعلام و اسماء سے موسوم اشخاص کی اعلیت و نسل اولیت کا الحاق ان مقامات سے ثابت نہیں ہوتا۔ مثلاً علی بن بندار بن کمی بن عاصم ابو عبد اللہ الزنجانی ابو نعیم کی کتاب تاریخ اصیہان کے رجال میں ہیں (تاریخ اصیہان ج ۲/ ۳۲۶، یورپ) اس شخص کی اصل زنجان سے قرار پائے گی اگر کوئی شخص دادا اور پوتا دونوں کے موسوم بنی ہوئے کی بنا پر ان دونوں کوئی نسل قرار دے تو یہ بات مضحکہ خیز ہوگی اسی طرح جنید بن کوئی بن جنید بن خبار نیمہان کی شخصیتوں میں ہے (ج ۱ ص ۲۵۲) جنید کا باپ کوئی نام رکھتا تھا اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ کوئی الاصل تھا بہت عجیب ہوگا اس قسم کے اعلام کی طویل نسبت سے بحث کو طول دینا لاطائل ہوگا ہمارا مقصد یہ واضح کر دینا ہے کہ جس سندی علم کے طور پر آیا ہے وہاں ابھی طرح غور کر لیتا چاہیے اگر کسی ایسے شخص کی نسبت تذکرہ نگاروں کی صراحت یا تاریخی قرائن کی دلالت سے ثبوت



کو پہنچ جلتے تو اس کا تذکرہ رجال سند کے طبقے میں درست قرار پائے گا اور عدم ثبوت کی شکل میں صرف اسم و علم کی بنیاد پر کسی کا سند سے رشتہ جوڑ دینا سندی تراشی کے جذبہ کو تسکین پہنچا سکتا ہے تحقیق کا حق نہیں ادا کر سکتا۔

(ب) ہندی یا ابوالہندی کا یہی حال رہا ہے کہ ہندی صرف نسبت ہی نہیں بلکہ بطور علم بھی مستعمل رہا ہے لہذا کسی کو ہندی الاصل قرار دینے کے لئے اس سے موسوم ہونا کافی نہیں۔ ہند عربوں کے محبوب ترین اسماء میں سے ہے اور عہد جاہلیت اس سے ذکر و انات کے لئے عام رہا ہے۔ ہندی بھی عربی اعلام میں اتنا ہی مقبول تھا اس نام کی شہرت کے پیش نظر کسی دلیل کی ضرورت نہیں لیکن مولف کی غلط فہمی زائل کرنے کے لئے یہاں لسان العرب کا ایک فقرہ پیش کر دیا جاتا ہے جو ابومصور الازہری کی کتاب تہذیب اللغہ سے ماخوذ ہے و من اسمائہم ہندی و ہناد و ہند۔ (لسان ج ۷ ص ۴۵۰) آئندہ معلوم ہو گا کہ اس بارہ میں بھی مولف کا نقطہ نظر کس قدر غلط رہا ہے۔

(ج) سندی اور ہندی دونوں لفظ علم اور نسبت کی مشترکہ حیثیت رکھتے تھے یہاں ہمیں بعض ایسی نسبتوں کی طرف اشارہ کر دینا ہے جو مشترک نام کے شہروں کی نسبت ہونے یا خطی مشابہت کی وجہ سے مصحف ہو جانے کی بناء پر مولف کو بار بار غلطیوں میں مبتلا کرتے رہے مثال کے طور پر منصوری، بوقاتی اور دیلی کی نسبتیں پیش کی جاتی ہیں آخری لفظ دیلی (بتقدیم الباء المثناة) سندھ کے مشہور شہر دیہلی (دال مفتوح، یا عثثة ساکنہ) باء موحده مضمومہ اور لام) کی طرف نسبت ہے مولف نے شہر دیہلی کا مفصل تعارف بھی پیش کیا ہے (رجال سندھ ص ۲۷-۲۸) لیکن اس امر کا انہوں نے خیال نہیں کیا کہ سندھ کا دیہلی بتقدیم یا عثثة ہے اور اس کا سم شکل دیہلی بتقدیم پائے موحده ایک معروف مقام رہا ہے جس کو سندھ کے علاقہ سے کوئی واسطہ نہیں۔

محدثین دروۃ کی شخصیتیں تنہا سندھ کے شہر دیبل ہی میں پیدا نہیں ہوئی تھیں کتنے  
محدثین و قراء ایسے بھی گذرے ہیں جن کا تعلق دیبل اسد کے بجائے دیبل (بہ تقدیم  
یائے موحده) سے تھا چنانچہ سمعانی کی کتاب میں ہر دو نسبتوں کا ذکر اپنی اپنی جگہ پر ملتا  
ہے الذیل (بہ تقدیم الباء الموحده) کی نسبت اس ضبط کے ساتھ ملتی ہے۔

”بتقدیم الباء و بفتح الدال و کسر الیاء .... هذه النسبة الى دیبل  
وهی قریة من قرى الرملة (الانساب) ہر دو مقاموں کی بابت  
مزید تفصیل لغوی و جغرافیائی ماخذوں سے پیش کر دی جاتی ہے فیروز آبادی مؤلف  
قاموس مادہ دیبل کے تحت پہلے دیبل بتقدیم الباء الموحده بروزن امیر کے بارہ میں لکھتے  
ہیں۔ ”موضع بالسند“۔ یہ قول حسب تصریح زبیدی شارح قاموس تنہا ابو علی  
انفارسی سے ماخوذ ہے زبیدی نے صراحت کی ہے۔ ”عن الفارسی والنشد  
سیبویہ۔“

سیبویہ فوقی اقم السلس اقفا بقالیقلا و من وراء دیبل  
(تاج العروس ج ۴/۳۱۷) فارسی ایک مستند و محقق ترین نحوی ہے اس کی امانت  
فن نحو و عربیہ میں معروف و مسلم ہے لیکن جغرافیہ اور خصوصاً جزیرۃ العرب کے باہر کے  
جغرافیہ میں اس کا قول کوئی اہمیت نہیں رکھتا پھر اس کے خلاف تمام محققین جغرافیہ  
کے اقوال ہیں۔ خود اس شعر میں آرمینہ کے مشہور شہر قالیقلا کا ذکر اس بات کا واضح  
قرینہ ہے کہ دیبل کا موقع و محل کہیں آس پاس ہوگا مشہور جغرافیہ نویس ابو عبید البکر  
جو نحو و لغہ میں بھی طبقہ علیا کے محققین میں شمار کیا جاتا ہے فارسی کے اس قول سے بے  
تعلق ہو کر معجم ما استعجم میں دیبل بروزن فیصل کے متعلق لکھتا ہے۔ ”مدینۃ من  
الشام معروفة، و دیبل بتقدیم الباء موضع آخرین کسری موضعہ  
(معجم ما استعجم مصر) مؤخر الذکر مقام دیبل بتقدیم یائے مثناة کے ذکر میں اس



کے الفاظ یہ ہیں - الدیبل یفتح اولہ وبالباء المعجمة بواحدة المضمومة،  
مدینة معروف فی اسفند و یقال لها ایضا الدیبلان الشد  
ابو عمرو عن ثعلب عن ابن الاعرابی -

كان ذراعاً المشكول منه سلیب من رجال الدیبلان  
(معجم یا شمع ص ۵۶۹ مصر) اس بیان سے ایک نئی بات معلوم ہوتی ہے کہ دیبل اسند  
کو دیبلان بصیغہ تثنیہ بھی کہا کرتے تھے لیکن ہمارے خیال میں یہ صرف شاعری  
کی زبان ہے اور عربوں کی عادت جزیرۃ العرب کے بہت سے مقامات کے سلسلہ میں  
صیغہ تثنیہ استعمال کرنے کی رہی ہے اسی کے مطابق کہنے والے نے الدیبلان کہہ دیا۔  
فارسی کے قول کا ضعف خود فیروز آبادی کی اس تصریح سے واضح ہو جاتا ہے کہ -  
”ودیبل بضم الباء الموحدة وبسکون الیاء المشناة التحتیة والدال  
مفتوحة و یقال الدیبلان علی التثنیة“ - اس دلیل کے تعارف میں میر  
نے صفائی کا حسب ذیل بیان نقل کیا ہے کہ - ”قصبة بلاد السند التي تدعى  
اليها السفن قال الصاغانی اهلها صلحاء وامراءؤها طلماع قدما  
وحدیثا یشاركون قطاع طریق سفن البحر و یضربون معهم بسهم  
رتاج العروس ج ۴ / ۳۱۷) دیبل کے امیروں کی اوباشی اور بھری ڈاکوؤں سے ان  
کا سا جھاگوا یا صاغانی کے عہد تک قائم تھا فتوح سندھ کے اسباب میں ایک قوی  
سبب اُن سمندری ڈاکوؤں کی شرارتیں تھیں تاج العروس کی دونوں عبارتوں  
سے صحت ظاہر ہے کہ دیبل (بتقدیم الباء الموحدة) کی نشاندہی سندھ میں صرف  
الفارسی کا بیان ہے اور صاغانی کو اس کا علم نہیں بظاہر اس نام کی کوئی جگہ سندھ  
میں ہوتی تو صاغانی کو اس سے ضرور واقفیت ہوتی پس صاغانی کی عدم واقفیت  
فارسی کے قول کی تردید کے لئے کافی ہے۔ بکری کی منقولہ بالا عبارت میں دیبل الشام

اور دیبل السند کے ناموں میں وقوع تصحیف کا اندیشہ ظاہر کیا جا چکا ہے لہذا دیبل کی نسبت جہاں بھی نظر آئے اس کی بابت تحقیق کر لینی چاہیئے کہ یہ نسبت فی الواقع دیبل السند کی طرف ہے یا دیبل الشام کی طرف، مطبوعات و مخطوطات میں عموماً بہ نسبت لفظوں کے معمولی ہیر پھیر سے مصحف ہو گئی ہے یا قوت نے لفظ دیبل کے ماتحت جزیرۃ العرب کے اندر اور باہر اس نام کے کئی مقامات چھوٹے بڑے ذکر کئے ہیں ہمیں خاص طور پر دیبل ارمینیا اور دیبل الرملہ (الشام) سے واقف ہونا چاہیئے (یا قوت معجم البلدان ج ۲ / ۵۴۹ ابن اثقفہ ص ۲۸۸) کہ ہماری علمی و ثقافتی تاریخ میں دیبل السند کے علاوہ دیبل سے منسوب رجال علم کا تذکرہ آتا ہے ابن فرداذیہ ارمینیا الثانی کے مقامات میں کور دیبل کا ذکر کرتا ہے (المسالك ص ۱۲۷) اسی کے الفاظ قد امر بن جعفر کی کتاب الخراج میں بھی ملتے ہیں (بنی من کتاب الخراج وصنعة الكتابة ص ۲۳۲ وغیرہ)

ان چند اصولی نقاط بحث سے گذر کر ہم کتاب کے اصل حصہ تراجم کا جائزہ قدرے تفصیل سے پیش کرنا چاہتے ہیں یہ تفصیل بوجہ ذیل منقسم ہوگی۔

(۱) وہ تراجم جو اشخاص متعلقہ کے موسوم یا ملقب بہ سندی ہونے کی بناء پر درج کتاب کئے گئے۔

(۲) وہ تراجم جن کا اندراج اشخاص متعلقہ کی کنیت ابو الہندی یا ابو السندی ہونے کی بنیاد پر کیا گیا۔

(۳) وہ تراجم جو کسی مصحف یا مشترک نسبت سے عدم واقفیت کی بناء پر درج کئے گئے۔

(۴) جن تراجم کا اندراج سندھ کے جغرافیائی حدود کو عرب جغرافیہ نویسوں کی تحدید کے غلامت و سعت دینے پر یا کسی خلاف تحقیق جغرافیائی بیان کو تسلیم کر لینے



پر مبنی ہے۔

(۵) جن تراجم کے سلسلہ میں بحث و تحقیق کی گئی ہے۔

(۶) چند ایسے تراجم کی نشاندہی جن کا اندراج کتاب میں مولف کے نقطہ نظر سے ہونا چاہیئے تھا۔

(۷) چند ایسے تراجم جن کا درج کتاب ہونا نفس موضوع کا تقاضہ تھا۔

(۸) کتاب کی بعض جزوی غلطیاں جن کا تعلق مولف کی تحقیق یا نقل و طباعت سے ہے۔

۱) اولین مشق کے متعلق راقم اپنے زاویہ نظر کی وضاحت کر چکا ہے، کتاب کا بہت بڑا حصہ ان تراجم کا مرقع ہے جن کا تعلق رجال سند و ہند کے موضوع سے بہ مشکل قائم کیا جاسکتا ہے ہم فرداً فرداً ہر ترجمہ کی تفصیل میں جانے کے بجائے ایک فہرست پیش کرنا چاہتے ہیں اس کے بعد ضروری اشارے کئے جائیں گے۔

۱) احمد بن سندی بن حسن بن بکر، الحداد (رجال السند ۱-۲ ص ۵۴)

۲) احمد بن سندی بن فروخ المطرز البغدادی (ایضاً ص ۵۵)

۳) احمد بن السندی، الباقی الرازی (ایضاً ص ۵۵-۵۶)

۴) ابن ابی سندی = احمد بن سعید بن ابراہیم مالکی البغدادی (ایضاً ص ۵۶ + ص ۵۷)

۵) ابن ابی سندی = احمد بن تقی سم بن یسار بکر البغدادی (ایضاً ص ۵۷)

۶) ابراہیم بن علی بن السندی (ایضاً ص ۶۷-۶۹)

۷) ابراہیم بن السندی بن شہک (ایضاً ص ۷۰-۷۱)

۸) ابراہیم بن عبد السلام، ابن اخی السندی بن شہک (ایضاً ص ۷۱)

۹) ابراہیم بن عبد اللہ، ابن اخی السندی بن شہک (ایضاً ص ۷۱)

۱۰) اسماعیل بن محمد بن رجاء السندی (ایضاً ص ۷۱)

- (۱۱) رجاء بن السدی الیساپوری ابو محمد (رجال السند ط ۱۲۶)  
 (۱۲) السدی بن شاہک (رجال السند ص ۱۳۹-۱۴۳)  
 (۱۳) سدی بن شماس البصری (ایضاً ص ۱۴۴)  
 (۱۴) سدی بن صدقہ الشاعر (ایضاً ص ۱۴۴)  
 (۱۵) سدی بن عبدویہ البکلی الرازی (ایضاً ص ۱۴۴-۱۴۶)  
 سہل بن عبد الرحمن (ص ۱۵۲-۱۵۳) = سہل بن عبدویہ  
 (۱۶) سدی بن علی الوراق البغدادی (ایضاً ص ۱۴۶-۱۴۸)  
 (۱۷) السدی بن یحییٰ المحرشی (ایضاً ص ۱۴۸-۱۵۰)  
 (۱۸) ابوالسدی = سہل بن ذکوان المکی الراسطی (ایضاً ص ۱۵۲-۱۵۳)  
 (۱۹) کشاجم بن الحسن بن شاہک (السدی) (ایضاً ص ۱۹۴-۱۹۸)  
 محمد بن الحسن بن سدی بن شاہک  
 (۲۰) محمد بن رجاء السدی (ایضاً ص ۲۱۸-۲۱۹)  
 (۲۱) محمد بن محمد بن رجاء السدی (ایضاً ص ۲۳۶-۲۳۷)  
 (۲۲) موسیٰ بن السدی الجرجانی (ایضاً ص ۲۵۲-۲۵۳)  
 (۲۳) ابن السدی = نصر اللہ بن احمد بن القاسم بن سیمہ (ایضاً ص ۲۵۵)  
 (باقی)

## کتابت حدیث

حدیثوں کی ترتیب و تدوین کی تاریخ پر ایک جامع مقالہ  
 مولف مولانا سید منت اللہ شاہ صاحب رحمانی سجادہ نشین خانقاہ رحمانی ٹنکیر

حبیب کہ نام سے ظاہر ہے یہ کتاب اس موضوع پر لکھی گئی ہے کہ احادیث رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس نے کس نے قلم بند کی گئیں، کیا ان کی کتابت خود آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے دور میں ہو چکی تھی؟ طرز بیان نہایت سلیس، دل میں اتر جانے والا، قیمت مجلد  
 ایک روپیہ چار آنے۔



# تاریخ السيرة

(جناب ڈاکٹر خورشید احمد فارق صاحب استاذ ادبیات عربی دہلی یونیورسٹی)

(۴۱)

عروۃ بن زبیر: ابوبکر صدیقؓ نے خالدؓ کو ہدایات دینا شروع کیں اور کہا: خالد! خوفِ خدا کو اپنا شعار بناؤ اور اپنے ماتحت ساتھیوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ، تمہارے ساتھ رسول اللہؐ کے پرانے ہاجر و انصار صحابہ ہیں، اپنے معاملات میں اُن سے مشورہ کرو اور ان کی صوابدید کے مطابق عمل کرو، فوج سے آگے آگے ہراول دستے رکھو جو تمہارے کیمپ کے لئے مناسب ٹھکانے تلاش کریں، کوچ کے وقت اپنے ساتھیوں کو عمدہ فوجی ترتیب میں رکھو، اُسد اور عطفان کے علاقہ میں پہنچ کر تم دیکھو گے کہ ایک گروہ تمہارا مطیع ہے تو ایک مخالف اور کچھ نہ مطیع ہوں گے نہ مخالف بلکہ متذبذب اور اس بات کے منتظر کہ جو جیتے اس کے وفادار ہوں، (مجھے ان کا تو زیادہ ڈر نہیں) لیکن مجھے اندیشہ اہلِ یمامہ (بنو حنیفہ) کی طرف سے ہے، ان سے جنگ میں خدا سے مدد طلب کرنا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ سب کے سب اسلام سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اگر مدینہ کے نواح میں تمہیں کامیابی ہو تو یمامہ کا رخ کرنا، وہاں تم ایسے دشمن سے مقابل ہو گے، جو اول سے آخر تک تمہارے خلاف ہے، جس کا علاقہ سخت دشوار گزار ہے، جہاں صرف جنگلوں سے ہو کر پہنچنا ممکن ہے، اُن جنگلیوں میں سفر کے دوران

فوج کا خاص خیال رکھنا، کیوں کہ ان میں کافی لوگ کمزور ہیں، مجھے امید ہے کہ تم بنو حنیفہ کے علاقہ میں پہنچنے میں کامیاب ہو گے، جب تم وہاں داخل ہو تو بہت زیادہ چوکنا رہنا، اور جب تم ان سے صفت آرا ہو تو جن ہتھیاروں سے وہ لڑیں اپنی سے تم بھی لڑنا، اگر وہ تیر چلائیں تو تم بھی تیر چلاتا، وہ نیزوں سے لڑیں تو تم بھی نیزوں سے لڑنا اور اگر وہ تلواروں سے مقابلہ کریں تو تم بھی تلواروں سے مقابلہ کرنا اور اگر خدا تم کو فتح عطا کرے تو ان کے ساتھ رحم یا نرمی سے پیش نہ آنا، اور دیکھو تم سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جس سے مجھے دل ہو، میری ہدایت اور وصیت گوش ہوش سے سنو، جس گھر سے اذان کی آواز آئے وہاں تحقیق کئے بغیر چھاپہ نہ مارنا، اور جسے نماز پڑھتا دیکھو اس کو ہرگز قتل نہ کرنا۔ تم کو دھیان رہے خالد کہ خدا جیسا تمہارا ظاہر دیکھتا ہے ویسا ہی تمہارے باطن سے بھی باخبر ہے، تم کو یہ بھی یاد رہے، کہ تمہاری رعیت جیسا کرتے تمہیں دیکھے گی ویسا خود بھی کرے گی، کف علیہ اعتراف (؟) اپنی فوج کے آرام کا خیال رکھو، نامناسب باتوں سے ان کو ضرور روکو، تمہاری لڑائی اہل ارتداد سے (ہتھیاروں سے نہیں) عمل کے ذریعہ ہے، اور اچھے عمل ہی سے ہم دشمن پر تمہاری فتح کی توقع کرتے ہیں جاؤ، خدا کی برکت تمہارے شامل حال رہے۔“

بُزْاخہؒ اور دوسرے مژدوں کو خالد بن ولیدؓ کی روانگی

پورخ کہتے ہیں کہ (باغیوں کے خلاف) خالد بن ولیدؓ نے جب پیش

۱۔ زبیر، دشمن - مشرقی عربین - میں قبیلہ اسد کا ایک تختستان تھا۔ معجم لیبدا  
یا قوت مصر ۱۹۵۶ء ۲/۱۶۱۔



قدیمی کی تو عدی بن حاتم ان کے ساتھ تھے، عدیؓ سے (ان کے قبیلہ) طئ کے ہزار جوان آئے تھے، خالدؓ نے بڑا ذخیرہ آکر کیمپ لگایا قبیلہ جدیلہ طئ کی ایک شاخ، اسلام سے منحرف تھا، عدی بن حاتم کا تعلق طئ کے ایک دوسرے خاندان غوث سے تھا، جب جدیلہ نے مرتد ہونے کا ارادہ کیا تو مکلف بن زید انھیں طائی ان کے پاس آتے اور کہا: کیا تم اپنی قوم کے ماتھے پر کلنگ کا داغ لگانا چاہتے ہو، طئ کا ایک فرد تک باغی نہیں ہوا ہے اور ابو طریف عدی بن حاتم کے ساتھ طئ کے ہزار جوان اسلام کی وفاداری پر قائم ہیں، ان باتوں نے جدیلہ کے حوصلے پست کر دئے، جب خالد بن ولیدؓ بڑا ذخیرہ میں اترے تو انھوں نے عدی بن حاتم سے کہا: ابو طریف کیا ہم جدیلہ کی خبر لیتے نہ جانتے؟“ عدیؓ: ابوسلیمان ایسا نہ کیجئے، آپ کو وہ سپاہی پسند ہے جو دونوں ہاتھوں سے آپ کے ساتھ لڑے یا وہ سپاہی جو ایک ہاتھ سے لڑے؟“ خالدؓ: وہ سپاہی جو دونوں ہاتھوں سے لڑے؟“ عدیؓ: تو سمجھ لیجئے کہ جدیلہ میرا ایک ہاتھ ہے، یہ سن کر خالدؓ نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی، عدی جدیلہ کے پاس گئے، اُن کی منافقین و ترغیب سے وہ مسلمان ہو گئے، عدی نے خدا کا شکر ادا کیا، اور جدیلہ کے جوانوں کو سزا دے کر خالدؓ کے کیمپ کی طرف روانہ ہوئے، خالدؓ نے ان کو آتا دیکھا تو وہ گہرا تے اور سمجھے کوئی دشمن لڑنے آ رہا ہے، انھوں نے اپنی فوج کو مستعد بنایا، حکم دے دیا، بعض لوگوں نے انھیں بتایا کہ یہ جدیلہ کے جوان ہیں جو (وفادار ہو کر) آپ کے لئے لڑنے آ رہے ہیں، جدیلہ نے مسلمانوں کے قریب ذرا ہٹ کر اپنا کیمپ لگا لیا، خالد بن ولیدؓ ان کے پاس گئے، ان کی آؤ

بھگت کی اور ان کے آنے پر خوشی کا اظہار کیا، جدیلہ کے لیڈروں نے اب تک الگ تھلگ رہنے پر معذرت کی اور خالدؓ سے کہا: اب ہم آپ کی مرضی پر چلیں گے؛ خالدؓ نے ان کو جزائے خیر کی دعا دی۔ اس طرح قبیلہ طئی کا کوئی فرد مرتد نہیں ہوا۔ اب خالدؓ عسکری ترتیب کے ساتھ روانہ ہوتے، عدیؓ نے ان سے درخواست کی کہ میری قوم کو ساری فوج سے آگے رکھئے، خالدؓ: ابو طریف، لڑائی قریب ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ اگر تمہارے لوگوں کو آگے رکھوں گا تو گھسان کی لڑائی کے وقت وہ منہ موڑ جائیں گے، اور ان کی دیکھا دیکھی ہمارے ساتھیوں کے بھی پیر اکھڑ جائیں گے، اس لئے مجھے ان لوگوں کو آگے رکھنے دو جو شدائد جنگ کو جھیل سکتے ہیں، جن کی اسلامی خدمات دیرینہ ہیں اور جن کے سینوں میں بھی اسلامی لگن ہے، دھرم من بفعاء حتی قدم البیعة (۹)، خالدؓ نے اپنے جاسوسوں کو حکم دیا کہ جہاں جہاں ان کا گذر ہو وہاں دیکھیں کہ نماز کے وقت لوگ اذان دیتے ہیں یا نہیں، اگر اذان دیں تو ان کو مسلمان سمجھا جائے اور ان کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔

خالدؓ اور مسلمان اس جگہ پہنچے جہاں طلیحہ کا کیمپ تھا، اس کے لئے چمڑے کا ایک خیمہ لگایا گیا تھا، اور اس کی فوج خیمہ کے چاروں طرف پٹری ہوئی تھی۔ خالدؓ شام کے وقت وہاں پہنچے اور طلیحہ کے کیمپ سے ایک میل دور یا اس کے لگ بھگ اپنا کیمپ لگایا، وہ اور صحابہ کی ایک جماعت گھوڑوں پر سوار ہو کر طلیحہ کے لشکر کے قریب آ کر کئے خالدؓ نے کہا: ”طلیحہ نکلی کر ہمارے پاس آئے“ طلیحہ کے فوجیوں نے



نے کہا: ہمارے نبی کا نام طلحہ ہے، اس کو بگاڑ دمت: "طلیحہ کیمپ سے نکلا اور خالدؓ کے قریب آکر رکا۔ خالدؓ: ہمارے خلیفہ کا حکم ہے کہ ہم تمہیں دعوت دیں کہ خدا کی وحدت اور محمدؐ کے رسول ہونے کا اقرار کرو، اور از سر نو اسلام لاؤ، اگر تم ایسا کرو گے تو ہم اپنی تلواریں نیام میں ڈال لیں گے۔" طلیحہ: میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ یکتا اور بے شریک ہے اور میں اس کا رسول ہوں، خدا نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اور ذوالنون (فرشتہ) میرے پاس (وحی لے کر) آتا ہے جس طرح محمدؐ کے پاس جبریل آتا تھا۔ رسول اللہؐ کے زمانہ میں طلیحہ نے دعویٰ کیا تھا کہ میرے اوپر ذوالنون کی معرفت وحی نازل ہوتی ہے اور رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ ذوالنون آسمان کے ایک بڑے فرشتہ کا نام ہے۔ (خلیفہ طلیحہ) عبیدہ بن حصین فزاری نے طلیحہ سے کہا: اپنی نبوت کی کچھ کرامات دکھاؤ، تم اور ہم محمدؐ کی نبوت کی کرامات (وحی) تو دیکھ چکے۔" طلیحہ: "اچھا، دکھاؤں گا۔" جب خالد بن ولیدؓ مدینہ سے (اہل ردہ کی گوشمالی کرنے) روانہ ہوئے اس وقت طلیحہ نے جو ان کے اقدام سے ناواقف تھا، کچھ جاسوس بھیجے اور (اپنی قوم سے) کہا: تمہاری طرف مدینہ سے بنو نصر بن قعین کے دو سوار آرہے ہیں سفند داغ پیشانی اور کھروں والے گھوڑوں پر اور ان کے ساتھ ایک منازعہ ہے (یعنی ہذا تم بھی دو سوار جاسوس، تیار کرو) چن چن دو سوار بھیجے گئے، ان کو راستہ میں خالدؓ کا ایک جاسوس مدائیس سے انہیں نے پوچھا: "کیا خبر ہے؟" جاسوس: "خالد بن ولید ایک فوج لے کر آرہے ہیں۔" یہ دونوں خالدؓ کے جاسوس کو لے

کر طلیحہ کے پاس آئے۔ اس واقعہ سے طلیحہ کے متبعین کی گمراہی اور زیادہ بڑھ گئی (یعنی طلیحہ کی بنوت پر ان کا عقیدہ زیادہ راسخ ہو گیا) طلیحہ نے (فاتحانہ شان سے) کہا: ”دیکھ لو“ میں تم سے نہ کہا تھا (کہ مدینہ سے خالد کی قیادت میں فوج آرہی ہے)

طلیحہ نے خالدؓ کی دعوت ماننے سے انکار کر دیا تو وہ اپنے کیمپ واپس چلے گئے اور اُس رات کنت بن زید انیس طائی اور عدی بن حاتم کو جو مخلص اور پر جوش مسلمان تھے، کیمپ کی چوکیداری پر مامور کیا، دونوں نے مسلمانوں کی ایک چیدہ جماعت کے ساتھ رات بھر پہرہ دیا، صبح ہوئی تو خالدؓ نے لڑائی کے لئے فوج کی ترتیب درست کی، جھنڈے تقسیم کئے اور سب سے بڑا جھنڈا زید بن خطاب (برادر عمر فاروق) کو دیا، زیدؓ (مہاجرین کا) جھنڈا لے کر آگے بڑھ گئے اور ثابت بن قیسؓ انصار کا، قبیلہ طئی نے خواہش کی کہ ایک جھنڈا ہمارے لئے بھی دیا جائے، سب سالار نے ان کی خواہش پوری کی اور (ان کے لیڈر) عدی بن حاتم کو ایک جھنڈا دیا۔

مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر سن کر طلیحہ نے بھی اپنی فوج میدان جنگ کے لئے مرتب کر لی، خالدؓ یا پیدہ نشین درست کرنے لگے اور علیہؓ اپنی سواری پر بیٹھ کر۔ جب صفیں ٹھیک ہو گئیں تو ان کو لے کر خالدؓ بڑھے اور طلیحہ کے قریب آ گئے، صبحہؓ اپنی فوج کے چالیس بے ڈاڑھی، بوچھڑ غلاموں کو جو بہادری اور سپہ گری میں اپنی مثال آپ تھے لایا اور ان کو میمنہ میں کھڑا کر کے کہا: پہلے یہاں تلوار کے جھیر دکھاؤ اور پھر میسرہ میں جا کر دھانا، ان کی تلوار بازی سے مسلمان منتشر



ہو گئے، لیکن کوئی مرا نہیں، اس کے بعد طلحہ نے اُن چالیسوں غلاموں کو میسرہ میں لا کھڑا کیا، ان کی تنوار بازی سے مسلمان پسپا ہو گئے۔

قید ہوا زن کے ایک عرب نے جو جنگ میں موجود تھا بیان کیا کہ جب مسلمانوں کے پیر اکھڑے تو خالدؓ نے کہا: مجاہدین انصارِ خدا سے ڈرو، خدا سے ڈرو! اور یہ کہہ کر وہ فوج کے وسط میں گھس پڑے اور اپنا گھوڑا بڑھاتے ہی چلے گئے، اس پر فوجی لیڈروں نے احتجاج کیا، خدا سے ڈرو خالد، خدا سے ڈرو، تم سالارِ فوج ہو، تمہارے لئے اس طرح آگے بڑھنا اور اپنی جان جو کھوں میں ڈالنا مناسب نہیں، خالدؓ بخدا میں یہ جانتا ہوں، لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مجھے مسلمانوں کی شکست کا دھڑکا ہو اور میں صبر سے بیٹھا رہوں، مورخ ابھی نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے جس کا تعلق قبیۃ طیؓ سے تھا کہا کہ جب اُن چالیس غلاموں نے مسلمانوں پر حمد کی تو ایک حائے نے باواز بلند کہا: خالدؓ، سلمیٰ اور اُجا (کے پہاڑوں میں) بھاگ چلو، خالدؓ: ہمارا ملجا تو بس خدا ہے، پھر انہوں نے حمد کر دیا اور بخدا اس وقت تک نہ لوٹے جب تک ان چالیسوں کا صفیا نہ کر دیا۔

جنگِ بُزاحہ میں خالدؓ بن ولید دو تنواروں سے لڑے اور اتنا کہ دونوں ٹوٹ گئیں۔ پسپا ہونے کے بعد مسلمان لوٹے تو جنگ پھر گرم ہوئی۔ طایحہ کا وزیر حَبَل بن ابی حَبَل گرفتار ہوا، مسلمانوں نے چاہا کہ اس کو ابوبکر صدیقؓ کے پاس بھیج دیں تاکہ وہ اس کی قسمت کا

لے سکی اور اُجا مدینہ سے نوے میل شمال میں دریابڑ میں جن کے درمیان قبیۃ طیؓ کی بستیاں تھیں، معجم البدایہ: قوت مصر الخ

فیصلہ کریں، لیکن اس نے کہا: میری گردن اڑا دو، مجھے تمہاری یہ عنایت نہیں چاہیئے، چنانچہ اس کی گردن مار دی گئی۔

قاضی واقدی نے عبداللہ بن عمر کے حوالہ سے جو جنگ میں شریک تھے بیان کیا: میں نے دیکھا کہ علیہ کا جھنڈا سرخ رنگ کا ہے جس کو ایک آسدی اٹھائے ہے، — خالدؓ اس کے پاس آئے اور حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا، جھنڈے کا گرنا تھا کہ علیہ کی فوجیں بھاگ پڑیں، میں نے دیکھا کہ جھنڈے کو اونٹ، گھوڑے اور آدمی روند رہے ہیں، یہاں تک کہ اس کے پرزے ہو گئے، خدا خالدؓ بن ولید پر رحم فرماتے، ان کی کارگزاری اور جرأت قابلِ داد تھی، میں نے دیکھا کہ جنگ بڑا فائدہ میں وہ بذات خود لڑائی میں کود پڑے ہیں، اس پر لوگ ان کو ملامت بھی کرتے، اسی طرح میں نے جنگ یمامہ میں دیکھا کہ وہ خود لڑائی لڑ رہے ہیں، اگر کوئی اور ان کی جگہ ہوتا (تو صورت حال اتنی خطرناک نہ تھی) کہ خود لڑنے سے کتراتا، جب وہ دشمن کی صفوں سے ہمارے پاس واپس آتے تو ان کی سانس پھولی ہوتی؟

(باقی)

لے قبیلہ اسد سے تعلق رکھنے والا۔

## جارج برنارڈشا

(عصر حاضر کا سب سے بڑا ادیب)

اس دور کے سب سے بڑے ادیب، ڈرامہ نویس اور مزاح نگار "جارج برنارڈشا" کے سوانح حیات پر نہایت جامع اور مفصل کتاب جس میں دنیا کے اس سب سے بڑے اور اچھوتے ڈرامہ نویس کی خصوصیات زندگی کے ایک ایک پہلو کو نئے انداز سے سامنے لایا گیا ہے مطابقت کے لائق کتاب "مؤلف ظ انصاری صاحب" صفحات ۲۸۸ قیمت مجلد چھ



## ذکر مصحفی

(۳)

جناب نثار احمد صاحب فاروقی۔ دہلی یونیورسٹی لائبریری۔ دہلی،

ولادت مصحفی کی ولادت کے سال کا تیسواں ابھی تک نہیں ہو سکا ہے۔ قدیم تذکرہ نگاروں میں تو یہ رواج تھا ہی نہیں کہ کسی کا سال ولادت و وفات تحقیق کرنے کے کچھ ٹرے میں پڑیں۔ بہت ہونا لایف تذکرہ کے وقت اس کی عمر بتا دی یا اگر کوئی مادہ تاریخ اچھا بات آگیا ہے تو وہ درج کر دیا جس سے آنا معلوم ہو گیا کہ کب انتقال ہوا؟ مصحفی کا سال وفات تو کسی مستند ذریعوں سے معلوم ہو جاتا ہے لیکن ان کی ولادت کب ہوئی اس میں ہنوز اختلاف باقی ہے۔ ہم یہاں مختلف شواہد کی روشنی میں اسی سے بحث کریں گے۔

مولانا حسرت موہانی نے سال ولادت ۱۱۶۲ھ، عمر ۶۷ سال اور سال وفات ۱۲۳۰ھ قرار دیا ہے ڈاکٹر مولوی عبدالحق کا خیال ہے کہ وہ ۱۱۶۲ھ اور ۱۱۵۶ھ کے درمیان کسی سال میں پیدا ہوئے اور ان کا استدلال یہ ہے کہ

مصحفی اپنے تذکرہ ریاض الفصحا میں اپنے حالات کے آخر میں لکھتے ہیں کہ اس وقت میری عمر ۸۰ برس کی ہے یہ تذکرہ ۱۲۳۰ھ میں شروع ہوا اور ۱۲۳۶ھ میں اختتام کو پہنچی اس حساب سے ان کی پیدائش ۱۱۴۱ھ اور ۱۱۵۶ھ کے درمیان واقع ہوتی ہے۔

یہ غلط فہمی ”قریب بہ شہاد“ کے لفظ سے پیدا ہوئی ہے۔ چونکہ یہ فرض کر لیا گیا کہ مصحفی نے اپنا ریاض الفصحا ۱۲۳۶ھ میں لکھا ہے اور اس وقت ان کی عمر ۸۰ سال کے لگ بھگ ہو گئی ہنذا پیدائش

لے اردو سے منقول جون ۱۹۷۷ء / ۱۳۹۷ھ مقدمہ ریاض الفصحا / الف۔

فیصلہ کریں، لیکن اس نے کہا: میری گردن اڑا دو، مجھے تمہاری یہ عنایت نہیں چاہیئے، چنانچہ اس کی گردن مار دی گئی۔

قاعنی واقدی نے عبداللہ بن عمر کے حوالہ سے جو جنگ میں شریک تھے بیان کیا: میں نے دیکھا کہ علیہ کا جھنڈا سرخ رنگ کا ہے جس کو ایک آسدی اٹھائے ہے،۔ خالدؓ اس کے پاس آئے اور حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا، جھنڈے کا گرنا تھا کہ علیہ کی فوجیں بھاگ پڑیں، میں نے دیکھا کہ جھنڈے کو اونٹ، گھوڑے اور آدمی روند رہے ہیں، یہاں تک کہ اس کے پرزے ہو گئے۔ خدا خالدؓ بن ولید پر رحم فرماتے، ان کی کارگزاری اور جرات قابلِ داد تھی، میں نے دیکھا کہ جنگ بڑا فائدہ میں وہ بذات خود لڑائی میں کود پڑے ہیں، اس پر لوگ ان کو ملامت بھی کرتے، اسی طرح میں نے جنگ یمامہ میں دیکھا کہ وہ خود لڑائی لڑ رہے ہیں، اگر کوئی اور ان کی جگہ ہوتا (تو صورت حال اتنی خطرناک تھی) کہ خود لڑنے سے کتراتا، جب وہ دشمن کی صفوں سے ہمارے پاس واپس آتے تو ان کی سانس پھولی ہوتی۔“

(باقی)

۱۔ قبیلہ اسد سے تعلق رکھنے والا۔

## جارج برنارڈشا

(عصر حاضر کا سب سے بڑا ادیب)

اس دیر کے سب سے بڑے ادیب، ڈرامہ نویس اور مزاح نگار ”جارج برنارڈشا“ کے سوانح حیات پر نہایت جامع اور مفصل کتاب جس میں دنیا کے اس سب سے بڑے اور اچھوتے ڈرامہ نویس کی خصوصیات زندگی کے ایک ایک پہلو کو نئے انداز سے سامنے لایا گیا ہے مطالعہ کے مافی کتاب مؤلف ظ انصاری صاحب صفحات ۲۸۸ قیمت مجلد چھ



# ذکر مصحفی

(۳)

(جناب نثار احمد صاحب فاروقی - دہلی یونیورسٹی لائبریری - دہلی)

**ولادت** مصحفی کی ولادت کے سال کا تعین ابھی تک نہیں ہو سکا ہے۔ قدیم تذکرہ نگاروں میں تو یہ رواج تھا ہی نہیں کہ کسی کا سال ولادت و وفات تحقیق کرنے کے کبھی ٹرے میں پڑیں۔ بہت ہوا تو بایں تذکرہ کے وقت اس کی عمر تبادی یا اگر کوئی مادہ تاریخ اچھا باتھا گیا ہے تو وہ درج کر دیا جس سے آنا معلوم ہو گیا کہ کب انتقال ہوا۔ مصحفی کا سال وفات تو کئی مستند ذریعوں سے معلوم ہو جاتا ہے لیکن ان کی ولادت کب ہوئی اس میں ہنوز اختلاف باقی ہے۔ ہم یہاں مختلف شواہد کی روشنی میں اسی سے بحث کریں گے۔

مولانا حسرت موہانی نے سال ولادت ۱۱۶۳ھ، عمر ۶۷ سال اور سال وفات ۱۲۳۰ھ قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق کا خیال ہے کہ وہ ۱۱۴۲ھ اور ۱۱۵۶ھ کے درمیان کسی سال میں پیدا ہوئے اور ان کا استدلال یہ ہے کہ

مصحفی اپنے تذکرہ ریاض الفضا میں اپنے حالات کے آخر میں لکھتے ہیں کہ اس وقت میری عمر ۸۰ برس کی ہے یہ تذکرہ ۱۲۲۰ھ میں شروع ہوا اور ۱۲۳۰ھ میں اختتام کو پہنچا اس حساب سے ان کی پیدائش ۱۱۴۰ھ اور ۱۱۵۶ھ کے درمیان واقع ہوتی ہے۔

یہ غلط فہمی "قریب بہ ہشتاد" کے لفظ سے پیدا ہوئی ہے۔ چونکہ یہ فرض کر لیا گیا کہ مصحفی نے اپنی ریاض الفضا میں ۱۲۳۰ھ میں لکھا ہے اور اس وقت ان کی عمر ۸۰ سال کے لگ بھگ ہو گی لہذا یہ

لکھنؤ دوسری جلد ۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء مقدمہ ریاض الفضا / الف





ایک طویل تبصرہ سے واضح ہو جاتا ہے۔ جو سہ ماہی "نوائے ادب" (زمینی) میں شائع ہو چکا ہے۔ علیٰ ہذا اُن کا طویل مقالہ "حقیقی اور اُن کا کلام" اگست ۱۹۴۹ء اور فروری ۱۹۵۰ء کے اورینٹل کالج میگزین میں پہلی بار شائع ہوا تھا۔ اس پر محمد علی قاضی عبدالودود ریاریٹ لاء، پٹنہ (تبصرہ کر چکے ہیں۔ اور اُس کی تیار سخی و تحقیقی غلطیوں کی طرف سے چند اشارے کیے ہیں۔

اسی تبصرے کے ذیل میں قاضی عبدالودود صاحب نے لکھا ہے کہ ”صحیحی کی ولادت میرے خیال میں ۱۱۶۴ھ سے قبل ہوئی ہے مگر یہ کسی طرح ۱۱۶۹ھ سے پہلے نہیں“ دوسری جگہ قاضی صاحب لکھتے ہیں:-

آپ کا سال ولادت ... معصی نے ... موت کے وقت عمر ۵۰ سے متجاوز تھی مگر یہ منہدی رہا۔  
اس حساب سے زمانہ پیدائش ۱۸۹۵ء کے لگ بھگ ٹھہرتا ہے۔ اس کی تردید کی کوئی شکل نظر نہیں آتی  
لیکن اس کے قبول کرنے سے یہ تسلیم کرنا لازم آتا ہے کہ یہ اپنے والد زادہ، دست ستر شمس سے  
کئی سال بڑے تھے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ معصی جو پناہ، غذ  
نہیں بتاتے، برد کی رحلت کے کم از کم ۵۰ برس قبل پیدا ہوئے۔ اس دور کم از کم ۲۵ برس کی  
عمر میں ولدی پیچھے ہیں۔

اس کے بعد آگے میں کر انھوں نے خود ہی سمجھا ہے کہ :-

تجربہ ہوگی۔۔۔ یہ صحیح تاریخ وقات ہم ہر زبان سے سن سکتے ہیں۔ یہ مسند خرمشکوہ درج ہے۔۔۔

خوشگونی آپ کی وفات ۱۳۶۹ھ میں ہونا بیان کیا ہے اس اعتبار سے اگرچہ قاضی عبدالنور دودھیا کے مذکور بالا قول کو صحیح تسلیم کریں مصحفی.... آپ کی رحلت کے ازم ۵ برس قبل پیدا ہوئے اور کم از کم ۲۵ برس عمر میں فوت ہوئے۔

تو مصحفی کا سااں پیدائش ۱۱۳۰ھ ورن کے دہائی پہنچے ۱۱۵۶ھ بخارا زعم تھا ہے۔ اس کی تصدیق کا ذرف یہ کہ کوئی ذریعہ نہیں اور با اعتبار ذرائع کی یہ غلط ہے کہ خود قاضی نے اس کے اس خاص سے تمایف ہے جو حکم نے اور نقل کا کہ "مصحفی کی ولادت میرے خیال میں ۱۱۴۳ھ سے قبل ہوں ہے مگر

۵ رجوع نیکو، معاشرہ دیندہ حصہ اول ٹی ایس آر ۲۰۶، شہادت بہ ایک کمرہ میں۔ ٹی ایس آر ۱۰۷، ٹی ایس

۱۱۹۔ رسیفہ خوشگوداسی شرایک مذکور ہے جس کو ایک خط نسخہ کتابہ میں مندرجہ ہے۔ بخش رسیفہ میں غلطی

یہ کسی طرح ۱۱۶۰ھ سے پہلے نہیں ہے

ظاہر یہ کتابت کی غلطی یا سہو قلم ہے۔ زیر بحث عبارت میں ”۵۱ سال قبل پیدا ہوئے ہیں“ کی جگہ ”۵۰ برس بعد سمجھا جائے تو اسکا رنج ہو جاتا ہے اور صحیح سال پیدائش بھی حاصل ہوتا ہے۔  
سال ولادت کا تعین کرنے کے سلسلے میں چند امور اور شواہد غور طلب ہیں جنہیں بالترتیب یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

(الف) ریاض الفضا میں مصحفی نے لکھا ہے کہ اب میری عمر قریب بہشتاد (۲۸) سی سال کے لگ بھگ ہے۔ اور یہ ہم بتا چکے ہیں کہ ریاض الفضا کی تالیف ۱۲۲۱ھ اور ۱۲۳۶ھ کے درمیان ہوئی ہے۔  
(ب) مصحفی نے اپنے دیوان ششم کے دیبچہ میں لکھا تھا کہ

”تو در سن در احمد شاہی ست۔ تا ایوم عمر از نشست۔“ (تجاوز خواہم بود)

اس دیبچہ سے آخر میں یہ بھی تصریح کر دی گئی ہے کہ یہ ۱۲۳۶ھ میں بہ مقام لکھنؤ لکھا گیا۔ احمد شاہ سے مراد احمد شاہ بن محمد شاہ ہے جو یکم جمادی الاول ۱۱۹۱ھ کو تخت نشین ہوا تھا۔

دیوان ششم کا یہ دیبچہ جلوہ خضر مولفہ صغیر ملگرامی کے علاوہ معارف اعظم گڑھ کی کسی اشاعت میں بھی پیش کیا گیا تھا۔ سر شرف الامراء مرحوم کے دادا ماجد علی شاہ غنی کے موصوفہ تذکرہ ”یادگار نصیغہ“ کا ایک قلمی نسخہ دورہ ادبیات اردو رحیدر آباد کن کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس کی تالیف ۱۳۱۸ھ میں شروع ہوئی اور ۱۳۲۴ھ میں اتمام پذیر ہو۔ مولف یادگار ششم نے بھی دیبچہ دیوان ششم کا ترجمہ اپنے مقدمہ میں درج کیا ہے۔ لیکن آخری جملے کے ترجمہ میں انھوں نے غلطی کی ہے۔

”تو در میر احمد شاہ ۱۰۸۰ھ کے وقت میں ہو اور اس وقت میری عمر ۶۰ برس سے بڑھی ہوئی کر“

نقد و ملاحظہ ۱۹۶۲ء دیوان ششم کا یہ دیبچہ سب سے پہلے پیدائند احمد غیر ملگرامی دشاگرد غالب نے اپنی کتاب ”ہوا نسیم“ میں نقل کیا تھا۔ یہ کتاب بہت کباب ہے۔ لہذا حروف کی نگرانی سے اس کا وہ نسخہ گندہ تھا جو کتب خانہ رستمی زیت ہے اس سے جو یہ دہشتیں قلمبند کی گئیں وہ اس وقت نہیں ہیں۔ لکھنؤ اندر ۱۳۴۴ھ کا یادگار غنی خانہ ”نسخہ بوقت“ اور ادبیات اردو جلد ۴۰۰ یہ تذکرہ رستمی حروف کی نظر سے بھی گزرا ہے۔



چونکہ اس غلطی سے غلط نہیں پیدا ہونے کا امکان ہے اس لئے تصریح اور تیسرے ضروری ہے۔  
 راج، مجمع الفوائد میں مصحفی لکھتے ہیں کہ "کساح شرعی کے بعد میرے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کی والدہ  
 اسی دوران میں فوت ہو گئی۔ اور اس کے بعد تقریباً تیس سال ہوئے ہوں گے یا کچھ زیادہ، کہ میں لکھنؤ میں  
 مقیم ہوں" پھر آخر میں لکھتے ہیں:

"کہ سن ۱۲۸۷ھ میں متجاوز است..."

اس سے دو باتیں متنبہ ہوتی ہیں اولاً یہ کہ مجمع الفوائد کی تاریخ کے وقت مصحفی کی عمر ساٹھ سال سے  
 متجاوز تھی اور ثانیاً یہ کہ وہ تقریباً ۳۰ سال سے لکھنؤ میں مقیم تھے۔ اس سے انھوں نے اپنے دوبارہ مستقل قیام  
 کی نیت سے لکھنؤ آنے کا زمانہ مراد لیا ہے اور وہ ۱۲۹۸ھ میں دوسری بار لکھنؤ آئے تھے جس کے بعد پھر کبھی  
 لکھنؤ سے باہر نہیں نکلے۔ اس حساب سے دیکھا جائے تو مجمع الفوائد ۱۲۲۸ھ کے آس پاس کسی سال میں تصنیف  
 ہوئی ہے۔ اور ۱۲۲۸ھ میں اگر مصحفی کی عمر ساٹھ سال، اٹھائی تو اُن کا سن درودت ۱۲۲۸ھ ہرآمد ہوگا۔

(د) میر حسن دہلوی رمتوئی، ۱۲۸۱ھ میں اپنے تذکرہ شعراء اردو کی ترتیب و تہویب کا  
 کام ۱۲۸۳ھ کے لگ بھگ شروع کر دیا تھا ۱۲۸۵ھ میں سکرتاں کی جنگ سے پہلے مصحفی کیشور میں موجود  
 تھے۔ اگر اُن کا قیام وہاں ۳-۴ مہینے رہا تو وہ اسی سال گئے ہوں گے۔ میر حسن نے ان کے ترجمے میں لکھا:  
 "انہاں درت وہاں آباد بہ پیشہ تجارت بسر می برد"

اس سے ظاہر ہے کہ مصحفی کا حال ۱۲۸۳ھ اور ۱۲۸۵ھ کے درمیان لکھا گیا ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے  
 کہ وہ عشق و شباب میں وہی پہنچے تو امر وہ سے اُن کے بچنے کے وقت عمر کم از کم ۲۵ سال ہونی چاہیے۔ اس  
 ۲۵ مصحفی: مجمع الفوائد دہلی، بحوالہ مصحفی، ذراں، کھانا، از بوہیت سیدی، ۶۷، ۷۰۔ لکھنؤ میں مصحفی کے قیام کا تذکرہ کرتے  
 ہوئے ڈاکٹر صدیقی نے لکھا ہے کہ "لکھنؤ ۱۲۸۵-۱۲۸۶ھ کے قریب پہنچے..." اس حدب سے مجھے، الفوائد ۱۲۸۵ھ کے قریب کی تالیف  
 بچہ، یہ حساب متجاوز غلط اور بالکل فرضی ہے۔ حقائق اس کی یکدمی میلہ سے نہیں کرتے۔ خدا، جسے کہ صدیقی صاحب نے  
 ۱۲۸۵ھ اور ۱۲۸۶ھ کا فصل کیوں لکھا ہے؟ اعلیٰ حد تک دستور، غناحت، ۶۷، ۶۹۔ مقدمہ نوشتہ ایت رعلی عثمانی  
 کتبستان، خان شیفہ، بخش پنجاہ، ۷۷، ۷۸۔ "عشق و شباب وہاں آباد بہ حرج آمدت الفوائد" ۷۸، ۷۹۔ معاصرینہ، باقی تہذیب





اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصحفی امروہہ کے شرفار میں سے ہیں۔ اکبر پور میں اُن کی پیدائش ہوئی جو دہلی سے متصل ایک قصبہ ہے اور اُن کے بزرگوں کا مسکن بہت زمانے سے ہے۔ اور ان دنوں وہ دہلی میں تجارت کرتے ہیں۔ اس عبارت میں ایک صریح تناقض ہے جب مصحفی کا مولد اکبر پور ہے اور وہی ان کے بزرگوں کا مسکن۔ مگر بھی زمانہ قدیم سے ہے تو پھر پنجاب سے امروہہ سے اُن کا تعلق کس نوع کا ہوا؟ لیکن دراصل یہ غلط فہمی ایک کاتب کی پھیلانی ہوئی ہے اور اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کسی کاتب کی معمولی سی لغزشِ قلم سے تاریخ و تحقیق کے طالب علموں کو کتنے پاپڑ بیلنے پڑ جاتے ہیں یہ گنگنی دستِ درِ انصاحت کے مرتب و محشی مولانا ایتنا ز علی خاں عرشی کی مندرجہ ذیل عبارت سے سلجھ جاتی ہے۔ وہ تذکرہ میر حسن کے قلمی نسخہ خزونہ رضا لاہوری راپور کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

اُس تذکرہ کا ایک قلمی نسخہ کتاب خانہ عالیہ راپور میں موجود ہے اس میں جا بجا سادہ صفحات یادیں دس پانچ پانچ سطروں کی بیاضیں پائی جاتی ہیں۔ نیز آخری حوالہ دوسرے خط کا لکھا ہوا ہے جس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ خود مصنف کا نسخہ ہے کہیں کہیں مطبوعہ نسخے سے متن میں اختلاف بھی ہے۔ یہاں صرف مصحفی سے متعلق ایک جملے کے اختلاف کا ذکر مناسب ہوگا۔ مطبوعہ نسخے میں عبارت یوں ہے: ”از پنجاب امروہہ، مولدش اکبر پور کہ قصبہ ایت متصل دہلی وطن بزرگانِ اُنش از قدیم۔ اچاں در شاہ جہاں آباد بہ پیشہ تجارت بہری برد“

بہری برد سے قلمی نسخہ میں یہ عبارت اس طرح ہے:

”از پنجاب امروہہ۔ مولدش اکبر پور کہ قصبہ ایت متصل۔ اچاں در شاہ جہاں آباد بہ پیشہ تجارت بہری برد“

مطبوعہ نسخے کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصحفی جس اکبر پور نامی قصبے میں پیدا ہوئے وہ دہلی کے متصل ہے اور قلمی نسخہ اس کے برخلاف یہ بتاتا ہے کہ قصبہ مذکور امروہہ کے پاس واقع ہے

یوپی کے ڈسٹرکٹ گزٹیر (جلد ۱ ص ۱۱) میں قصبہ اکبر پور کا ذکر امروہہ کے ساتھ کیا گیا ہے اور مندرجہ ذیل گزٹیر میں دہلی کے قریب کسی اکبر پور نامی قصبے کا ذکر نہیں ملتا۔ اس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ امروہہ کے اس نسخے کی عبارت صحیح ہے، اور مخطوطہ نسخے میں کاتبوں نے کتبہ پونت کر دی ہے۔

دلف، اکبر پور [مندر جہ بالا تصریح سے یہ غلط فہمی دور ہو جاتی ہے کہ اکبر پور متصل دہلی نہیں تھا بلکہ امروہہ سے متصل ہے۔ شاہی زمانے میں دہلی کی حیثیت ایک صوبہ کی تھی، اور اس زمانے کی دستاویزات اور فرامین میں عام طور پر یوں ہی لکھا جاتا تھا: مثلاً ”پرگنہ امروہہ من توابع سرکار سنبھل متصل دہلی یا من مضافات دہلی یہاں متصل“ سے مراد نہیں کہ دونوں کی سرحدیں بالکل ملتی ہوئی ہیں۔ بلکہ یہ دفتر اداریہ چھری کی زبان تھی۔ اب یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ خود مصحفی نے ”اکبر پور“ کی جائے وقوع کیا بیان کی ہے۔ بحث افوائد کی اصل عبارت مع ترجمہ کے پہلے درج ہو چکی ہے اس میں مصحفی نے لکھا ہے کہ

”پیرے مورث، علی کا قیام موضع اکبر پور میں تھا جو موضع منجھاولی، اور موضع شیخ پور کے درمیان میں ہے۔“

امروہہ سے ۲ میل شمال مغرب میں جو موضع اکبر پور واقع ہے اور جس کا ذکر ڈسٹرکٹ گزٹیر میں بھی کیا گیا ہے اس کا موقف قطعاً وہی ہے جو مصحفی نے بیان کیا ہے۔

۱۔ امتیاز علی عرشی: دیباچہ دستور انصاف ص ۶۹-۶۸ ۲۔ مصحفی مجمع الفوائد (ظلی) ص ۷ ڈسٹرکٹ گزٹیر ج ۱ ص ۱

## ماہنامہ نقش

ذیل احاسرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری

پہلا شمارہ جون میں شائع ہو چکا ہے۔ رسالہ کی خصوصیت یہ ہے کہ مذہبی، تاریخی اور ادبی مواد کو نہایت سہل اردو میں پیش کیا جاتا ہے۔ زیر نظر شمارہ کے خاص لکھنے والے (۱) مولانا ضیاء الدین اصلاحی دارالمصنفین اعظم کٹھہ۔ ۲۔ حضرت المظفر گڑھی (۲) جناب ابو النصر فیضی بی۔ ایس۔ سی۔ ۳۔ استاد علی عماری مدرس جامع اذہر وغیرہ ہیں۔ ہر خاص و عام سے رسالہ کے خریدار بننے کی اپیل کی جاتی ہے۔ نمونہ ذیل کے بند سے مفت طلب کریں۔ سالانہ چندہ ۵۰ روپے

دفتر نقش دلیو بند۔ یوپی



# مولانا آزاد کی مستند انجمن مری کا خاکہ

دانش جناب عابد رضا صاحب بیادادارہ علوم اسلامیہ سلم یونیورسٹی علیگڑھ

”جب تک میری زندگی مجھ میں اور لوگوں کے درمیان طائل ہے، شاید وہ میرے لئے کچھ نہیں کہتے

صحیح وقت اس کا میرے بعد آئے گا۔ کیوں نہ اس کا اظہار کیا جائے۔“

\_\_\_\_\_ ابوالکلام آزاد بنام غلام رسول پھر ۹ جولائی ۱۹۳۸ء

پیدائش — ۱۸۸۸ء مطابق ذوالحجہ ۱۳۰۵ھ۔ والد کا نام مولوی خیر الدین، انتقال، ۱۷ اگست ۱۹۳۸ء

یوم دو شنبہ بمقام کلکتہ تمبر ۹۰ سال ۱۱۰۰ — سالہا سال کے متصل قلم کی بند پڑے جا نہیں اگر کلکتہ کو، وطن کہوں ۱۱۰۰

”نام، ابوالکلام آزاد... احمد سے لوگ آشنا نہیں ہیں، کو نام دی ہے۔“

۱۹۰۰ء سے قومی اور ملی تحریکوں میں بھجی لینے لگے تھے، مگر زہری سے۔ آشنا تھے مگر مشرقی علوم پر دسترس

حاصل ہو چکی تھی۔ غزالی پر کچھ کام شروع کر دیا تھا، اور سائنس اور مغربی علوم سے ترجمہ کے ذریعہ آشنا ہونے کی

پستجو تھی۔ آزاد، شبلی، سید حسن، مرتضیٰ اور عالی ان کے ابتدائی عہد کے معارف تھے جن سے انہیں علم و ادب کی

لگن ہوئی ۱۱۰۰۔ شاعری اور نثر نویسی کا آغاز تیرہ سال کی عمر میں ہوا۔ ۱۹۰۰ء یا ۱۹۰۱ء کی بات ہے حکیم عبدالحق فرخ کے

”ارغیان فرخ“ کیلئے، پوچھی زمین کی تو کبھی آسمان کی، کی طرح میں گیارہ شعر کی غزل لکھی۔ زندگی میں پہلی بار میں نے اپنا نام

ایک رسالے میں چھپا ہوا دیکھا تھا ۱۱۰۰

۱۱۰۰ اخبار رو بہ سکندری، راسپور ۲۴ اگست ۱۱۰۰۔ رو بہ سکندری تک رہنمائی کیسے تھی، اختیار

علی خاں صاحب عرشی کا ممنون ہوں۔

۱۱۰۰ تذکرہ رانار کلی، ”جورائیڈیشن“ ۱۱۰۰، ابو سعید بڑی نے تاریخ یہ نقش ۱۸۷۹ء دی۔ بنا

۱۱۰۰ تذکرہ ۲۳۱۔ ۱۱۰۰ نقش آزاد، خط نمبر ۱۱۰۰۔

۱۱۰۰ بنام عبدالرزاق کانپوری، اردو ادب، آزاد و نمبر شریح کردہ عابد رضا صاحب ۱۱۰۰۔ بیف

اسی زمانے میں مرزا غالب کے شاگرد نادیر شاہ خاں شوخی رام پوری مقیم کلکتہ کی فرمائش پر ارتجاء اچھ شعر کہے اور ساتواں شعر مزید فرمائش پر یہ کہا۔

وعدہ وصل بھی کچھ طرفہ تماشا کی ہے بات  
میں تو بھولوں نہ کبھی، ان کو کبھی یاد نہ ہو سکے

اسی زمانے میں مخزنِ نیا نیا نکلا تھا۔ اس میں چند تحریریں راخبار تو بسی اور خاقانی شہزادی (بھجن دہوت رائے نظر کے اخذ نگ نظر و لکھنؤ) میں غزلیں نکلیں، اور انہیں کچھ دن بعد نشر کا ایک حقہ بڑھانے پر آمادہ کر لیا جس کی ترتیب اپنے وقت لے لی: احسن الاخبار اور تحفہ احمدیہ (مقتبہ احمد حسن فتحپوری) میں بالآخر مضامین نویسی ہونے لگی۔ پھر خود اپنا ایک پرچہ لسان الصدق جاری کیا۔ یہ سب باتیں ۱۹۰۳ء اور ۱۹۰۴ء کی ہیں۔ اس وقت میری عمر ۱۵، ۱۶ برس سے زیادہ نہ تھی۔

تعلیم سے پندرہ برس کی عمر میں فارغ ہو گیا تھا۔ والد نے تدریس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا۔ رب سے پہلی تقریر میں نے ۱۹۰۳ء میں کی۔ قابلاً دوسرے سال، انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں شریک ہوا تھا اور تقریر بھی کی تھی۔ ندوۃ العلماء اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاسوں میں اب پابندی کے ساتھ شریک ہونے لگے۔ کانفرنس کے لکھنؤ اجلاس میں ۱۹۰۳ء میں ان کی شرکت کی شہادت موجود ہے۔ اسی دوران میرٹھیلی سے تعارف ہو چکا تھا۔ ان کی دعوت پر، ندوۃ کے اسٹان میں شامل ہو گئے اور اکتوبر ۱۹۰۴ء سے مارچ ۱۹۰۵ء تک، اس سے وابستہ رہے۔ راہیل میں اندوہ چھوڑ کر دکیل، امرتسر

سے نقشِ آزاد، ۵۲۔

سے ایٹ۔ جو فقرے بریکر میں ہیں اس کی ذمہ داری لینے کے لیے میں تیار رہیں ہوں۔ مولانا نے البتہ یوں ہی کہا ہے۔ مزید توثیق کے لیے: آزاد کی کہانی، روایتِ طبعِ بادی، طبعِ آبادی کے یہاں کچھ اور پرچوں اور بعض تصنیف کے نام مل جائیں گے جن کی تصدیق کے لیے میرے پاس کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔

سے نقشِ آزاد، ۵۳۔ بیانِ ڈی جیب اللہ خاں، ترتیب عابد رضا بیدار، ضیا جون ۱۹۵۹ء

سے ندوۃ، اکتوبر ۱۹۰۵ء تا مارچ ۱۹۰۶ء۔



برہان دہلی

کے ادارے میں پہنچ گئے۔ مگر اسی سال کے آخر تک کسی ہینے (وہ وکیل کو چھوڑ کر خود) اپنا اخبار نکالنے کی فکر میں تھے۔

وسط جنوری ۱۹۰۰ء سے ایک مستقل اخبار میری ایڈیٹری میں کلکتہ سے نکلنے لگا: <sup>۱</sup>نارائن سلطنت۔  
۱۹۰۰ء سے مئی ۱۹۰۹ء تک کے درمیانی وقفہ میں بغداد و قسطنطنیہ اور پیرس کا سفر کیا۔ <sup>۲</sup>جون ۱۹۰۹ء میں وہ ہندوستان میں موجود تھے۔

۱۹۱۰ء میں وہ اُس ہفتہ روزہ کے نکالنے کے لیے بے چین تھے جو دو سال بعد الہلال کے نام سے نکلا۔ <sup>۳</sup>۱۹۱۲ء میں ۱۳ رجوع الی کو بالآخر الہلال نکل آیا جو بصورت ٹائپ میں مصور پرچہ۔ روایت سارا <sup>۴</sup>ہر شخص کی زندگی کے مختلف پہلو ہوتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے کسی قدر متضاد و مختلف ہوں۔ خود میں گھٹیم زہد اور قبائے رندی کو ایک ہی وقت میں اڑھنے یا چڑھنے میں آتے ہیں کھلیں تو عہد شباب کی صبح ہو چکی تھی اور خواہشوں اور ولولوں کی شبنم سے خار سناہتی کا ایک ایک کانٹا پھولوں کی طرح شاداب تھا۔ اپنی طرف دیکھا تو پہلو میں دل کی جگہ سیما کو پایا۔ دنیا پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ اس صبح فریب کے لیے نہ تو سوز و دہش کی دیر پہرے نہ تا امید کی دنا کامی کی شام۔ یہ سارا شہرستان امید اور نگار خانہ نظر نہ سب صرف ہمارے ہی دیدہ و دل کی کامجوسیوں کے لئے بنا ہے اور گویا گوشہ گوشہ اور ذرہ ذرہ ہماری ہوتا کیوں کے لیے چشم ہلا

<sup>۱</sup> بنام حسن نظامی (تالیق خطوط نویسی) ۱۹۰۶ء

<sup>۲</sup> کاروانِ خیال میں اس سفر کا تذکرہ آیا ہے، مزید: لونی سنیوں: ابوالکلام آزاد مرتبہ ہمایوں کبیر، انڈیا ونس فریڈم۔

<sup>۳</sup> شبلی بنام، ابوالکلام، ۱۵ جون ۱۹۰۹ء کا ایک خط زمکاتیب شبلی ۱۰ ص ۲۱۵

<sup>۴</sup> زمکاتیب شبلی: تالیق خطوط نویسی، ۱۰ ص ۹۱۰ کے خطوط۔

نشان الصدق کے بارے میں دوسری معتبر روایتوں کے علاوہ علامہ خطبہ قاشی عبد الوہاب آجکل جون ۱۹۵۶ء

<sup>۵</sup> بنام حسن نظامی ۲۶ اکتوبر ۱۹۰۹ء (تالیق خطوط نویسی)

ہے۔ جس طرف کان لگا یا یہی صدا سنائی دی۔

شہر سیت پُر زخوباں، وز ہر طرف نگار

یا راں صلائے عام است گرمی کنید کار

غفلت و مدہوشی نے انہوں پر چونا، سستی و سرگرائی نے جام بھرے، جنونِ شباب نے ہاتھ پکڑا، اور دلوں اور ہوسوں نے چراغ دکھائی، دل کی خود منہوشیوں نے اُسی کو منہ پر مقصود سمجھا، ہوش و غور کو پہلے حیرانی ہوئی لیکن پھر اس نے بھی آگے بڑھ کر اٹھا دیا، رادھے تو یہی اور دقت ہے تو اسی کا۔

ساقیا مرغ از من عالمِ جوانی ہاست

جس طرف نظر اٹھائی ایک صنم آبادِ اُلفت و پرستش یا جس میں مندروں اور مورتیوں

کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہر مسرت و تبیینِ نیاز کا طالب، ہر مورتی، دل فرشی و جاں سپاری کے لئے وبالِ دیش، ہر جلوہ برقِ تمکین و اختیار، ہر محکا، بلائے صبر و قرار۔

الفراق اے صبر و تمکین، اوداع اے عقل و دیں

جس راہ میں قدم اٹھایا، زنجیروں اور کندوں نے استقبال کیا، جس گوشے میں پناہ لی،

زندہ، ہوش و نگاہی نکلا۔ ایک قید ہو تو ذکر کیجے۔ ایک زنجیر ہو تو اس کی کڑیاں گنیے۔۔۔

وائے بر صید کہ یک باشد و عیادے چند

کبھی سرِ دہ کی بلند فامی پر رشک آیا تو سرِ بلند ہی و سرافرازی کے لئے دلِ خون ہوا۔ کبھی

سبکدہ پاؤں کی خاکساری و افتدگی پر نظر پڑی تو اپنے پندار و خود پرستی پر شرم آئی۔ کبھی بادِ صبا

کی ریش پسندائی تو اقامت گزینی سے وحشت ہوئی۔ آزارگی و درہ نور دی کی دل میں ہوا سمانی۔ کبھی

اسیرِ دواں کی یہ قیدی دے تعینی اس طرح جی کہ سہائی کہ پابندیوں اور گرفتاریوں پر آنکھوں نے

سہ "بکھنؤ" کے تلاش مینوں کی اصطلاح میں "خانہ ساز آتنا" اُسے کہتے ہیں جسے طوائفیں اپنے

جی کے انکاد کے لئے لگاتے رکھتی ہیں۔ "نقشِ آزاد" ۳۲۳۔



آنسوؤں اور دل نے زخموں کے ساتھ ماتم کیا... غرضکہ نہ تو اسباب میں کمی تھی اور نہ استعداد بالکل مفقود تھی۔

... گمراہی عمل کی آخری حد فسق ہے اور گمراہی اعتقاد کی الحاد و سوفسق و الحاد کی کوئی قسم ایسی نہ تھی جس سے اپنا نامہ اعمال خالی رہا ہو...

کوئی پکارنا ہے اور دروازہ نہیں کھلتا کوئی بھاگتا ہے اور اس پر کند پھینکے جاتے ہیں قانون طلب و سعی سے انکار نہیں۔ لیکن اگر وہ بے طلب دینا چاہے تو اس کا ہاتھ پکڑنے والا کون ہے۔

ناگہاں جاذبہ توفیق الہی پرودہ عشق مجاز میں نمودار ہوا اور ہوس پرستیوں کی آوارگیوں نے خود بخود شاہراہ عشق و محبت تک پہنچا دیا۔ آگ لگنی ہے تو رقتہ رقتہ شعلے بھڑکتے ہیں۔ سیلاب آتا ہے تو بتدریج پھیلتا ہے۔ یہ تو ایک بجلی تھی جو آٹا ناٹا نمودار ہوئی، چمکی دردیکھا تو خاک کا ڈھیر تھا۔ ہوس و عشق پر کیا موقوف ہے۔ کوئی درمیانی منزل ہو اگر قدم آگے بڑھنے سے رک گئے تو پھر وہی منزل بہت اور رہو اس کا پرستار۔ کامیابی چلتے رہنے اور بڑھتے جانے کا نام ہے کہ۔

’ٹنگ دیکھ رہا‘ دل شاد کیا خوش کام ہوئے اور چل سکے

اور نام راوی نہیں ہے مگر اٹکنے اور رہ جانے میں۔

ایک لمحہ غافل بودم و صد سال را ہم دور شد

چنانچہ... اس منزل کے وقفے نے بھی زیادہ طویل نہ کھینچا۔ ایک سال پانچ ماہ کے اندر اس کوچے کے بھی تمام رسم و رواج، ایک ایک کر کے دیکھ ڈالے۔ کوئی گوشہ کوئی مقام باقی نہیں چھوڑا۔ نہ مجنوں سے ہم عنان کا سودا ہے نہ فریب دہ سے مقصد کا دعویٰ البتہ یہ ضلہ و رہبہ کہ شیوہ عشق و عاشقی و طریق آشفنگی درجاں سپاری کی جتنی پائیں سینے میں آئی تھیں وہ سب کر کے دیکھ لیں اور اس راہ کا کوئی حال اور معاملہ ایسا نہیں رہا جو کسی کی زبان پر ہوا اور اپنے پر

نہ گزر چکا ہو....

...ایک ایک گھڑی اور ایک ایک لمحہ ایسا گزر چکا ہے کہ سیکڑوں آہیں اندر ہی اندر پھنکی ہیں،  
ہزاروں شورشیں سینے کے اندر ہی اندر چلی ہیں۔ آنسوؤں کو آنکھوں کی وسعت نہ ملی تو دلوں کے گوشے ہی  
میں طوفان اٹھاتے رہے۔۔۔۔

انداز جنوں کو نساہم میں نہیں مجنوں :

پر تیری طرح عشق کو رسوا نہیں کرتے

اگرچہ اس معاملے کا خاتمہ ابھارنا کامیابی پر ہوا لیکن فی الحقیقت فتح و کامرانی کی ساری  
شاردانی اسی ناکامی میں پوشیدہ تھی۔ اسی ناکامی نے بالآخر کامیابی کی راہ کھولی۔۔۔ غبارِ سی زرد  
مور تو کعبہ حقیقت سامنے تھا۔

سارا کام پہلے سے ہرچکا تھا۔ چولہا مدتوں سے گرم تھا۔ ہوس بازی نے چنگاریوں کا کام  
دیا تھا، عشق نے شعلے بھڑکائے تھے۔ صرف اتنی بات باقی رہ گئی تھی کہ ایک دیگ اتار کر دوسری چڑھا دی  
جائے۔ یہ کام عشق کی امیدوں سے نہ ہو سکا تو کیا مضافۃً عشق کی مایوسیوں نے تو پورا کر دیا۔<sup>۱</sup>  
اگر ہوس پرستی و رندی کی منزل پیش نہ آتی تو نہیں معلوم حقیقت پرستی کے کتنے ہی گوشے ہیں جن  
سے ہمیشہ خبر رہتے: <sup>۲</sup>

”جس حال میں رہے نقص و ناصافی سے دل کو ہمیشہ گریزاں اور شیوہ عقیدہ و روش عام سے  
یرغیر جہاں ہیں۔ بے ادب جس رنگ میں رہے کبھی کسی دوسرے کے نقشِ قدم کی تلاش نہ ہوتی۔ اپنی رہ خود  
ہی نکالی اور دوسروں کے لیے اپنا نقش قدم رہنا چھوڑا۔ رندی و ہوسناکی کا عالم رہا تو اس کو بھی  
ناکام نہ چھوڑا۔“ <sup>۳</sup>

۱۔ تذکرہ ۳۱۵-۳۲۴

۲۔ ایضاً ۳۲۶

۳۔ ایضاً ۳۲۸



برہان دہلی

اپنی شگفتگی و شگفتی نہ تو کسی ہاتھ کی محنون ہے نہ کسی زبان کی نہ خاندان کی نہ تعلیم و تربیت ظاہری کی جو کچھ پایا ہے صرف بارگاہِ عشق سے پایا ہے جتنی رہنمائیاں ملیں، صرف اسی مرشد و ہادی طریق سے ملیں سرورِ مہن کر آیا تھا مگر دریا بن کے گیا۔۔۔ علم کا دروازہ اسی نے کھولا عمل کی حقیقت اسی نے بتلانی۔۔۔ قرآن کے بھیلا سی نے بتلانی سنت کے اسرار اسی نے کھولے۔ نظر اس نے دی۔ دل اس نے پختا۔۔۔

اگر کسی کو بادل روز سے اپنے زہد و پاک پر ناز ہو تو ہم کو بھی اپنی اس رندی و ہوسناکی کی تردامنی کا کوئی شکوہ نہیں جس کو عین اکیس ماہ کی عمر میں رک جنونِ خواب کی سرستیوں کا اصل موسم ہوتا ہے) دونوں ہاتھوں سے اس طرح چوٹا کر ایک قطرہ بھی باقی نہ چھوڑا۔۔۔

باوجودیکہ اس معاملے پر کامل نو دس برس گزر چکے۔۔۔ لیکن الحمد للہ کہ جو دروہ پہلے داغ اور پھر زخم بن کر رہا تھا اب نا سوز بن کر نہاں خانہ دل میں محفوظ ہے اور اید ہے کہ ہمیشہ محفوظ رہے گا۔۔۔ مولانا کی سوانح حیات کا باقی ماندہ حصہ جانا پہچانا ہے۔

۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۶ء تک الہلال (اور پھر البلاغ) نکالا۔ ۳۰ مارچ ۱۹۱۶ء سے یکم جنوری ۱۹۲۰ء تک راجگی میں نظر بند رہے اور ۱۹۲۳ء میں کانگریس کے خصوصی اجلاس میں اس کے صدر چن لیے گئے جس عہدہ کی ذمہ داری ایک بار اور ان کو سپرد کی گئی اور اس بار کامل سال کیلئے، ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۵ء تک۔

۱۹۱۲ء میں ایک اردو جرنل الہلال جاری کیا۔ الہلال نے تین سال کے اندر مسلمانانِ ہند کی مذہبی اور سیاسی حالت میں بالکل نئی حرکت پیدا کر دی۔۔۔ الہلال نے مسلمانوں کو تعداد کی جنگ ایمان پر اعتماد کرنے کی تلقین کی اور بے خوف ہو کر ہندوؤں کے ساتھ مل جلنے کی دعوت دی۔ اس

کے یعنی یہ بات ۱۹۰۸ء، ۱۹۰۹ء کے لگ بھگ کی ہے۔ اپنے حساب سے اس وقت ان کی عمر ۲۲ سال تھی۔

۱۔ تذکرہ - ۲۰ - ۳۲۹۔

۲۔ الہلال اور البلاغ کے بارے میں تفصیل کے لیے دیکھیے "ہندوستانی صحافت کا ایک اہم باب: از عابد رضا بیار" اردو ادب، آزاد نمبر۔

۳۔ تذکرہ، دیباچہ اور آخری ذرا، اخبار پیغامِ کلکتہ۔ ۱۵ یوں فرٹیم

سے وہ تبدیلیاں رونما ہوئیں جن کا نتیجہ آج متحدہ خلافت و سوراخ ہے۔ بیوروکریسی ایک ایسی تحریک کو زیادہ عرصے پر نہایت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے پہلے الہلال کی ضمانت ضبط کی گئی، پھر حب البدع کے نام سے دوبارہ جاری کیا گیا تو ۱۹۱۶ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے مجھے نظر بند کر دیا۔ میں بتلانا چاہتا ہوں کہ الہلال تمام تر زندگی یا موت کی دعوت تھی۔ اسلام کی مذہبی تعلیمات کے متعلق اس نے جس سنگ بحث و نظر کی بنیاد ڈالی، اس کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے، صرف اس قدر اشارہ کروں گا کہ ہندوؤں میں آج ہاتھ لگانے والی مذہبی زندگی کی جو روح بیدار کر رہے ہیں، الہلال اس کام سے ۱۹۱۳ء میں فارغ ہو چکا تھا۔ ۱۹۲۱ء کے آخر میں بلوچ آبادی کی انارت میں کلکتے ہی سے ہفتہ وار پیغام منکھلوا یا جوتین پہنچے جن پر مولانا کی گرفتاری کے بعد بند ہو گیا۔ پیغام پر مولانا کی صحافتی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔

پھر اس کے بعد کی زندگی خالص عملی سیاست کی زندگی ہے جو تاریخ آزادی ہند کی کتابوں کے علاوہ انڈیا ہسٹری فریڈم رائزڈ کی جیت میں محفوظ ہے۔ اور معلوم عوام ہے اس خالص سوانح زندگی کے اندرونی دھارے دیکھنا ہوں تو جامع مسجد کی مسجد کی یادگار تقریر کافی ہے۔ اس میں اس بے چین روح کے سارے احساسات سمٹ آئے ہیں۔ اس کے تھے کئی بے نفس آزاد کے ۲۵ جنوری اور ۱۱ جون ۱۹۳۱ء اور ۲۵ جولائی ۱۹۳۵ء کے خصوصاً بڑھ لیجے قوم پرست آزاد کا پورا خاکہ سامنے آ جائے گا۔

تصانیف جس کا ذکر ہفت روزہ میں آیا ہے اور جس جس طرح آیا ہے یہ تذکرہ \_\_\_\_\_ اصل قیمت دو روپے ہے۔

نکاح قبول فیصلہ ۱۹۲۲ء ۱۱ جنوری ۱۹۲۲ء

پیغام کے بارے میں تفصیل کے لیے دیکھیے عابد رضا بیدار کا شمار ۱۹۵۹ء

تصانیف کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: آزاد با یوگرانی مرتبہ عابد رضا بیدار، رند دبا

آزاد نمبر۔ ۲۸



ترجمان القرآن جلد اول اشاعت قبل از ۲۵ جولائی ۱۹۳۲ء  
 " جلد دوم مارچ-مئی ۱۹۳۶ء (تعداد چھ ہزار)  
 " جلد سوم کی کتاب شروع جنوری ۱۹۳۷ء تک اشاعت کی توقع ہے  
 ترجمان القرآن اول دوم، طبع ثانی اشاعت اپریل-جولائی ۱۹۳۷ء (بلا اجازت)  
 ام القرآن یعنی تفسیر سورۃ فاتحہ، ضخامت تقریباً ۳۰ صفحات۔ ۱۹۳۷ء میں اشاعت کیلئے تیار ہے  
 غبار خاطر اشاعت اپریل-مئی ۱۹۳۷ء تعداد ۵۰۰۰

نیا ایڈیشن فروری ۱۹۳۷ء

مضامین جن کا ذکر نقشِ آزاد میں آیا ہے:

منصب خلافت کی تفسیر زمیندار جون ۱۹۲۴ء-تین شمارے

ایک طویل سلسلہ مضمون زمیندار اکتوبر ۱۹۲۵ء

پیغام ۱۹۲۷ء

سرمرد نظام، المشائخ، مئی-جون ۱۹۱۰ء (تالیف خطوط توفیقی)

غالب تصنیف ہر پر تعقیب ۴۰ فروری ۱۹۳۰ء کو مکمل نقشِ آزاد

صفحہ نمبر ۲۲، ۳۱، ۳۸ -

صفحہ نمبر ۴۰، ۴۱ -

صفحہ متفرق تحریروں کا ایک مکمل اشاریہ آزاد بیلیوگرافی میں شامل ہے لیکن یہ مضامین جن کا ذکر کیا گیا ہے اس میں نہیں آسکے اس لیے کہ اصل مجھے نہیں مل سکے۔ سرمرد و الما مضمون بھی مجھے ایک کتاب کے مقدمے کی حیثیت سے ملا تھا مستقل مضمون کی حیثیت سے نہیں۔

# ادبیات

## غزل

جناب الم مقصود نگری

اُتی ہے اک آواز مجھے دل کی طرف سے  
 حملے مری کشتی پہ کیا کرتے ہیں طوفاں  
 جلوؤں کو وہ اپنے کہاں دیکھے گا کہ جس نے  
 تیز نگہ ناز کی شوخی کو نہ پوچھو  
 یہ فصلِ چمن ہے کہ سرگلشن ہستی  
 رہن سے تو ہر گام پہ رہتا ہوں میں ہشیا  
 مہ جو یہ ہیں ہونہ وہ مقصودِ نظر دیکھ  
 ہر ذرہ ہستی میں تڑپ ہو گئی پیدا  
 گزشتہ دشت ہے کوئی بعدِ فنا بھی  
 اُسے لگا کوئی جامِ ادھر بھی کہ ابھی تو  
 بر سے گی سرخم کردہ عشق یہ کھل کر  
 منزل کا بلا واسطہ یہ منزل کی طرف سے  
 دریا کی طرف سے کبھی ساحل کی طرف سے  
 منہ پھیر لیا آئینہ دل کی طرف سے  
 آتے ہیں کلیجے کی طرف دل کی طرف سے  
 ہوتا ہے کوئی جشنِ عنادل کی طرف سے  
 خطرہ ہے مگر رہبرِ کامل کی طرف سے  
 نظریں نہ مٹا جلوہ باطل کی طرف سے  
 جب درد کی اکٹج اٹھی دل کی طرف سے  
 گزرا ہے غبارِ اک بھی محفل کی طرف سے  
 جاری ہے گرم ساقیِ محفل کی طرف سے  
 اٹھی ہے گھٹا میکہ دل کی طرف سے

رہتا ہوں الم اس لیے سرگرم سخن میں  
 ملتی ہے مجھے دادِ مرے دل کی طرف سے



# تو اے غم

(ہندوستان کے حالیہ فرقہ وارانہ فسادات سے متاثر ہو کر)

(از جناب ساحر بھوپالی)

یوں اب کے گھٹا چھائی جیسے کہ نہیں چھائی  
 کچھ ایسی فضا مجھ کو ہر سمت نظر آئی  
 آج ہم سے شناسائی کل اُنک شناسائی  
 آزادی تو لاتی ہے پیغام بہاروں کا  
 جس سمت نگہ اٹھی اک حشر بپا دیکھا  
 آج ہر تنفس ہے خود غرض و جفا شیوہ  
 یہ دور جمہوریت یہ خون کی ارضانی  
 انصاف اگر چاہا تعزیریں ملیں ہم کو  
 تیور یہی کہتے ہیں مظلیم و فاقوں کے  
 مظلومیتِ انساں دیکھی نہیں جاتی اب  
 کچھ اس طرح ٹپکے ہیں آنسو مگر ان پر  
 یوں اب کے بہا رہا آئی جیسے کہ نہیں آئی  
 جیسے کسی پاگل نے لی ہوا بھی انگریزائی  
 بھٹکے ہوئے رہبر کے پیرو بھی ہیں ہر جانی  
 اللہ مگرایا تو سب لٹ گئی رعنائی  
 جو شکل نظر آئی غمگین نظیر آئی  
 صورت تو ذرا دیکھو جیسے کوئی سودائی  
 ہونے دو جو ہوتی ہے نمرودوں کی روائی  
 داتاؤں کو اس پر بھی کچھ شرم نہیں آئی  
 لینے کو ہے پھر ملٹا یہ دورِ خود آرائی  
 لے لے مری آنکھوں کی اللہ تو بینائی  
 گویا دل پر غم کی تصویر اتر آئی

ساحر مرے دل کا اب کچھ اور ہی عالم ہے

چھٹنے کو ہے ہاتھوں سے دامانِ شکیبائی

## تبصرے

**تجلیات عثمانی** از پروفیسر انوار الحسن صاحب شیرکوٹی۔ تقطیع کلاں، بنیامت ۲۰۰۴ء صفحات ۲۰۰  
 کتابت و طباعت بہتر قیمت علیہ تہ: ادارہ نشر المعارف چھاپک ملتان شہر (مغربی پاکستان)  
 حضرتنا الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ علم و فضل اور دوسرے اوصاف و کمالات کے باعث اس عہد کی بڑی ممتاز اور نامور شخصیت کے مالک تھے۔ ضرورت تھی کہ حضرت موصوف کی ایک جامع اور مبسوط سوانح حیات مرتب کی جاتی جس سے لوگوں کو آپ کے بلند مدارج علیہ کمالات کا علم ہوتا اور آئندہ نسلیں اس سے روشنی حاصل کرتیں۔ خوشی کا مقام ہے کہ اس اہم کام کا بیڑہ پروفیسر انوار الحسن صاحب نے اٹھایا جو خود بھی دارالعلوم دیوبند سے علمی انتساب اور حضرت مرحوم سے شرف تلمذ رکھتے ہیں۔ موصوف نے حضرت الاستاذ کا تذکرہ دو الگ الگ جلدوں میں لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب اسی تذکرہ کی جلد اول ہے جو حضرت الاستاذ کے صرف علمی و ادبی کمالات کی نہایت مفصل و مبسوط روئدائیں ہیں اس کے بعد دوسری جلد "حیات عثمانی" کے نام سے ذاتی سوانح و حالات پر ہوگی۔ اس جلد میں پہلے بطور تعارف بہت ہی مختصر طور پر حضرت الاستاذ کے ذاتی حالات یعنی پیدائش، تعلیم، درس، مذہبی خدمات اور وفات کا تذکرہ ہے۔ اور اس کے بعد حضرت مرحوم کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے لے کر حضرت شیخ الہند تک جن جن بزرگوں سے استفادہ کی علمی نسبت حاصل رہی ہے اس کا بیان ہے۔ پھر اسلامی علوم و فنون یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام، منطق اور فلسفہ وغیرہ جن میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات مسلم تھے، ان کا ذکر بڑی تفصیل اور جامعیت کے ساتھ ہے اور اس کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے ہر علم کی تعریف اور اس



کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے پھر حضرت کے اُس علم میں جو معجزات و مخفیات ہیں اور اس سلسلہ میں آپ نے جو قلبی اندر دسی خدمات انجام دی ہیں اُن کا ذکر بسط و تفصیل سے ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس سے متعلق مختلف اہل علم و نظر کی جو شہادتیں ہیں اُن کا بھی حوالہ دیتے گئے ہیں۔ آخر میں دوسرے کمالات یعنی بلند پایہ خطابت، عربی اور اردو میں تحریر و تصنیف کی اعلیٰ قابلیت، شعر گوئی، سیاسی فکر، اصابتِ رائے اور حق گوئی وغیرہ کا تذکرہ ہے اور وہ بھی بڑی دہریہ ہیں۔ مبسوط اور مفصل۔ اس طرح حضرت مرحوم کے کمالات علمی و ادیب کا یہ تذکرہ سات سو صفحات کی ضخیم کتاب میں تمام ہوا ہے۔ جو بے شبہ معلومات آفرین بھی ہے اور بصیرت افزا بھی۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ لائقِ مصنف نے حضرت مرحوم کی تمام چھوٹی بڑی تصانیف اور مقالات اور تقاریر و خطبات کے فراہم کرنے اور اُن کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے اور پھر اپنے خیالات و افکار کو مرتب کرنے میں بڑی محنت و کادش کی ہے۔ فجزاک اللہ عنا (حسن الجزاۃ)۔ زبان و بیان شگفتہ، مؤثر اور دلنشین ہے۔ خدا کرے کہ دوسری جلد جیسا عثمانی بھی جلد شائع ہو اور ایسی ہی کامیاب ہو۔

**سکھ مسلم تاریخ حقیقت کے آئینہ میں** | از: جناب ابوالامان امرتسری۔

تقطیع کلاں۔ ضخامت ۲۴۴ صفحات۔ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد سترہ۔ تین روپے آٹھ آنے۔ پتہ:- ادارہ ثقافت اسلامیہ پاکستان ۲۔ کلب روڈ لاہور۔

انگریزوں کے عہد میں ہندوستان میں مسلمانوں کے دورِ حکومت سے متعلق بعض سیاسی اغراض سے جو غلط سلط تاریخیں لکھی گئی ہیں اُن کا جہاں ایک طرف تنبیہ یہ ہوا کہ ہندو مسلمانوں کے تعلقات خراب ہو گئے۔ دوسری جانب اُن کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ سکھوں میں مسلمان بادشاہوں کے جبر و کسٹم کے ایسے افسانے عام ہو گئے جن کی تاریخی اعتبار سے کوئی سند و بنیاد نہیں ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سکھوں میں عام طور پر حسب ذیل تین باتیں بہت مشہور ہیں۔

(۱) جہانگیر باؤ شاہ نے گوردوارہ جن کو محض مذہبی تعصب کی بنا پر قتل کرایا

(۱۲) اورنگ زیب نے سکھوں کے نویں گوردوارے کو رو تیغ بہادر کو دہلی بلایا اور اسلام قبول نہ کرنے کے جرم میں چاندنی چوک میں قتل کرا دیا۔

(۱۳) سرہند کے صوبہ دار کے حکم سے گوردوارہ کو بند نہ کیے گئے وہ شیر خوار اور بے گناہ بچے محض اس جرم میں دیوار میں زندہ چنوا دیئے کہ وہ گوردوارہ صاحب کے بچے ہیں اور اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

سکھوں میں یہ تینوں باتیں اس درجہ مشہور ہیں کہ وہ اب بھی اپنے مذہبی اجتماعات و تقریبات میں ان کا برملا اظہار کرتے ہیں اور اس کا اثر سکھوں اور مسلمانوں کے باہمی تعلق پر جیسا کچھ بھی ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ لیکن بڑی خوشی کی بات ہے کہ جناب ابوالامان صاحب امرتسری نے زیر تبصرہ کتاب میں نہایت قوی اور ناقابل تردید دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ تینوں الزامات بالکل بے بنیاد اور لغو ہیں اور تاریخی اعتبار سے ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ چونکہ الائنڈ مسٹف گورکھی زبان کے بھی بڑے فاضل ہیں۔ اور اس بنا پر سکھ لٹریچر کا ان کا مطالعہ بڑا وسیع اور معتقدانہ ہے اس لئے انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا بڑا اور اصل مآخذ سکھوں کا قدیم و جدید لٹریچر ہے جس کے اقتباسات کتاب کے ہر صفحہ پر بکھرے ہوئے ہیں۔ مزید تائید کے لئے انگریزی، فارسی اور اردو کی کتب تاریخ اور محلات و رسائل کے بھی حوالے ہیں۔ انداز بیان سست اور سنجیدہ و متین ہے۔ کہیں بھی سنجیدہ تاریخ نگاری کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے۔ سکھوں کے مذہبی پیشواؤں کے نام و نرات سے لے کر کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے طنز یا دلآزاری کا پہلو نکلتا ہو، اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ان الزامات کی بے حقیقی میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا اور یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ یہ تینوں الزامات جہانگیر اور اورنگ زیب کی وفات کے بہت عرصہ بعد خاص اغراض سے گھڑے گئے اور تاریخیوں میں جعلی طور پر داخل کیے گئے ہیں۔ اگرچہ جگہ بند، خفیہ اسات کی کثرت اور بعض مضامین کی غیر ضروری تکرار کی وجہ سے



تعدد مواقع پر ثقالت پیدا ہو گئی ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی موضوع بحث کے اعتبار سے یہ کتاب اردو لٹریچر میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ اور اس لائق ہے کہ اس دور کی تاریخ کا ہر طالب علم خصوصاً اور ارباب ذوق سکھ اور مسلمان عموماً اس کا ٹھنڈے دل و دماغ سے مطالعہ کریں۔ سکھوں اور مسلمانوں کی غلط فہمیوں کو دور کرنے میں اس کتاب سے بڑی مدد ملے گی۔

**آئینہ دلدار** | از: جناب محمد ابراہیم صاحب صدیقی۔ تقطیع خورد۔ ضخامت ۲۵۶ صفحات۔ کتابت و طباعت بہتر۔ قیمت تین روپے۔ پتہ: خالد خضر صاحب ۳۹ جی نظامی روڈ۔ سنٹرل جیکب لائن۔ نزد پرانی نمائش۔ کراچی۔

ہند میں :- نظامی بک ایجنسی - بدایوں (دیوبند)

بدایوں ہند کا ایک بڑا مردم خیز خطہ ہے۔ جہاں بڑے بڑے عسوقیاء، ادیباء، علماء، ادباء اور مورخین و شعراء پیدا ہوئے اور دور دور تک ان کا فیض پہنچا۔ اسی شہر کے ایک بزرگ سید محمد دلدار علی صاحب مذاق میاں بھی تھے ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۹۲ء میں وفات پائی۔ موصوف جہاں ایک طرف بلند پایہ صوفی اور صاحب بیعت و ارشاد بزرگ اور مختلف سلاسل طریقت میں مجاز تھے۔ دوسری جانب فارسی اور اردو کے بلند پایہ شاعر اور مصنف بھی تھے۔ اور اس حیثیت سے ان کے تعلقات اس عہد کے نامور شعراء اور علماء مثلاً مرزا غالب، مومن، ناسخ، آتش، مفتی صدر الدین آزاد، امیر معینا، مولانا عبدالحق خیر آبادی اور مولانا محمد حسین آزاد وغیرہم سے بڑے دوستانہ اور مخلصانہ تھے اور جیسا کہ ان حضرات کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے یہ سب میاں صاحب کے علم و فضل کے معترف اور مداح تھے۔ زیر تبصرہ کتاب میں لائق مرزا نے انہیں میاں صاحب کے خاندانی اور ذاتی حالات و سوانح بڑی محنت اور کاوش سے فراہم کیے ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب میں متعدد مکتوبات بھی ہیں جو مفت شاہر علم و ادب نے میاں صاحب کو لکھے تھے یا لکھے کسی اور کو تھے مگر ان میں میاں صاحب

کا تذکرہ ہے اور بعض خطوط خود میاں صاحب کے بھی نوشتہ ہیں۔ کتاب کا ایک معتد بہ حصہ موصوفین کے انتخاب کلام اور کچھ سلاسلِ طریقت کی تفصیل و تشریح پر مشتمل ہے اس اعتبار سے یہ کتاب بیک وقت تصوف پر بھی ہے اور شعرِ مادی پر بھی اور اس لیے ہر ذوق کا آدمی اس کے مطالعہ سے شاد کام ہو سکتا ہے۔ شروع میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا ایک مقدمہ ہے۔ جہاں تک میاں صاحب کے علم و فضل، شاعری اور ادبی کمال کا تعلق ہے ان کے بلند مرتبہ و مقام میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن بحیثیت صوفی کے اس کتاب کو پڑھ کر یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کا اصل مسلک کیا تھا کیونکہ اس سلسلہ میں ان کے کلام میں تضاد ملتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ محمد میں کہتے ہیں :-

تو ہی ہے اول تو ہی ہے آخر تو ہی ہواطن تو ہی ہواطن  
تو ہی ہے مظهر تو ہی ہے مظاہر ظہور تو ہے ظہیر تو ہے  
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مسلک وحدت الوجود ہے۔ لیکن ایک اور جگہ فرماتے ہیں :-

یہاں ذائقہ اور نہ آخر یہاں باطن ہے اور نہ ظاہر  
نہش جہت اندا دریا ہر تحت فوقی رض سما ہے  
بلکہ اسی غزل کے ایک شعر میں تو یہاں تک کہہ گزرے ہیں :-

نہ کفر اسلام ہے نہ ایمان نہ مومن و کافر مسلمان !  
نہ کچھ حلال و حرام نہ کفران نہ لعن طعن اور نہ بھلا ہے  
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر مسلکِ عتازہ سے متعلق رکھتا ہے علاوہ بریں ایک جگہ شریعت کا اس درجہ بجا اظہار پایا ہے کہ فرماتے ہیں :-  
"اگر خطرہ مخالفت شروع شریف باشد شیطانی و نفسانی بوزد اگر موافق شرع است رحمانی است"  
لیکن اس کے برخلاف محمد یوسف علی خاں کے نام جو خط ہے اس میں نماز و روزہ اور حج کی تنقیص کے ساتھ ساتھ یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ :-

"از صحبت زنان یا ز ماندن کار مختشان است :-

غرض کہ یہی وہ رموز تصوف ہیں جن کے باعث تصوف کو شریعت کا حلیف نہیں بلکہ حریف سمجھا گیا ہے اور اس سے اسلام کو شدید نقصان پہونچا ہے یہ شاہِ مذاق میاں کی خصوصیت نہیں صوفیاء کے عام تذکرہ میں اسی قسم کی باتیں ملتی ہیں جن کا زمانہ سے نکالنا بھی شریعت میں شدید معصیت ہے۔



# بُرہان

شمارہ ۲۵

جلد ۴۳

اگست ۱۹۵۹ء مطابق صفر ۱۳۶۹ھ

فہرست مضامین

۶۶	سید احمد اکبر آبادی	نظرات
۶۹	جناب شہیر احمد خان غوری ام۔ ایل ایل	یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ
	بی بی ٹی۔ پچ۔ جیٹر امتحانات عربی و فارسی	
۸۴	مولانا ابو محفوظ الکریم مصوری کچھڑیاں	سند و سند کا ایک علمی و ثقافتی تذکرہ
	درسہ عالیہ کلکتہ	
۱۰۱	جناب ڈاکٹر خورشید احمد فارق صاحب استاد	تذکرہ الرثۃ
	ادبیات دہلی یونیورسٹی	
۱۰۹	جناب رفیع اللہ صاحب غنایتی	اسلام کا ابتدائی نظام مولانا آزاد کی نظر میں
۱۱۹	جناب ثناء احمد صاحب فاروقی	ذکر معتمدی
	دہلی یونیورسٹی لائبریری۔ دہلی	
۱۲۳	جناب آلم منظر نگری	ادبیات۔ نزل۔
۱۲۴	جناب فصحاء بن فیضی	سراج بخودی
۱۲۵	(دس)	تبصرے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## نظریہ

آجکل جمہوریت کا زمانہ ہے۔ کوئی بات خواہ کتنی ہی مقبول اور درست ہو لیکن اگر قیمتی سے  
 اس کو دلوں کی کثرت حاصل نہیں ہے تو غیر تو غیر انجیل سے بھی اس کو منوانا مسان نہیں ہے اس کی  
 بنا پر پروگنڈا اور رسکے عامہ کو ہمارے کرنے پر حکومتیں ہر روز لاکھوں روپیہ خرچ کرتی ہیں اور اس  
 کام کے لئے مستقل محکمے اور ان کے لئے بڑا اور وسیع عملہ رکھتی ہیں حکومتوں کے علاوہ ہر فرقہ اور  
 جماعت کو بھی یہی کرنا پڑتا ہے اس مقصد کے حصول کا سب سے زیادہ کامیاب ذریعہ یہ ہے جس  
 بڑے فیسوں کی بات ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جہاں اور مختلف حیثیتوں سے بہت زیادہ ہیں  
 اس اعتبار سے بھی ان کی حالت بڑی زبون ورتا میں رہم ہے چنانچہ اس وقت صورت حال یہ ہے  
 کہ ان کے پاس پیسے کی کوئی طاقت نہیں ہے۔ ان کے تھوڑے بہت چھٹے اخبارات ہیں بھی وہ سب  
 اردو میں ہیں۔ ان کو دوسرے لوگ تو کچھ پڑھیں گے خیر انگریزی میں مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ  
 نہیں پڑھتا اور چونکہ یہ لوگ صرف انگریزی کے اخبارات پڑھتے ہیں جن کو مسلمانوں کے معاملات و مسائل  
 کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے اس لئے خود ان لوگوں کو بھی علم نہیں ہوتا کہ ملک کی اس اہم اور بڑی  
 اقلیت کو کون سنسکلوں و پیچیدگیوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ ان کا حل کیا ہے؟ انگریزی کے پیسے  
 کا مسلمانوں کے ساتھ کیا معاملہ ہو اس کا اندازہ اس ایک بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پچھلے دنوں مولانا  
 محمد حنفی رحمہ اللہ صاحب نے مبارکپور اور بھوپال کا دورہ کر کے وہاں کی اصل صورت حال سے متعلق ایک  
 نہایت مقبول، سنجیدہ اور حقیقت افروز بیان اردو اخبارات میں شائع کیا اور اس بیان کا انگریزی  
 میں ترجمہ کرا کے انگریزی کے متعدد نیشنلسٹ اخباروں کو بھیج دیا لیکن ان میں سے کسی ایک اخبار نے  
 مولانا کے بیان کی ایک سطر بھی شائع نہیں کی۔ حالانکہ یہی اخبارات سکھوں، عیسائیوں، اچھوتوں،



مہا سبھا اور جن سنگھ کی خبریں اور ن جاغٹوں کے ایڈیٹروں کے بیانات آئے بن نمایاں طور پر شائع کرتے  
 رہتے ہیں جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے یہ اخبارات عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر نوٹ چھاپ دیتے ہیں گے  
 تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آباد ہے اور وہ بیک وقت لفظ عام حکومت کے  
 ماتحت اپنے مذہبی تہور و رسم و عادات امن و امان اور سکون و طینان سے ادا کرتے ہیں اس طرح ان کا  
 مقصد جو اکثریت یا گورنمنٹ کے حق میں پروگنڈا کرنا ہی ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کے معاملات کیا ہیں،  
 تعلیم میں تجماعت میں معاشی خوشحالی میں اور باقی دنیا ہیئت میں ان پر جو بہت مائدہ کی طرح ہے اس کا  
 کیا عدت ہے؟ ان معاملات میں ان کی شکایات درج کیا گیا ہے ان کے ایڈیٹر کہتے ہیں ہندوؤں کے  
 احسان کیا ہیں؟ ان چیزوں کی نسبت انگریزی اخبارات میں آپ ایک لفظ بھی نہیں دیکھیں گے۔  
 انتہا یہ ہے کہ مسلمانوں کا بڑے سے بڑا اثنا لست ایڈیٹر، صحافی، ادیب یا مصنف مر جاتا ہے اور اس کی خبروں تک  
 یا تو سرے سے پہنچتی ہی نہیں اور اگر کسی مذہب نگار کی رپورٹ پہنچتی بھی تو بہت مبہم اور سرسری طور پر۔  
 علاوہ ان کی ضرورت سے بہت کم بھی ہے کہ اسلام کی عبادات اور اس کے کلچر اور تہذیب پر بھی دنیا  
 نوٹا انگریزی میں مقدمات و مضامین شائع ہوتے ہیں کہ جو لوگ واقعی کسی غلط فہمی یا مسودہ کی کمی کے  
 باعث اسلام اور مسلمانوں کے متعلق غلط فہمیاں رکھتے ان کے خیال کی اصلاح ہو سکے اور ان کا رویہ بدلے،  
 ظاہر ہے سب کام صرف اردو پریس سے سر انجام نہیں پاسکتے ضرورت اور بہت سخت ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے  
 روزنامے انگریزی زبان میں بھی ہوں اور اس شان کے ہوں کہ حکومت ارکان اور اکثریت کے افراد بھی ان کا  
 ساتھ کریں اور اس طرح ملک کی رائے عامہ مسلمانوں کے حق میں ہموار ہو، ہونا چاہیے کہ ہر بڑے شہر ہندوؤں  
 کلکتہ بمبئی، مدراس اور حیدرآباد میں ایک روزنامہ شائع ہو جس میں گورنمنٹ یا کنگز، ملوں نہ ہو تو مذہب  
 دینی اور کلکتہ سے تو ایک ایک روزنامہ یا اسٹیشن کی طرح ایک ہی اخبار کے دو ڈیپن شائع کرنے کا بندوبست ہے  
 اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کی تعداد میں حالت بہت کم روزناموں کی ہیں جو کچھ ہے  
 اکثریت کے غلبہ اور روزنامہ کے فضل و کرم میں بے بسی سے منہوں نہ موجود ہیں کہ ان میں  
 سے بعض بڑے خود ایک روزنامہ کھانے کو بھیج سکیں تو صدقہ و خیرت کرنے کا فی سوا نہیں ہر مذہب گر

اس کو ہوش و گوش سے چایا جائے اور اس کا انتظام تجربہ کار ہاتھوں میں ہو تو کوئی وجہ نہیں ہو کہ وہ ایک مفید اور نفع بخش کاروبار ثابت نہ ہو بڑی پانہ ملکوں میں اجازت مکان خود ایک مستقل کاروباری شعبہ ہو اور لوگ اس سے ہزاروں لاکھوں روپیہ کما رہے ہیں۔ اگر شخصی طور پر اس کام کو انجام دینے کی صورت پیدا نہ ہو تو پھر یہ تو بہت ہی آسان ہے کہ ایک لمیٹڈ کمپنی قائم کی جائے اور وہ قوم کا ایک اہم ترین فریضہ ادا کرے۔

بعض حضرات کے سامنے جب اس ضرورت کا ذکر آتا ہے تو وہ حجتہ علمائے ہند کے ہفتہ وار اخبار مسیح اور اس کی بری طرح ہانپا کی کا ذکر کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسیح کی ہانپا کے اسباب طبی ہیں۔ اس میں اس بات کا دخل تو ہو سکتا ہے کہ وہ جمیتہ علماء کا اخبار تھا اور اس لئے وہ کاروباری طور پر وہ سب طریقے اختیار نہیں کر سکتا تھا جو دوسرے اخبارات کرتے اور کر سکتے ہیں لیکن اس کی ہانپا میں اس بات کا دخل ہرگز نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کا ترجمان تھا۔ پھر اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اس کا انتظام ان حضرات کے ہاتھ میں تھا جو آخری زری اخبار اور ان کے کاروباری معاملات و مسائل کا کچھ زیادہ تجربہ نہیں رکھتے تھے۔

کس قدر حسرت و افسوس کی بات ہے کہ آج ملک کو آزاد ہوئے بارہ برس ہو گئے اس مدت میں دوسرے فرقے کہاں سے کہاں پہنچ گئے لیکن مسلمانوں میں اب تک اپنی ٹی تنظیم اور اس کے مقاصد و وزارت کا اجتماعی شعور و احساس بھی پیدا نہیں ہوا ہر ن میں متبول بھی ہیں اور پرچوش و مخلص کارکن بھی جو اپنے اپنے دوق کے مطابق مختلف شعبوں میں کام کر رہے ہیں لیکن ان کے سامنے کوئی ٹی پلان (Community Project) نہیں ہے اور اسی بنا پر بہت سے ضروری کام جو کرنے کے ہیں ان کی طرف بالکل توجہ نہیں ہے اور جو کام ہو رہے ہیں ان میں ہم آہنگی اور یکسانیت نہیں ہے ہر گروہ اپنی اپنی ذیلی اور اپنا اپنا راگ لئے مٹھا ہے اور دوسروں کے ساتھ اشتراک تعاون کی ضرورت محسوس نہیں کرتا یہ انداز فکر اور عمل و کردار میں تہمت اور ملی و قومی مسائل کے ہمہ جہتی احساس کا فقدان ملک کے آئندہ نقشہ میں ان کے مستقبل کی طرف سے مایوسی کا سخت ناگوار اعلان ہے۔

آج ۱۱ اگست کو جب کہ پوائنڈ آف آزادی کی یاد ہویں سالگرہ کا جشن منا رہا ہے ہم چاہتے ہیں کہ مسلمان چند لمحوں کے لئے سرگرمیاں ہو کر رہیں کہ وہ خود کیا ہیں؟ انھوں نے اب تک اپنی حالت کو بہتر بنانے کے لئے کیا کیا کیا ہے؟ اور انھیں کیا کرنا چاہیئے۔





ابن علی ایامستی من السیانیة الی القضا<sup>۱</sup> کیا کرتا ہے۔

نورسی سے نیز سیدی نسطری سے ترجمہ کر نیوالوں کا اس نے اسماء النقلة من الفارسی الی العربی<sup>۲</sup> اور نقلۃ الہند والنبط<sup>۳</sup> کے عنوان سے نسخہ ذکر کیا ہے۔ لہذا "اسماء النقلة من اللغات الی اللسان العربی<sup>۴</sup>" کے عنوان کے تحت "اصطغفین القدیمة" سے لیکر "بایسل" تک اور "حنین" سے لیکر "تطلیسی" تک جن مترجمین کے نام ثبت کئے ہیں وہ سریانی وغیرہ کے علاوہ ریاضی اور فلکی یونانی بھی جانتے تھے ورنہ بیچ میں محض سریانی جانتے والوں کے سریانی جاننے کی تصریح کیا ہوتی۔

پھر ن مترجمین میں سے بعض کے متعلق تو وہ تصریح بھی کرتا ہے کہ یونانی کے جدید علم تھے۔ مثلاً قسطابن یوقا کے بارے میں لکھتا ہے

قسطابن یوقا البعلکی جید العقل فہم باللسان الیونانی والسیانی والعربی<sup>۵</sup> قسطابن یوقا بعلکی بہت ہی اچھا مترجم ہے۔ یونانی، سریانی اور عربی زبانوں کا فصیح ہے۔

گئے ہیں رقیست بن یوقا کے ذکر میں کہتا ہے۔ وہو قسطابن یوقا بعلکی۔ بارعاً فی علوم کثیرۃ۔ فصیحاً باللغة یونانیۃ<sup>۶</sup> اس کا نام قسطابن یوقا بعلکی ہے۔ بہت سے عربی میں کہاں رکھا ہے۔ یونانی زبان کا فصیح و ادیب ہے۔

سی طرح حنین بن اسحق کے متعلق لکھتا ہے:-

حنین بن اسحق لعیادی... خنیں بن اسحق عبادی... یونانی، سریانی، فصیحاً باللغة ایونانیة والسیانیة اور عربی زبانوں کا فصیح و ادیب ہے۔ قدیم کتابوں کی تلاش میں بہت سے شہروں میں گھومے۔

الکتب القدیمة ودخولہ فی جمع... ایک آدم بھی گیا تھا۔ زیادہ تر ترجمے نبی موسیٰ



والکثر نقولہ لبعی موسیٰؑ

کے واسطے گئے۔

اسی طرح اس کے بیٹے اسحق بن حنین کے بارے میں لکھا ہے :-

ابو یعقوب اسحق بن حنین فی بخارا بید

ابو یعقوب اسحاق بن حنین فضل و کمال اور یونانی

فی الفضل و صحۃ النقل من اللغۃ

اور سریانی سے عربی میں صحیح ترجمہ کرنے کے ساتھ

الیونانیۃ و السامانیۃ الی العربیۃؑ

میں اپنے اپنے کے نقش قدم پر ہے۔

اسی طرح ابن القفطی حنین بن اسحاق کے ذکر میں لکھا ہے :-

حنین بن اسحاق الطیب النصارا فی

یہ فی طیب حنین بن اسحاق .... حکمت کی

... تعد فی جملة المترجمین للکتاب

کتابوں کا سریانی اور عربی میں ترجمہ کرنے والوں

الحکمة و استقر اجہا الی السامانیۃ

میں محسوب ہوتا تھا۔ وہ یونانی زبان کا فیض

والی العربی و کان فیضاً فی اللسان

اور عربی زبان کا ادیب تھا۔

الیونانی و فی اللسان العربیؑ

ابن القفطی اُس کی یونانی و فارسی کے بارے میں مزید لکھا ہے :-

و تعلم لسان الیونانیۃ باصفہ و کان

اُس نے براہِ راست یونانی زبان سیکھی اور اس کے

جایلا فی ترجمۃؑ

ترجمہ میں تہذیب رکھتا تھا۔

وہ یہ بھی لکھا ہے کہ حنین نے باہر جا کر یونانی زبان کے علم سے یونانی زبان سیکھی تھی اور

اُس میں اتقان و احکام بہم پہنچایا تھا :-

و دخل حنین الی بلاد الروم لاجل

حنین حکمت کی کتابوں کی تلاش میں روم

تحصیل کتب الحکمة و توصل فی

کے شہروں میں گیا اور کتابوں کے

تحصیلاً غایۃ امکانہ و احکم

حصوں میں انتہائی کوشش کی جب وہ

الیونانیۃ عند دخیلہ اخی تلک الجہات

اس نوح میں داخل ہو تو اُس نے یونانی

سہ اہمیت نہ تھی ایفہ شام نہ بخارا بخارا کہ تہذیب کے ایفہ شام

وحصل نفائس هذا العلم وعاد  
يا محمد بن موسى ابن شاكر ورجو  
في نقل من اللسان اليوناني  
الى العربي<sup>۵۴</sup>

زبان میں احکام و اتقان بہم پہنچا یا اور اس  
علم کے جواہر پاروں کو حاصل کیا اور لوٹ کر  
بنو موسیٰ بن شاكر کے ساتھ رہا۔ انھوں نے  
اسے یونانی سے عربی میں ترجمہ کرنے کی ترغیب دی

اسی طرح وہ اُس کے بیٹے اسحاق کی یونانی دانی کے بارے میں لکھتا ہے:-

اسحق بن حنیہ ابن اسحق ... فی  
منزلة ابیه فی الفصل وصحة النقل  
من اللغة اليونانية والسیانیة<sup>۵۵</sup>

اسحاق بن حنین بن اسحق ... نقل دکان  
اور یونانی و سریانی سے صحیح ترجمہ کرنے کے  
باب میں وہی مرتبہ سانی رکھتا ہے جو  
اس کے باپ کا تھا۔

اسی طرح وہ قسطنطین ثوراک کے متعلق لکھتا ہے:-

قسطن بن ثوراک البعلکی ... دخل  
الى بلاد الروم وحصل من تصانیفهم  
الکثیر وعاد الى الشام واستدعى  
الى العراق لیترجم کتبا ویستخرجها  
من لسان یونانی الى لسان العرب  
وعاصر یعقوب بن اسحق الکندی<sup>۵۶</sup>

قسطن بن ثوراک بعلکی ... روم کے شہروں  
میں گیا اور ان کی بہت سی تصانیف حاصل  
کیں پھر شام میں واپس آیا وہاں سے عراق  
بلا یا گیا تاکہ یونانی زبان سے عربی میں کتابوں  
کا ترجمہ کرے۔ وہ یعقوب بن اسحاق الکندی  
کا ہم عصر تھا۔

اسی عہد کا ایک اور مترجم حبیش بن الحسن الاعسم تھا جو حنین کے شاگردوں میں تھا۔ ابن<sup>۵۷</sup>  
لکھتا ہے کہ وہ بھی یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔

حبیش بن الحسن الاعسم ...  
احد تلامیذ حنین والناقلین

حبیش بن الحسن الاعسم ... حنین کے شاگرد  
میں تھے تلامذہ ان لوگوں میں تھا جو یونانی اور سریانی

من الیونانی والسیانی الی العربی  
وکان حنین یقدمہ ویعظمہ ویصفہ  
ویرضی نقلہ وقیل من جملة سعادتہ  
حنین حجة حیث لہ فان اکثر ما  
نقلہ حیث نسب الی حنینؑ  
سے عربی میں ترجمہ کیا کرتے تھے حنین اُس کی  
بڑی عزت کرتا تھا۔ تعریف کرتا تھا اُس کے  
ترجہوں کو پسند کرتا تھا اور اُسے اور میں یہ  
ترجیح دیتا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حنین کی خوش  
نہمی کہ حیث اُس کی صحبت میں رہتا تھا کیونکہ  
بہت سی کتابیں جنہیں حیث نے ترجمہ کیا تھا  
حنین سے منسوب ہو گئیں۔

آگے چل کر اُس کی تصانیف کے ذکر میں کہتا ہے:-

و بحیث ہذا من التانیف سوی  
ما اخرجہ من الیونانی الی العربیؑ  
اس حیث کی تصانیف میں، سوائے ان کتابوں  
کے جن کا اُس نے یونانی سے عربی میں ترجمہ  
کیا تھا (حسب ذیل میں)

حنین کا ایک اور شاگرد عیسیٰ بن یحییٰ بھی یونانی سے ہر وہ راست عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔  
ابن النقیلی لکھتا ہے:-

عیسیٰ بن یحییٰ بن ابراہیم حنین کے شاگردوں  
میں سے تھا اور یونانی سے عربی میں عمدہ قسم  
کا ترجمہ کرنے والوں میں سے تھا۔  
عیسیٰ بن یحییٰ بن ابراہیم من  
تلامیذ حنین واناقلی المجیدین  
من الیونانی الی العربیؑ

لیکن یونانی جانتے والے مترجمین کی یونانی دانی کا تذکرہ زیادہ وضاحت کے ساتھ ابن ابی  
اصیبعہ نے لکھا ہے۔ وہ حنین کے متعلق کہتا ہے کہ وہ یونانی سے طب پڑھتا تھا ایک دن یوحنا نے  
اُسے طعنہ دیا جس سے برا مان کر وہ نکل کھڑا ہوا اور سب سے پہلے اسکندریہ چکر لگا کر یونانی علوم کا  
گہوارہ تھا یونانی زبان سیکھی۔



وَتَعْلَمُ لِسَانَ الْيُونَانِيِّينَ بِالْاِسْكَدَرِيَّةِ  
وَكَانَ جَلِيلًا فِي تَرْجُمَةٍ وَهُوَ الَّذِي  
اَوْضَحَ مَعَانِيَ كُتُبِ الْبَقَرَاطِ وَالْيُوسِ  
وَلِخَصِّهَا احْسَنَ تَلْخِيصٍ وَكَشَفَ مَا  
اسْتَفْلَقَ مِنْهَا وَاَوْضَحَ مُشْكَلَاتَهَا<sup>۱</sup>  
اُس نے اسکندریہ جا کر یونانیوں کی زبان سیکھی۔  
وہ اُس کے ترجمہ میں بڑا اونچی مقام رکھتا تھا۔  
اُسی نے بقراط اور جالیوس کی کتابوں کے  
معانی و مطلب کی وضاحت کی اور اُن کی  
کتابوں کا بڑی خوبی سے اختصار کیا۔ اُن کے  
منہات کو کھول کر بیان کیا اور اُن کی  
مشکلات کو واضح کیا۔

حنین نے یونانی میں وہ کمال ہم پنی یا کہ جبریل بن نجیشوع اُس کی یونانی دانی سے متاثر  
ہو کر اسے "استاد" قرار بن کے لقب سے یاد کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اگر حنین زندہ رہا تو سر جس  
ر اس عینی بھی جو یونانی سے سریانی میں ترجمہ کرنے والوں کا گل سرسبد ہے اُس کے سامنے  
ماند ہو کر رہ جائے گا۔

قَوْلُ اللَّهِ لَنْ مَدْلَه فِي الْعَصْرِ لِيَفْضَحْنَ  
سِرَّ جَسْ - وَسِرَّ جَسْ هَذَا الَّذِي  
ذَكَرَهُ جَبْرِئِيلُ هُوَ الرَّاسُ عَيْنِي  
وَهُوَ اَوَّلُ مَنْ نَقَلَ شَيْئًا مِنْ عِلْمِ اَبْرَهَمَ  
اِلَى اللِّسَانِ السَّرْيَانِي - وَيَفْضَحْنَ  
غَيْرَكَ مِنَ الْمُتَرْجِمِينَ<sup>۲</sup>  
مہ اکی قسم، ر اس کی عمر ہوئی تو یہ سر جس کو  
بھی مات کر دے گا۔ اور جس سر جس کا جبریل  
نے ذکر کیا تھا وہ ر اس عینی کا رہنے والا  
تھا اور اس نے سب سے پہلے رومیوں کے  
علوم کو سریانی میں ترجمہ کیا تھا۔ اور  
سر جس کے علاوہ دوسرے ترجمین کو بھی  
ات کر دے گا۔

یوسف بن ابراہیم جو اس واقعہ کا راوی ہے کہتا ہے کہ جب جبریل بن نجیشوع نے حنین  
کی تعریف کی تو اُس نے مجھ سے کہا کہ یہ لو میں نے یونانی صرف و نحو کے ایک مبحث "فاعلات"

۱۔ طبقات الاطباء بن صبیحہ ص ۱۷۱ ۲۔ ایضاً ص ۱۷۱۔

پر رسالہ لکھا ہے جسے ابھی جبرئیل تک کو نہیں دکھایا اسے پہچا کر ذرا یوحنا کو دکھانا اور جب وہ تعریف کرنے لگے تو بتانا کہ چینین کی تصنیف ہے چنانچہ وہ اسے لیکر یوحنا کے پاس پہنچا اور جب یوحنا کو یہ حال معلوم ہوا تو غدر مذرت کے بعد چینین کو پھر بلا لیا :-

فَلَمَّا قَرَأَ يوحنا مَلِكُ الْفُصُولِ وَهِيَ  
الَّتِي تَسْمِيهَا الْيُونَانِيُونَ الْفَاعِلَاتِ  
كَثَرَتْ جِدَّةً وَقَالَ اَتْرَى الْمَسِيحَ اَوْحَى  
فِي دَهْرٍ مَاهَذَا اِلَى اَحَدٍ فَقُلْتُ  
لَهُ فِي جَوَابٍ قَوْلَهُ مَا اَوْحَى فِي هَذَا  
الَّذِي هُوَ وَلَا فِي غَيْرِهِ اِلَى اَحَدٍ  
وَلَا كَانِ الْمَسِيحُ اِلَّا اَحَدٌ مِنْ يَوْحَى  
اِلَيْهِ فَقَالَ لِي دَعْنِي مِنْ هَذَا الْقَوْلِ  
لَيْسَ هَذَا الْاَخْرَاجُ اِلَّا اَخْرَاجُ  
مُؤَيَّدٍ بِرُوحِ الْقُدُسِ فَقُلْتُ لَهُ  
هَذَا الْاَخْرَاجُ حَنِينُ بْنُ اِسْمٰحَ الَّذِي  
طَرَدْتَهُ مِنْ مَمْلَكَتِكَ

پس جب یوحنا نے ان قصوں کو پڑھا جنہیں  
یونانی "فاعلات" کی بحث سے موسوم کرتے  
تھے تو اس کا حیرت و استعجاب بڑھ گیا اور  
کہنے لگا کین تمہارا خیال ہے کہ مسیح علیہ السلام  
نے ہمارے زمانہ میں کسی پر وحی بھیجی ہے تو میں  
اس کے جواب میں کہانا اس زمانہ میں کسی پر  
وحی بھیجی نہ کسی اور زمانے میں۔ در مسیح علیہ السلام  
تو صرف ان برگزیدہ انہوں میں سے تھے  
جن پر وحی بھیجی گئی۔ یوحنا کہنے لگا اچھا اب  
ان باتوں کو رہنے دیدہ صرف اسی شخص کی  
تصنیف ہے جسے روح القدس کی تائید حاصل  
ہو تو میں نے کہ یہ اس حنین بن اسمحق کی  
تصنیف ہے جسے تم نے اپنے مکان سے  
نکال دیا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

فَسَأَلْنِي التَّلَطُّفَ لِاصْلَاحِ مَا  
بَيْنَهُمَا ۝

اس کے بعد حنین نے یوحنا کے واسطے بہت سی یونانی زبان کی کتابوں کا سرکاری اور عوامی

میں ترجمہ کیا :-

وَقَدْ خَلَّفَ خَيْنٌ لَّاهِنٌ مَّاسُويَةً كَتَبَا      اور خین نے یوحنا بن ماسویہ کے واسطے بہت  
کثیرۃً وَخَصُوصًا مِنْ كِتَابِ جَالِينُوس      سی کہ ہوں کا ترجمہ کیا بالخصوص جالینوس کی  
بَعْضُهَا إِلَى اللُّغَةِ السِّرْيَانِيَّةِ وَبَعْضُهَا      کتب ہوں کا بعض کا سریانی زبان میں اور بعض  
إِلَى الْعَرَبِيَّةِ وَكَانَ خَيْنٌ أَعْلَمَ أَهْلَ      کا عربی زبان میں اور خین اپنے زمانہ کے لوگوں  
زَمَانِهِ بِاللُّغَةِ الْيُونَانِيَّةِ وَالسَّرْيَانِيَّةِ      میں سب سے زیادہ یونانی سریانی اور فارسی جاننے  
وَالْفَارْسِيَّةِ وَدَسَائِيَّةَ فِيهِمْ ۱۱      والا اور ان زبانوں میں سمجھ بوجھ رکھنے والا تھا۔

خین نے یونانی زبان میں یہ کمال مہم پہنچایا تھا کہ وہ تفریق کے وقت نہ سریانی کے اشعار گانا  
تھا نہ عربی کے بلکہ ہومر کی ایڈ اور اوڈیسیہ کے اشعار گنگنا کرتا تھا جو یونانی ادبیاتِ عالیہ کے شاہکار  
ہیں۔ یوسف بن ابراہیم نے جب اُسے، بن الحنفی کے مکان پر دیکھا تھا تو وہ ہومر کے اشعار  
پڑھ رہا تھا۔

”اذ بصوت بانسان له شعرته...      بکا یک میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے لیے  
... وهو يتعبد رومينشد شعرًا      لیے بال تھے... وہ ٹہل رہا تھا اور یونانی  
بالرومية كلاميوس رئيس شعراء      زبان میں ہومر کے اشعار گنگ رہا تھا جو یونانی  
الروم فثبتت نفسته بنعمة خين      شعر کا گل سرسبد ہے اس کا ترنم خین کے  
فهمت بخين فاستجاب لي ۱۲      ترنم سے متا تھا تو میں نے خین کہہ کر آواز  
دی اور اُس نے جواب دیا۔

یہی نہیں بلکہ خین نے یونانی گرامر کا ایک کتاب لکھی تھی جس کا، ابن الندیم، بن الحنفی اور  
ابن ابی اصیبعہ بھی نے ذکر کیا ہے یعنی

”کتاب احکام الاعراب عنی مذهب اليونانيين“

لہ بقاۃ الاطباء لابن ابی اصیبعہ جلد اول ص ۱۷۱ ایضاً ص ۱۷۱۔



غالباً مبحث ”فاعلات“ جسے حنین نے یوحنا کے پاس یوسف بن ابراہیم کے ہاتھ بھیجا تھا اس کا ایک جزو تھا۔ بہر حال یوحنا کی تحسین و ستائش سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی معمولی کتاب نہیں تھی جسے ہر یونانیوں لکھ سکے بلکہ ایک ایسے عبقری کی تصنیف تھی جسے یونانی گرامر کی جزئیات پر علی وجہ الکمال بصیرت حاصل تھی۔ پھر حنین نے یہ کتاب محض اظہارِ قابلیت کے لئے نہیں لکھی تھی بلکہ مترجمین اور دیگر تعلیم یافتہ حضرات کو یونانی زبان سیکھنے کے لئے ایک یونانی گرامر درکار تھی اور حنین نے اس ضرورت کو پورا کیا۔ باغیظ دیکھیں اس زمانہ میں یونانی جاننے والے اور سیکھنے والے اہل علم کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔

اسی طرح اسحاق بن حنین کے بارہ سین ابن ابی اُصیبہ لکھتا ہے:-

اسحاق بن حنین.....	اسحاق بن حنین.....
بکال ملحق	بکال ملحق
بابیہ فی النقل و فی معرفتہ	بابیہ فی النقل و فی معرفتہ
باللغات و فصاحتہ فیما لا ان	باللغات و فصاحتہ فیما لا ان
نقلہ للکتب الطبیۃ قلیل جداً	نقلہ للکتب الطبیۃ قلیل جداً
بأنسبۃ الی ما یوجد من کثر لا نقلہ	بأنسبۃ الی ما یوجد من کثر لا نقلہ
من کتب اساطوط الیس فی الحکمۃ	من کتب اساطوط الیس فی الحکمۃ
و مشاوحہا الی لغۃ العرب علی	و مشاوحہا الی لغۃ العرب علی

اسی طرح قسطا بن یوحنا کے متعلق ابن ابی اُصیبہ لکھتا ہے:-

”و نقل قسطا کتباً کثیرۃ من	اور قسطا نے یونانیوں کی بہت سی کتابوں کو
کتب الیونانیین الی اللغۃ العربیۃ	عربی زبان میں ترجمہ کیا وہ بہت عمدہ مترجم
و کان حیل اسفل فیما بالاسان	تھا یونانی سمراٹھی اور عربی کا فصیح ادیب نہ
الیونانی و السیانی و العربی	اور اُس نے بہت سے ایسے ترجموں کی اصلاح

واصلح نقولہ کثیرا واصلح یونانی<sup>۱</sup> کی جن کی اصل یونانی تھی۔  
 قسطنطین یونانیوں کے مذہب کے متعلق بھی ایک مستقل کتاب ”کتاب شرح مذہب الیونانیین“  
 لکھی تھی۔

ابن ابی اسید نے یونانی سے براہ راست عربی میں ترجمہ کرنے والوں کے ضمن میں ”نظیف النفس  
 الرومی“ کے نام کی بھی تصریح کی ہے:-

نظیف النفس الرومی کا ترجمہ كَالْفَا  
 وَكَانَ يُنْقَلُ مِنْ اَيُّونَانِي اِلَى الْعَرَبِيَّةِ<sup>۲</sup>  
 نظیف جو رومی پارسی تھا، بہت سی زبانیں  
 جانتا تھا اور یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔

ابن النقطی نے لکھا ہے کہ نظیف، یوحنا النفس دونوں نے یونانی زبان میں اقلیدس کا  
 ایک منفرد نسخہ دیکھا تھا:-

وَذَكَرَ يوحنا النفس اسے راسی الشكل  
 الدائري اذ عاكا ثابت في المقالة الاولى  
 ونعم ان له في اليوناني وذكرا  
 نظيف اسے اس کا ایسا<sup>۳</sup>  
 تیس یوحنا نے ذکر کیا ہے کہ اس نے وہ شکل  
 دیکھی تھی جس کے تحت ثابت بن فروہ نے دعویٰ کیا  
 ہے کہ وہ اقلیدس کے مقالہ ادنیٰ میں ہے اور  
 گمان کیا کہ اس کی اصل یونانی میں موجود ہے  
 اور نظیف نے ذکر کیا ہے کہ اُس نے اُسے وہ

شکل دیکھا ہی تھی۔

ابن بزم بھی کتاب الفہرست میں لکھتا ہے کہ یوحنا النفس یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا:-

”یوحنا النفس بمن كان يقو  
 عليه كتاب اقلیدس وغيره من  
 كتب الهندسة وله نقل من اليوناني  
 وكان فاضلاً<sup>۴</sup>  
 یوحنا پارسی... ان لوگوں میں سے تھا  
 جن سے طالب علم اقلیدس وغیرہ ہندسہ  
 کی کتابیں پڑھنے میں اُس نے یونانی سے ترجمہ  
 کیا اور اپنے عہد کا فاضل تھا

۱۔ طبعات و جداول و احیاء عددان ۲۳۸ ۲۔ ابن بزم الفہرست ۳۹۳ ۳۔ ابن بزم الفہرست ۳۹۳

یہاں ایک دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا مترجمین عہد اسلام میں یونانی جانتے والے صرف عیسائی ہی تھے یا مسلمان بھی تھے۔ اس کے جواب کے لئے ہمیں تاریخ کا امانِ نظر سے مطالعہ کرنا ہوگا۔ اس کے بعد معلوم ہوگا کہ مسلمان بھی یونانی جانتے تھے بلکہ علومِ حکیمہ میں تبحر کے لئے حتیٰ کہ تحقیقِ ذہنی کے لئے یونانی جانا ضروری تھا۔ اس مؤخر الذکر امر کی تائید میں ہیں ابنِ الحنفی کا واقعہ طلبہ جو ہارون الرشید کی ایک کنیز خرسی کا بھانجا تھا خرسی نے اپنی بہن کی شادی ہارون کی اجازت کے بغیر کر دی تھی۔ جب ہارون کو معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوا اور اس کے اہلکار سے سلام الدہریش نے خرسی کی بہن کے شوہر کو خسی کر دیا مگر خرسی کی بہن کو اس سے پہلے ہی حمل رہ چکا تھا اور کچھ دنوں میں اُس کے لڑکا راسحاق بن الحنفی پیدا ہوا۔ ہارون طوس کے سفر پر گیا جہاں اُس نے وفات پائی۔ ابنِ الحنفی کو خرسی نے گود لے لیا اور اُسے دیگر علوم کے ساتھ یونانی، دابِ نیز یونانی زبان کی تعلیم دلائی۔ ابنِ ابی اصیبعہ لکھتا ہے :-

”قُبِنتُ خَرْشَى ذَلَّتِ الْفَلَاحُ  
وَادْبَتَهُ بِأَدَابِ رُومٍ وَقَرَأَتْ  
كُتُبَهُمْ فَتَعَلَّمَ اللُّغَةَ الْيُونَانِيَّةَ  
بِسُورِ خَرْشَى نَعَتْ تَعْلَمُ كَرِيماً  
وَرُومِیوں کے آداب کی تعلیم دی اور اُن کی  
کتابوں کی تعلیم دی پس اُس نے راسحق بن  
حنفی نے یونانی زبان سیکھی۔“

غرض یہ اُس زمانہ کا شرعی تعلیم تھا۔ کندی بھی ایک امیرِ کبیر کا بیٹا تھا ظاہر ہے اور امرا کے بیٹوں کی طرح اُس کی بھی تعلیم ہوئی ہوگی۔ ابنِ ابی اصیبعہ ابنِ حبیل سے نقل کرتا ہے :-

”ان یعقوب بن اسحق الکندی  
شريف الاصل بصرى كان جديداً  
ولى الولايات لمنيها مشهور  
البصرة وضيعته هائله واضل  
يعقوب بن اسحاق الكندي شريف فاضل  
بكره وراى اُس كود وبن شريك جاكرو  
كوتنوں تھے اور ہر سے میں رہتا تھا اور وہیں  
اُس کی جائزہ بھی کندی نہ وفتش ہوگئی تھی

نہ جنتِ اجارہ ابنِ ابی اصیبعہ بغدادی



الی بغداد و هناك ما د ب و كان  
 عالماً بالطب و الفلسفة و علم الحساب  
 و المنطق و تأليف اللغون و البند  
 و طباً و الاعداد و علم النجوم و لحد  
 یکن فی الاشیاء فیلسوف غایہ...  
 ... و توجه من کتب الفلسفة الکثیرة  
 وہیں آتے ادب کی تعلیم ملی اور وہ طب، فلسفہ،  
 علم الحساب، منطق، موسیقی، ہندسہ، نظریہ  
 اعداد اور علم نجوم کا عالم تھا۔ اس کے سوا  
 مسلمانوں میں کوئی فلسفی نہیں ہوا...  
 اس نے فلسفہ کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ  
 کیا۔

اور چونکہ زنت کے مرد بہ طریق تعلیم میں یونانی کی تعلیم بھی نہ تھی لہذا کندی نے یونانی بھی سیکھی  
 ہوگی جس کا ثبوت ان متعدد کتابوں کے ترجمہ یا تالیف سے ملتا ہے جو اس نے ریاضی و ہندسہ میں لکھیں  
 اور جن کی اصل سریانی میں نہیں تھی ورنہ سریانی میں اس سے پہلے ان کا ترجمہ ہوا تھا۔ مثلاً  
 ۱۔ رسالہ فی اصلاح کتب اقلیدس و جو یقیناً یونانی سے عربی میں قیدس کے ترجمہ کی اصلاح  
 تھی۔ اسی طرح

۲۔ رسالہ فی اصلاح المقالة الربعة عشر والخامسة عشر من کتاب اقلیدس۔

۳۔ رسالہ فی المعطیات و جو یقیناً قیدس کی یونانی کتاب DATA کا ترجمہ یا آزاد

ترجمہ تھا

۴۔ رسالہ فی ظاہریات الفلک، جو اسی طرح اقلیدس کی یونانی کتاب PHENOMENON

ENAK کا ترجمہ یا آزاد ترجمہ تھا

۵۔ رسالہ فی المساکن و جو اسی طرح ثابوذوریدس کی یونانی کتاب ON HABIT

ACTION کا ترجمہ یا آزاد ترجمہ تھا۔

۶۔ رسالہ فی ابنہ احمد فی اختلاف من وضع المساکن من کثرة الارض و ہذہ الرسالہ تشرح فیہا

کتاب المساکن فی ثابوذوریدس

۱۔ بلغات العربیہ ابن ابی اصیبعہ ص ۱۰۷

۷۔ رسالہ فی تصحیح قول ابقلاؤس فی السلاخ رجوع ابقلاؤس کی یونانی کتاب السلاخ کی (اصلاح تھی)

۸۔ رسالہ فی ضاعہ بطلمیوس الفلکیہ۔

۹۔ رسالہ فی الابانہ عن قول بطلمیوس فی اول کتاب فی الجہت عن قول ارسطو طالیس فی انالوطیقا وغیرہ وغیرہ۔

اگر میرے قلم سے کیا جائے تو اد بھی مسلمان فضلاء کہ جن میں گئے جو یونانی میں ونگاہ عالی رکھتے تھے میں ان مسلمان ہاکہوں کا نام نظر انداز کر رہا ہوں جو یونانی علوم و علوم الاول میں بہت پایہ ساری رکھتے تھے کیونکہ ان کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ یونانی انکار سے بڑی یا سریانی ترجمہ کی وساطت سے واقف ہوں گے۔ بہر حال صدر اسلام میں یونانی جاننے والے فضلاء کثیر تعداد میں موجود تھے بلکہ بعض علم دوست امراء تو صرف یونانی کتابوں ہی کے ترجمے کرتے تھے۔ ان میں سے مشہور بنو موسیٰ کان ندان تھا جو خود بھی ریاضی و ہندسہ میں مدیم، القریں و فقیہ المثل تھا۔ وہ ریاضی و ہندسہ کی کتابوں کا یونانی سے خاص طور پر ترجمہ کرتا تھا۔ انھوں نے ہاں بن ابی ہاں الخوصی اور ابن بن فرہ سے ابقلاؤس کی کتاب الخروطات کا عربی میں ترجمہ کرایا یہ بھی واضح رہے کہ کتاب الخروطات کا ترجمہ بنو موسیٰ ہی کی نگرانی میں ہوا نہ ہر ہے کہ اگر وہ خود یونانی زبان سے واقف نہ ہوں گے تو اس عظیم الشان ترجمہ کی نگرانی کے فرائض کس طرح ادا کر سکتے ہوں گے۔ وہ خود یونانی زبان، ورفن خروطات سے واقف تھے جس کا ثبوت ان کا مقدمہ ہے جو انھوں نے کتاب الخروطات پر لکھا نیز شکل بنی موسیٰ جو خروطات میں مشہور ہے اور جس پر آگے چل کر بن البشیر نے تبصرہ لکھی۔

دوسرا مشہور علم دوست برہان بن محمد بن موسیٰ ابن تبت کہ جسے یونانی سے عربی میں ترجمہ کرانے کا شوق تھا۔ بن ابی اصیبعہ لکھتا ہے :-

"ابراہیم بن محمد بن موسیٰ، الکاتب  
وکان حریصاً علی نقل کتب یونانیہ  
ابراہیم بن محمد بن موسیٰ کا نائب، اُسے عربی زبان  
میں یونانی کتابوں کا ترجمہ کرنے کا بہت شوق تھا۔"

انی لعنہ العرب و مشتعلہ علی اہل العلم  
والفضل و علی النقلہ الخاصۃ علیہ  
زیادہ شوق تھا۔ اہل علم پر بہت زیادہ نوازش  
کرتا تھا۔ خاص طور سے مترجمین پر۔

اسی طرح محمد بن عبد الملک الزیات نے مشاہیر مترجمین سے یونانی زبان کی کتابیں عربی میں  
ترجمہ کرائیں۔ ابن ابی اصیبعہ لکھتا ہے ۔

محمد بن عبد الملک الزیات - مترجمین اور  
کاتبوں پر اُس کی بابت بخشش کا اوسط و نہر  
تھا۔ اُس کے ہر سے بہت سی کتابیں ترجمہ  
ہوئیں۔ روزِ موت ہوئیں اور ان لوگوں میں  
سے تھ جن کے واسطے یونانی زبان کی کتابیں  
ترجمہ ہوئیں۔ اُس کے ہر سے مشہور اخبار  
مشہور تھ بن ماسویہ ۔ غیر ان کے کتابیں ترجمہ  
و ترجمت باسمہ جماعة من کبار  
الاطباء مثل یوحنا ماسویہ ۔

یہ تیسری صدی کے کابر فہرست کا تذکرہ ہے جو یونانی زبان میں ہنگامہ عالی رکھتے تھے لیکن اس  
کے بعد بھی یونانی جانتے کاسلمانوں میں چرچا رہا۔ خصوصاً ان پاک پوریں جو ریاضی و ہیئت سے  
دلچسپی رکھتے تھے مثلاً البتانی، عبد الرحمن بن یحییٰ، الفضل بن قسطلانی، البیرونی، ابو عبد اللہ محمد بن عیسیٰ  
الدہانی، ابو الحسن علی بن احمد السوسی، ابوسہیل یحییٰ بن یسہم، ابو الفضل احمد بن ابی سعید البردوسی  
ابو نصر منصور بن عراق، ابوریحان بیرونی، ابوریحان البیرونی نے کتاب المہند میں افلاکوں  
کی مشہور کتاب "سیمپلیم" (SIMPLIM) کے جو اقتباسات دیئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ  
اُس کے پیش نظر سیمپلیم کی یونانی اصل تھی چنانچہ کتاب المہند کے انگریزی وٹے اپنی تعلیقات میں  
ان اقتباسات کی یونانی اصل سے متعلقہ کیسے و بہت کچھ ذرا پتا ہے۔

اسی طرح نور بن ابی یونانی زبان سے چھٹی طرح واقف تھا اس کا ثبوت اس کی تصانیف کی

لہ طبعات "طبار" ابن ابی اصیبعہ جہدوں نے لکھا ہے۔



و انہی شہادتوں کے علاوہ اس بات سے بھی متاثر کہ اس سے پہلے صرف ارسطاطالیسی منطق کی پہلی تین کتابوں کا سریانی یا عربی میں ترجمہ ہوا تھا۔ ذریبی نے یوحنا بن سیدان سے "کتاب البرہان" بھی پڑھی جو یقیناً سریانی میں ترجمہ نہیں ہوئی تھی اور نہ عربی میں ترجمہ ہوئی تھی۔ ظاہر ہے یہ نسخہ یونانی ہی میں ہو گا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے اس پر اور اسی طرح ارسطاطالیسی منطق کی دوسری کتابوں پر شرح بھی لکھی جس کے لئے اس نے مواد صرف یونانی کتابوں ہی سے حاصل کیا ہو گا کیونکہ سریانی میں آخری پانچ کتابوں (ابو دینفیلد سے ابوستامک) کی شرح تو درکنار متون بھی ترجمہ نہیں ہوئے تھے۔ فارابی کی یونانی دانائی کے بارے میں ایک مصری مصنف جس محمود نقاد کا استدلال حسب ذیل ہے

"بنی فلکان کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فارابی پیاس سا ٹھنڈا نہیں جانتا تھا اس قول میں کچھ زیادہ بابائہ نہیں۔ معلوم ہوتا ہے یونانی زبان پر بھی اسے اتنی قدرت تھی کہ وہ براہ راست اس زبان کے سرخیج کامن کر لیتا تھا۔ اس کا ثبوت اس بات سے مل سکتا ہے کہ جب وہ کسی عربی راگ یا نغمہ کا ذکر کرتا ہے تو ساتھ ہی ساتھ وہ اس کے یونانی مترادف کا بھی ذکر کر دیتا ہے۔ اگر یونانی زبان پر سے غیر معمولی قدرت نہ ہوتی تو اس کاں کا مفہوم بد کرنا اس کے لئے آسان نہیں تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ یونانی زبان سے پورے طور پر واقف تھا۔"

شیخ کے متعلق تو یونانی جاننے کی کوئی تصریح نہیں لی لیکن اس کے معاصر ابو لفرج بن ایوب کے متعلق ذیل نقل نے کچھ بتا دیا ہے کہ وہ یونانی جانتا تھا۔

ابو لفرج بن ایوب بن قلیق۔ نفسی ابو لفرج بن ایوب بن قلیق۔ شیخ  
کان ایوب بن قلیق بن قلیق۔ نفسی ابو لفرج بن ایوب بن قلیق۔ شیخ  
کان ایوب بن قلیق بن قلیق۔ نفسی ابو لفرج بن ایوب بن قلیق۔ شیخ

وہ یونانی زبان میں جہاں کے ساتھ اتفاق نہیں کیا جاسکتا کہ یونانی کے ساتھ اس کا تذکرہ نہ ہو سکتا ہے۔

اب مذکورہ متون کے ذریعہ جناب سلامی ثقافت کے ساتھ اخذ و مصادروں کو درخود ملے سمجھنے کے بجائے مستشرقین کے دماغی فیصلوں پر تکیہ کر کے غلطیوں کا شکار ہو گئے۔

# سند و ہند کا ایک علمی و ثقافتی تذکرہ

(رجال السند و الهند الى القرن السابع)

(جناب مولانا ابو محفوظ اکبریم صاحب معصومی پکچر تاریخ مدرعہ الیہ کلکتہ)

(۲)

اس فہرست میں جو کامل نہیں ہے ہر ترجمہ میں سندی یا الہندی علم یا لقب کے طور پر درج طے گا اور ہم پوری ذمہ داری کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مؤلف کتاب نے ان شخصیتوں کے تعارف میں جس قدر مواد فراہم کیا ہے وہ اشخاص متعلقہ کے سندی الاصل ہونے کی صراحت سے یکسر فانی ہے۔ تراجم بال کی تدوین میں مؤلف نے مکتبہ اسلامیات کی معروف ترین کتابوں مثلاً تاریخ ہند اور انساب سمانی، حد الاویا، شذرات المذہب وغیرہ سے رجوع کیا ہے لیکن ان اشخاص میں سے کسی کو نہ مستند تذکرہ نگاروں نے سندی الاصل قرار نہیں دیا۔ حالانکہ کتب طبقات پر نظر ڈالے تو عام طریقہ ان کے مؤلفین کا یہی نظر ہے گا کہ سندھ کے واقعی اشخاص کے بارہ میں سندی نزاد ہونے کی تصریح کر دی جاتی ہے۔ اور صرف نام یا لقب کی بنا پر کسی کو سندھی قرار نہیں دیا جاتا۔ اس فہرست کے کئی افراد در تمام: ۱۹، ۸۱، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱

بن شاہل صاحب الحرس قال ابن ماکولا وکذلک سراجاء بن السندی ومن ولد ابی بکر محمد بن رانساب (۳۱۳ ر) خلاصہ یہ کہ بن شاہل اور رجا ریش پوری کے والد دونوں موسوم بہ سندی تھے ذکر منسوب بہ بلاد سند۔ بعد میں اُن کی اولاد پر سندی کا اطلاق صرف ان دونوں کے نام کی مناسبت سے ہوا چنانچہ کثرتِ جہم کے تذکرہ میں سمانی کی صراحت ہے کہ يقال له السندی کأنه من ولد السندی بن شاہل رانساب ۳۱۳ رط، ہمارے علم میں بعض مستند محققین نے رجا بن السندی کو بلاد سند سے منسوب سمجھا ہے لیکن اس کی سند انہوں نے پیش نہیں کی۔

۲۔ بحث کے دوسرے شق کے سلسلہ میں عرض ہے کہ مؤلف نے ہسل بن ذکوان المکی الواسطی کو اس کی کینت ابو سندی کی بنیاد پر رجاں السندی میں شامل کر لیا ہے، اس ایک بات کے علاوہ تذکرہ نگاروں کے یہاں اس کی سندیت کے بارے میں ضیف ترین قول بھی منقول نہیں ہے۔ پورا ترجمہ کتاب میں ملاحظہ فرمائیے (ص ۱۵۲-۵۳ نیز ص ۲۵۵) اور خود اس کو فیصدہ کیجئے کہ صرف کینت کی بنا پر سپہل کو سندھی قرار دینا کہاں تک مستحسن ہو سکتا ہے۔

مؤلف نے تین ایسے شخصوں کا تذکرہ کیا ہے جن کی کینت ابو سندی تھی۔ ان میں سے دو ذراۃ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں اور عجیب اتفاق کہ دونوں مجہوں الحی ہیں ان کے بارے میں مؤلف نے خود ہی ذہبی کا قول ”لا یعرف“ نقل کیا ہے ملاحظہ کریں رجاں السندی ۲۸۴۔ تیسرا شخص ابو لہدی لکونی شاعر درجہ السند ص ۲۸۴-۲۸۵ ہے اس کا ترجمہ ابن فضل اللہ المزی کی کتاب مسابک، البصائر سے ماخوذ ہے شاعر کے ایک قطعہ میں حسب ذیل دو شعر بھی ملتے ہیں۔

ولما حلتنا رأسه من رماله وقاض دما كالمست او غلبوا بحد

اخوقه تيميدى لنا وجه صفه كلون ساقين الجلد من ولد السند

شاعر کی کینت کے علاوہ ان دو شعروں میں غلبوا بسند اور ولد السند کے الفاظ ایسے ہیں کہ مؤلف نے ان سے شاعر کے ہندی راجس ہونے پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ ترجمہ کے اخیر میں مؤلف کے الفاظ ہیں: ”كان الهندي من الشعراء المجيدين المشهورين“



یا تہ بنی کور و طنہ و صفاتہ فی شعرہ و کان من القدماء و رجال الشدہ (۲۸) ہیں  
افسوس ہے کہ ابوالہندی کا شمار رجال سند و ہند کے زمرہ میں نہایت کمزور و کمزور میں  
ہو سکتا حقیقت یہ ہے کہ ابوالہندی کا شعر عرب تھا اگرچہ اس کی زندگی تمام تر خراسان و ہجستان  
میں بسر ہوئی اور خود اپنے وطن میں اس کی حیثیت غریب الدیار کی رہی۔ و غریبات کے مشہور شعراء  
الخیخ، ابوہنن، ابوہناتس، وغیرہ کا پیشرو بھی گیا۔ بن قتیبہ نے اس کا تذکرہ اشعر و الشعراء میں حسب  
عادت باختیار و حسن کیا ہے۔ سندس بن شہب بن ربیع اور قبیلہ کا نام جو زید بن رباح بن  
یربوع بتایا ہے۔ ابن فضل شذیہ قبیہ: دایہ کہ جو اشعار نقل کئے ہیں اسی قصیدہ کے: و شعر بن قتیبہ  
کے یہاں بھی نقول بن راشد و شعراء اس ۲۲۲ مصرعہ۔ ابوالہندی کا منسلک تذکرہ ابوالفرج، صفہانی  
کی کتاب لغات میں ملتا ہے دیکھو ص ۱۶۰-۱۸۰، صفہانی اس کا نام غالب بن عبد القدوس  
ابن شہب بن ربیع بتاتا ہے۔ لغات کے وسیع صفحات میں اس کے شذیہ ہونے کی صراحت تو کسی  
ایسے قریب کا وجود نہیں جس کی بنا پر سندھ سے اس کا تعلق قائم ہو سکے، اس کا شمار شعراء الہند میں  
ہوتا ہے۔ عہد عباسی کے آغاز تک تہذیبیات تہذیب شرب کی ایسی خوبڑی ہوئی تھی کہ صفہانی کا بیان  
ہے: ”وانما خملہ وامات ذکرہ بعدہ من ہجرہ و مقامہ بجمستان و  
خراسان و شیعہ بالشرب و معاشرۃ اہل و فسقہ و ما کان یسلم ید من  
فساد الدین۔“ استفراخ شعر و لیسقہ اس و افرادل من صفہا من شعراء الاسلام  
فجعل صفہا و عہدہ و قصیدہ و ہذا۔ و حیدر، ص ۱۶۰، مکتبہ الہند کے قطعہ دایہ  
کے پانچ شعراء لغات میں درج ہیں گے۔ ابوالہندی ۲۲۲، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸،



شخصیت کا یہ حال ہے تو ابو الہندی کثرت رکھنے والے مجہوں الحال راویان حدیث کی مہدی یا سندی اصلیت کا یقین کس طرح کیا جائے۔

۳۔ تیسرے شق کے ماتحت ہیں کئی تراجم سے مفصل بحث کرنا ہے۔ ہم نے گذشتہ سطور میں بتایا ہے کہ دیبل السند کے دھوکہ میں مولف نے کئی ایسی شخصیتوں کو سندی سمجھ کر لکھا ہے جو دراصل دیبل رتبہ دار اہل اسے منسوب ہیں تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

والف (احمد بن محمد بن ہرون المقرئ الدیبلی الرازی البغدادی درجال السند

ص ۶۲)

مولف نے خطیب بغدادی در بن الجزری کے اقتباسات درج کئے ہیں خطیب اور ابن الجزری الدیبلی کی نسبت کو ضبط نہیں کرتے تحقیق سے پتہ چلا کہ اس کا صحیح ضبط دیبل رتبہ دار اہل الموحدہ ہے یعنی صاف ترجمہ دیبل السند کے بجائے دیبل الرملہ سے منسوب ہیں چنانچہ فیروز آبادی اسی احمد ابن محمد بن ہرون کو دیبل الرملہ سے منسوب کرتے ہیں (۱۰۷۵، دیبل) اور مرضی زبیدی اس کی توثیق میں یہ الفاظ بحوالہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:۔ الرازی، الدیبلی المقرئ الحسبانی قال الخطیب مات سنۃ ۳۷۰ (ذات القعدة ۳، ۳۱۷) اس صراحت کے بعد خطیب کے احمد بن محمد بن ہرون المقرئ الدیبلی (۱۰۷۵، الرازی) بوجہ الجزری، رجال سند والہندی کے بلغات میں بالکل اجنبی کی حیثیت رکھتے ہیں فیصلہ خود مولف کو کرنا چاہیے لیکن وہ اس غلط فہمی میں تنہا مبتلا نہیں ہیں ان سے پیشتر ایک اور صاحب تحقیق سے بھی غلطی ہو چکی ہے (دیکھو: *Analysis and Contribution to the study of Hadith Literature*, P. 35, Dacca 1955-

اب / شعیب بن محمد، ابوالقاسم الدیبلی المصری درجال السند ص ۱۵۷)

بظاہر اس ترجمہ کی ذمہ داری مولف پر نہیں ہے البتہ انھوں نے با تحقیق سمعانی کے بیان پر اعتماد کر کے غلطی کی ہے۔ اس شخص کا ذکر سمرانی کی کتاب الانساب میں دیبل السند کی نسبت کے تحت آیا ہے۔



۱۰۔ دیگر سمدانی سی شخص کا تذکرہ دہلی الرملہ کی نسبت کے تحت تفصیل زائد کر چکے ہیں۔ چنانچہ دہلی الرملہ کی نسبت کے تحت ان کے الفاظ یہ ہیں :-

ابوالقاسم شعیب بن محمد بن احمد بن شعیب (رجال السند: سعید: ۹) بن زریع بن سیار و دہیل السند: موار: البزار و دہیل السند: ندر: ۱۰۰) الدیلمی البیہدی  
 ۱۱۔ معین المعروف باب ابنی قطران (الدیلمی: قطران) قدم اصبحان قال عبد اللہ بن محمد: ۱۰ حسبانی قدم شعیب بن محمد اصبحان سنۃ خمس وثلاثمائة وانا عہ  
 ۱۲۔ ابن جریر عن ابی شہیر: انہما بن المرزبان المقرئ (الانساب: ۲۲۲) (ب)  
 سمدانی کے ہر دو مقاموں کے مندرجہ بیان کا معروضی مطالعہ کیجئے تو دونوں نسبتوں کے تحت یہی شخص کا تذکرہ نظر آئے گا جس فرق کے ساتھ کہ دہلی و دہیل الرملہ کے تحت جو تفصیل ہے وہ دہلی و دہیل السند کے تحت حذف کر دی گئی ہے دونوں جگہوں پر کتابت کی کچھ تصحیفات ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کی نسبت میں سمدانی کو شبہ ہو گیا تھا جس کا رد الہ بعد کے محققین سے مراد کرنے پر ہوتا ہے۔ ابن زریع جس کی کتاب للباب در اصل سمدانی کی کتاب الانساب کی تہذیب و تیسرہ ہے وہ دہیل السند کی نسبت کے تحت ابوالقاسم شعیب بن محمد کا تذکرہ نہیں کرتے یہی حال یہ تو کتاب ہے اور دونوں ابوالقاسم شعیب کا ترجمہ دہیل الرملہ کے تحت درج کرتے ہیں ملاحظہ کریں  
 الباب جلد ۱ ص ۲۳۱ معجم البلدان ۲/ ۵۴۹ مشتبہ نسبتوں کی تحقیق کے معروضی ملاحظہ دار حافظ عبد نفی الارزوقی رم ۲۹۹ باب الیربلی والیربلی کے تحت رقمطراز ہیں: فاما الدیلمی بقایم الباء المجرمة بنقین من تحتها فبو..... وشعیب بن محمد بن ابی قطران الدیلمی و  
 مشتبہ النسب ۲۹۹ الہ آپ ۳۲۸ سمدانی کی نشاندہی کے بموجب شعیب کا ترجمہ تاریخ اصحابان میں درج ملے گا اور کیونکہ اس ۳۴۴ - ۳۴۵ مؤلف کو یہ شکایت رہی ہے کہ شعیب کا منسلک نام ان کو نہ پہنچا تھا شکایت صرف اس لئے پیدا ہوئی کہ ان کی نظر ایک ہی جگہ مرکوز رہی ورنہ خود سمدانی کے یہاں تفصیل موجود ہے اور مزید معلومات کے لئے مذکورہ مامراجع مفید ہیں مؤلف

سے پہلے۔ پھر صاحب مرحوم اور ڈاکٹر خمداسی ق نے بھی ابوالقاسم شعیب کو سماعی کے صرف ایک بیان کی روشنی میں وہیں سند سے منسوب کیا ہے۔

(رج) محمد بن عبد الله بن أبي السامح، أبو عبد الله بن أحمد بن رجال السند

f225-225

اس ترجمہ کے تین ماخذ میں صفحہ الصغیرۃ، نایہ انتہایہ، اور طبقات شافعیہ، ماخذ سہ گانہ میں  
 کہیں الدیلمی کی نسبت مضبوط نہیں نہ کسی تذکرہ نگار نے اس کے ساتھ اسندی کی نسبت رکھائی ہے کہ  
 اثبات کا شائبہ نہ رہے۔ مؤلف کو، عموماً، پورا کھوں نے ادبائی اور اس اسندی کی نسبت سمجھ لی  
 ہیں یقین ہے کہ یہ نسبت دراصل وہیل لڑیہ کی طرف ہے، اور اس کا درست ترین اثر ان کی نسبت  
 ہے، اس سلسلہ کا قطعی فیصلہ بعد ان کے بیرون سے ہو جاتا ہے کہ یہی بتقریم اب اس سلسلہ کے تحت  
 ان کے یہ الفاظ ملتے ہیں: "و بعد منہ محمد بن عیسیٰ بن الدیلمی کان من مروجہ  
 القراءۃ الخ"۔ ص ۲۲۲۔ اب اس اخذاتی ہیں ہرزی اور ابن ابی اسبی کی دراصل اسی  
 محمد بن جب شد مذہبی کا تذکرہ کر رہے ہیں جس کا ذکر محمد بن ابی اسبی نے کیا ہے اس پر مستزاد یہ ہے کہ  
 ابن ابی اسبی کی طبقات میں یہی نسبت بالکل صحیح و رشید کے ساتھ درج ہے اس کے باوجود مؤلف  
 چند بار تائیدت منہ سے ہوئے ہیں اس میں دعویٰ کی روایت دیں کی تخصیص سے واثق ہوگی۔

(۱۲) ۱۲۳۰ء میں تاج محل تعمیر کیا گیا۔ جس میں ۱۶۳۱ء - ۱۶۴۲ء

یہ ترجمہ ابن اسفندی کی بحالت شامیہ ہے۔ اور یہ ہے کہ ہمیں صلا کتابت سے مراجعت کی ضرورت نہ رہے کہ وہ عربی کے عربی ہو۔ اور یہ ہے کہ ابن اسفندی نے ابن بسکی کے حوالہ سے جو اقتباسات درج کئے ہیں ان سے علی بن حمد کی نسبت و طحی کے بارہویں دو بیاد ہی باقی معلوم ہوتی ہیں۔

Indias contribution to the ...

 $5' 20'' + 0' 40'' = 6' 00''$ , P36

(الف) علی بن احمد زہلی کی نسبت سے معروف تھا اس نسبت کو ابن ابی بکر نے ان الفاظ میں ضبط کیا ہے :-

الزہلی بفتح الزای تعد باء موحدة مکسورة

رب، اس نسبت میں بعض لوگوں کو شک تھا درود زہلی کو زہلی کی خرابی سمجھتے تھے ان کے خیال میں علی بن احمد زہلی تھانہ زہلی۔ اس زہلی کی نسبت کو بھی ابن ابی بکر نے عہد کرتے ہیں کہ

لعدد الذہلی بفتح الدال و بعد باء موحدة مکسورة تد آخر الحروف

یا ماحنة

ان دونوں میں سے بن ابی بکر حجازی، اس طرف ہے کہ علی بن احمد کی صحیح نسبت فارسی دہلی ہے اور زہلی غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے۔ اپنے رجحان کی تائید میں انھوں نے علی بن احمد کی کسی کتاب کے ایک نسخہ کا حوالہ دیا ہے جس کے سرورق پر علی بن احمد کے متعلق یہ الفاظ مکتوب تھے :-

”انہ سبط المقرئ“۔ مثنیٰ بن احمد مؤلف کتاب اس مدد کے معروف تھے وہ کہے نو اسہ تھے۔ یہ الفاظ بظاہر عیساں سے کہ نہیں سیکر قرائن و شواہد کی روشنی میں ابن ابی بکر، اس مجود یا المقرئ کا نام معلوم کرنا چاہتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ اس دیار میں قرائن کے دو نام بہت معروف رہے ہیں ایک ابو عبد اللہ الذہلی رتبہ زہلی، دوسری شامک، تیسری درود سرے احمد بن محمد الرازی دونوں کے تڑپوں سے بڑے نہ رہی ہے تہ انت انت انت۔ دونوں تیسری صدی کے لوگوں میں ہیں ان میں سے علی بن احمد جس شخص کا نو اسہ ہوتا ہے وہ بن ابی بکر کے خیال میں ابو عبد اللہ الذہلی رتبہ زہلی، اس موحدة میں، ہیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ علی بن احمد کس کا نو اسہ ہو سکتا ہے، کیفایہ ہے کہ علی بن احمد کا ذہلی اس سے منسوب کیا جائے یا بن ابی بکر۔ صحیح ہے۔ در ابن ابی بکر کے مقدمہ مدکر میں سے معلوم ہو چکا ہے کہ علی بن احمد کی نسبت زہلی کی نسبت سے بھی نہیں بعض اس نسبت پر حق ہیں سمجھتے تھے وہ ان کی تائید میں صحیح دہلی تھی۔ زہلی اور دہلی دونوں نسبتیں بن ابی بکر کی کتاب میں مذکور ہیں جدا ہی طرف علی بن احمد کو



دہل السند سے منسوب کرنا درست نہیں لیکن مؤلف اپنی ہندی تراشی کے جذبہ سے اس قدر سرشار ہیں کہ انہوں نے ابن اسکی کے ضبط و تحقیق کی بھی پروا نہیں کی اور نقل میں ہر جگہ بڑے علم خود زبلی اور دہلی (تہذیب الباری الموحدة) دونوں کی اصدا ح کرتے ہوئے بن القوسین دہلی (تہذیب الباری المثنیٰ) لکھ دیا ہے۔ آخر میں اذعان یقین کی چنگی کے ساتھ الفاظ بھی لکھے ہیں :- کان علی بن احمد الدہلی من رجال المائة الثالثة وما هو منہابی وکان دہلی بل هو دہلی وکان حید کا ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ المقرئ من الدہل رجال السند ط۔ ناظم سرگریاں ہے اسے کیا کہیے۔ ابو عبد اللہ محمد بن عبد المقرئ کے بارہ میں تحت ج سمانی کا حوالہ دیا جا چکا ہے علی بن احمد کے زبلی یا دہلی ہونے کی بحث ابن اسکی کے حوالہ سے گزر چکی ہے اور خود مؤلف ہی کا اقتباس ہمارے مآخذ ہے۔ البتہ ضمناً ایک اور بات سن لیجئے کہ حاجی خلیفہ کی کتاب میں جو علی بن احمد کی بابت الزبلی بالراء رقم ۱۰۱۱ لکھا ہے وہ ہمارے نزدیک نسخہ کی تصحیف ہے ورنہ غالب گمان یہی ہے کہ حاجی خلیفہ نے جب ابن اسکی کا حوالہ بھی دیا ہے تو یقین ہے کہ اس نسبت کا ضبط بھی بقلم خود صحیح کیا ہوگا (یعنی الزبلی، زای) بعد میں ناقلین نے اس کو الزبلی بنا دیا، ہمارے خیال میں مندرجہ ذیل ترجمہ بھی تحقیق طلب ہیں :- اگر تحقیق کی جائے تو متعلقہ نسخے دہل الریاء ہی سے منسوب نکلیں گے۔

(۱) احمد بن محمد الحافظ الزاہد الدہلی، مصری (ص ۵۸-۵۹)

(۲) احمد بن نصر بن الحسین القاضی الدہلی الموصلی الانباری (رجال السند)

(۳) الحسن بن حامد الدہلی البغدادی (ایضاً ص ۹۸)

(۴) الحسین بن محمد بن اسد الدہلی لدمشقی (ایضاً ص ۱۰۶)

(۵) محمد بن الحسین بن محمد الدہلی الشامی (ایضاً ص ۲۱۳)

(۵) یک مصحف نسبت یوقانی کی ہے جس سے مؤلف کو دھوکا ہوا ہے۔ اس میں شک

نہیں کہ یوقانہ، سندھ کا معروف علاقہ بھی ہے لیکن کئی اور علاقے بلا سندھ سے باہر اسی کی تم شکل









ذوقِ جستجو کو تسکین ہو۔

سکن بلخ، ویرودی عن الملکی بن ابراہیم، وعلی بن الحسن الرازی المعروف  
بکراخ، ویزید بن ابراہیم، واللث بن مسا و غیرہ عن البلخیین، ویرودی عن  
محمد بن احمد بن یحییٰ، وعبدا اللہ بن محمد بن طرخان، ویرودی عن المستقیم الحدیث من النقاۃ  
والانساب - ۶۳ باب

سکونت بلخ، بلخیوں سے مندرجہ ذیل شاگردوں کے نام، مستقیم روایت و نقابہ یہ تمام  
باتیں یا قوت نے مذکور ڈالی ہیں اس کی یہ ہمارے خیال میں یہ ہے کہ یا قوت نے یہ روایت کتاب  
الانساب سے اتنباس نہیں کی بلکہ ابابک نے تہذیب الانساب کی عبارت ویرودی ہے،  
(م) محمد بن علی بن احمد، ابوبکریا بیانی در رجال السند (۱) اس ترجمہ کا مآخذ  
بمحمّد قوت ہے معانی کی کتاب الانساب میں حسب ذیل فقرے لکھتے ہیں: "و ابوبکر محمد بن علی  
بن احمد، بیامیانی، شیخ مکثر، ثقہ، رحمد النیابن ابی الحدید اسلمی و رستم، ابابکر  
احمد بن علی بن ثابت الخطیب الحافظ، و غیرہ عن ویرودی نا عنہ، ابو الفتح محمد بن ابی  
الحسن البسطی، بلخ، و یوسف عیسیٰ بن محمد بن عبد اللہ الامام بعقلان، و توفی  
فی حدود سنہ تسعین واربعمائۃ، بلخ، الانساب - ۶۳ باب

مولف نے یا قوت کے حوالہ سے ذلت کا زمانہ ۹۳۸ء لکھا ہے معانی کے بیان سے اس کی  
تصحیح ہو جاتی ہے۔ نیز یا قوت کی عبارت منقولہ میں "فی سلب رجب" کے الفاظ ملتے ہیں ہمارا خیال  
ہے کہ "سب" کا لفظ دراصل "بلخ" کی خرابی ہے۔ معانی کی عبارت میں جہیزہ کی صراحت نہیں ہے  
لہذا ابن الاثیر کی الباب نے تہذیب الانساب میں "فی رجب بلخ" کے الفاظ ملتے ہیں بظاہر  
جہیزہ کی تصریح معانی کے صحیح و مستند تر نسخہ کی بنیاد پر ہے جو ابن الاثیر کے پیش نظر رہا تھا۔  
باب جدا ص ۹۲) یا قوت کا مآخذ براہ راست الباب کے تہذیب الانساب رہا ہے جس کی  
"اسید دونوں کے معروضی مطالعہ سے ہوتی ہے۔"

(۵) چوتھی شق کے تحت ہمارے دعویٰ کا ایک جزویہ ہے کہ کسی غیر محقق جغرافیائی بیان پر اعتماد کر کے مؤلف نے اپنی کتاب میں بعض غیر متعلقہ اشخاص کا ترجمہ درج کیا ہے۔ اس دعویٰ کی تصدیق کے لئے محمد بن احمد البیرونی السندی الخوارزمی کا ترجمہ درجہاں السند (۱۱۵۰) کافی ہے۔ ابوالریحان کو سندی قرار دینا سندھ کے متنازع فیہ مقام البیرون کے تحقق پر موقوف ہو۔ مؤلف نے معجم الادباء، طبقات الاطباء و ابن ابی اصیبعہ، تقویم البلدان و ابو نعیم، اوزار الخ آداب اللغۃ العربیہ کے اقتباسات دیئے ہیں۔ درصرف ابوالریحان کو سندی ثابت کرنے کے لئے کتاب کے بحث جغرافیائی میں البیرون و بابا کا تصرف پیش کیا ہے۔ اس مسئلہ کی بہت کچھ تفصیل ہم نے شروٹ میں درج کی ہے۔ اس واقعہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بن سعد المغربی ابوالریحان کو بڑے علم خود قطعی طور پر سندھ کے شہر البیرون سے منسوب کرتا ہے۔ سندھ میں ہر دن نام کی کسی جگہ کے ثبوت میں بن سعید کے اس قول کے علاوہ کوئی دوسرا بیان موجود نہیں۔ ابو نعیم، ابوالریحان بن ابی اصیبعہ نے بدین تحقیق بن سعید کی بات دہرائی ہے۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ کا مؤلف بھی سی بات کا اعادہ کرتا ہے۔ بن سعید کا قول ہی وجوہ کی بنا پر ناقابل تسلیم ہے۔

(۱) محققین جغرافیہ سندھ میں بیرون و بابا نام کے کسی شہر کا علم بن سعید کے علاوہ کسی درزیہ سے نہیں رکھتے اور جن لوگوں نے اپنی قرات میں بیرون و بابا کو ترکیبی ہی پر ان پر دراصل بن سعید کے منفرد قول کا اثر رہا ہے۔

۲، مشہور تذکرہ نگار جغرافیہ دان یا قوت جس کو البیرونی اور سندھ سے بن سعید کی نسبت زیادہ اقلیت تھی اپنی کتاب جغرافیہ معجم البلدان میں سندھ کے بیرون کا ذکر نہیں کرتا۔ بلکہ باب اسون میں سندھ کے ایک شہر خیرین ناموں کا ذکر کرتا ہے اس سے اسے کچھ بھٹک جاتا ہے آخری حرف زائی ٹم ہے یہ متعین ہے کہ یا قوت کے لئے ایک یہ درزیہ ہے۔ درزیہ کے ایک شہر کا نام مہر جس کا مونا و محل اور جوں و عنش یہ قوت سے درزیہ ہے۔



اس لیے اپنی دوسری کتاب معجم الادباء میں البیرونی کا مبسوط ترجمہ درج کیا ہے اور اس نسبت کی تحقیق کی ہے لیکن سندہ کے کسی شہر: بن سے ابوریحان کے انتساب کی بابت بالکل خاموش ہے۔ حالانکہ یا قوت کو بیرونی کے سلسلہ میں تحقیق و تنقیش کا جو قوی داعیہ تھا وہ بالکل ظاہر ہے۔ پھر اس کو موثر اصل تھے کہ مستند معلومات جمع کر سکے اس لئے کہ البیرونی کی بہم ترین تصانیف خصوصاً جغرافیہ و تاریخ سے شہرت اس کے ساتھ میں آئی تھیں جن میں سے بعض نوشتہ مؤلف تھیں۔ بن سید کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے حدود آسمان کی شرح میں بیرونی کی کا آخری فقرہ یہ ہے :-

— and generally speaking the thirteenth century spanish geographer was hardly in a position to improve the reading of a doubtful Indian name (Hududul

Alam, p. 372, 1937)

(۳) سماں کی جن کو ابن سید کی نسبت سندھ اور خوارزم کی شخصیات سے زیادہ واقفیت ہوئی چاہیے البیرونی کی نسبت کے تحت وہ صرف ابوریحان البیرونی کا نام دیتے ہیں اور اس کی تحقیق میں کہتے ہیں کہ — ”لفظ و النسبة الى خارج خوارزم، فان من یكون من خارج البلاد ولا یسكن من هذا یقال به بیرونی۔“ (انتساب ۹۸) یا قوت ذرا تحقیق میں اسی نتیجہ تک پہنچا ہے کہ — ”وما اظنہ سیراد بل الا انه من اهل البرستان یعنی افغانستان۔“

(۴) بیرونی کے بارے میں نو: مغربی ہوں: مشرقی بن سید کے قول کو قابل اعتماد نہیں سمجھتے۔

(۵) نو: بیرونی کے جو ترجمے کتاب: انتساب میں خوارزم سے متعلق ملتے ہیں وہ



یہ الفاظ ہیں گئے۔ ”منہا، حمد بن محمد القاضی المنصور سیسک العراق وفارس  
 لیکن بابی العباس کان اماماً علی مذہب داؤد الاصبغاً مع الاحرام وطبقہ، سروری  
 عنہ الحاکم ابو عبد اللہ الحافظ، و ابو العباس احمد بن محمد بن صالح التیمی الخ و سلسلہ  
 کے لئے منقولہ بالا عبارت دیکھئے) بادی النظر میں احمد بن محمد القاضی، شیخ حاکم نیشاپوری  
 اور ابو العباس احمد بن محمد بن صالح التیمی کی شخصیتیں دو معلوم ہوتی ہیں لیکن کئی داخلی شہادتوں  
 سے اس کی نفی ہو جاتی ہے کہ دونوں کی کنیت ابو العباس ہے، دونوں کے نام مع ولایت  
 ایک ہیں اثر مر اور اس کے طبقہ کے شیوخ سے روایت کرنے میں بھی دونوں برابر ہیں دونوں  
 ایک ہی مسدک کے امام قرار دیئے گئے ہیں اور منصورہ کے عہدہ قضاء سے وابستہ رہے ہیں  
 فرق صرف اتنا ہے کہ بوخرا لہذا کہانی ابو العباس احمد بن محمد بن صالح التیمی سے سمعانی کی ملاقات  
 کتاب الانساب کے ظاہری الفاظ سے ثابت ہوتی ہے اور اول الذکر حاکم نیشاپوری کے  
 شیوخ میں ہیں اب اگر کتاب الانساب کی عبارت بالکل درست اور کامل سمجھ لی جائے تو دو  
 الگ الگ شخصیتوں کا ماننا، گزیر ہو گا لیکن اس تقدیر پر مقدمہ ذکر داخلی شواہد کی مجموعی قوت  
 ایسی ہے کہ کتاب الانساب کی عبارت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہمارے خیال میں اس اشکال  
 کا واقعی حل یہ ہے کہ عبارت میں کہیں سقوط تسمیم کر یا جائے گو یہ شروٹ سے تذکرہ ایک ہی شخص  
 احمد بن محمد ابو العباس القاضی ایسی کاسلسلہ ہے درمیان میں حاکم نیشاپوری کے الفاظ نقل  
 ہوئے ہیں لیکن کچھ الفاظ، تبدیلی، نسخہ کتاب سے ساقط ہو گئے ہیں۔ ہمارے خیال میں وہ کان  
 اذین من روایت من العید کے الفاظ دراصل حاکم نیشاپوری کے ہیں نہ کہ سمعانی کے۔



## تاریخ الردۃ

رجباب ڈاکٹر خورشید احمد فارق صاحب استاد ادبیات عربی، دہلی یونیورسٹی

(۵)

پسپائی کے بعد جب مسلمان لوٹے اور لڑائی گرم ہونی لگی تو طلحہ نے اپنا کبیل پٹیاؤں بزم خود  
 دجی کا منتظر تھا، جب دیر تک دجی نہ آئی اور دوسری طرف جنگ میں اس کی فوج بری  
 طرت لگڑی گئی تو عیینہ بن حصین فزاری ریڑھ بنو فزارہ اور طلحہ نے خود لڑنا اور  
 فوج کو جوش دلانا شروع کیا۔ ابن اسحاق: "اس دن عیینہ نے اپنے قبیلہ فزارہ کے ساتھ  
 جو لوگوں کے ساتھ بڑی سخت لڑائی لڑی، جب مسلمان تلواریں سونت کر ان پر ٹوٹ  
 پڑے اور ان فزاری جو انوں نے ان کے مقابلہ سے منہ نہ موڑا تو وہ طلحہ کے پاس آیا  
 جو اپنے کمل میں پٹا ہوا تھا اور اس سے کہا: "ہو تمہارے باپ کا! کیا جبریل اب بھی آیا؟  
 طلحہ: نہیں، ابھی تو نہیں! عیینہ: تم پر تباہی آئے سارا دن ہو گیا اور جبریل کا کہیں پتہ  
 نہیں! یہ کہہ کر عیینہ لوٹا اور جنگ کی جگہ میں کود پڑا اور اپنی فوج کو جوش دلانے لگا جو  
 مسلمانوں کی تلواروں کے نیچے چنچ رہے تھے، کافی دیر کے بعد عیینہ پھر طلحہ کے پاس گیا  
 جو کبیل وڑھے لیٹ ہوا تھا، اور کبیل اس زور سے کھینچا کہ عیینہ اٹھ بیٹھا عیینہ نے کہا:  
 اس نبوت کا خدا برا کرے! اب بھی کوئی دجی نہ آئی؟ طلحہ: ہاں آئی ہے کہ تمہاری  
 پہلی دمر جنگ، اس کی دمر جج نہ جاننا، پتہ کی طرف سے، اور اس کا یہ نتیجہ نکلے گا  
 جو تم ہمیشہ یاد رکھو گے! عیینہ: میرا خیال ہے کہ خدا ناسا ہے کہ تمہارے ساتھ  
 ایک ایسا واقعہ دمر و شکست پیش آئے گا جو تم ہرگز کبھی نہ بھو ہو گے۔ بنو فزارہ

دہاتھ کا اشارہ کر کے، چلو یہاں سے، یہ کذاب ہے، حکومت و اقتدار کی خواہش اس کے اور ہمارے لئے بڑی منحوس ثابت ہوئی۔ "قبیلہ فرزدوت گیا اور اس کے پیچھے عیینہ اور اس کا بھائی روانہ ہوئے، مسلمانوں نے عیینہ کو پکڑ لیا لیکن اس کا بھائی نکل بھاگا، کہا جاتا ہے کہ عیینہ کو پکڑنے والا قبیلہ ٹٹی کا ایک بہادر تھا، عروہ بن مضر، خالد نے عیینہ کو قتل کرنا چاہا لیکن بنو مخزوم کے ایک معزز آدمی نے سفارش کر کے اس کی جان بچا لی۔

طلیحہ نے جب دیکھا کہ اس کی فوج کے لوگ، مارے اور پکڑے جا رہے ہیں تو اس نے میدان چھوڑ دیا۔ اس کے دوست اور بل ناشہ اس سے پوچھنے لگے کہ اب کیا رائے ہے؟ طلیحہ نے پہلے ہی گھوڑا تیار کر لیا تھا، چلانگ مار کر اس کی پیٹھ پر بیٹھا اور پیچھے اپنی بیوی گوار کو سوار کیا۔ وہ یہ کہتے ہوئے گھوڑے کے ایڑوں پر لگائی کہ تم میں جو لوگ بھاگ سکیں اپنی بیویوں کے ساتھ میری طرف بھاگ جائیں، وہ شام پہنچا اور شامی سرحد کے غنائی حکمرانوں کے پاس مقیم ہوا۔

بو یعقوب زہری کی کتاب میں ہے: عیینہ نے اپنی فوج کو پیا ہوتے دیکھا تو ان سے کہا، تمہارا بہنوئی کیوں پیپ مور ہے؟ اس پر ایک شخص نے کہا: اس کی وجہ میں تباہی ہوئی، ہمارا ہر سپاہی پتا ہے کہ اس کا ساتھی قتل ہوا اور وہ خود بچ جائے ورنہ ہمارا یہی قومی قوم ہے جن کے ہر فرد کی تناسل ہے کہ اپنے ساتھی سے پیسے جان دے۔ مورخ ابن عقیلی مدنی، عیینہ کا میدان جنگ سے فرار ہوا تو عکاشہ بن حنین، ابن ہشام، قرطبی، سلامی فون کے تذکرہ نگاروں نے اس کا پیچھا کیا، طلیحہ نے عیینہ کا تہذیب بھی کوئی نہیں، اس کو دو ہزار نرانے کا چیلنج دے گا، تو وہ ضرور اس چیلنج کو قبول کرے گا، جب طلیحہ نے اس کے شانے سے اس کو آواز دی، طلیحہ اس پر وار کیا، اس کے شانے سے بھی پانی آگیا، عیینہ نے اس کو بھی قتل کر دیا،

اس کے بعد وہ شام چلا گیا۔۔۔

واقعی نے ان دو کمانڈروں کے قتل سے متعلق مختلف اقوال پیش کئے ہیں :  
 ان کے ایک راوی عمیلہ نزاری نے جو رڈۃ تاریخ سے خوب واقف تھا بیان کیا کہ جب  
 حامد بن وہبہ ظلمہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے عکاشہ اور ثابت کو ہراؤں دستوں کا کمانڈر  
 بنا کر آگے بڑھا دیا۔ یہ دونوں اعلیٰ درجہ کے گھوڑ سوار تھے ان کی مدد بھڑ ظلمہ اور  
 اس کے بھائی مسلمہ سے ہوئی جو اپنی فوج کے ہراؤں دستوں کے، بخارج تھے ان کا  
 باقی لشکر پیچھے تھا، ظلمہ عکاشہ سے اور مسلمہ ثابت سے بڑا آگے ہوا ہوئے مسلمہ نے ثابت کو  
 جلد ختم کر دیا، اس وقت ظلمہ نے پتہ کر کہا : مسلمہ، میری مدد کر یہ شخص مجھے مارے ڈالتا  
 ہے، مسلمہ اور ظلمہ نے مل کر عکاشہ پر دیا، اور اس کو قتل کر ڈالا، اس کے بعد وہ  
 خوش خوش اپنی فوج کے پاس لوٹ گئے، ان دنوں فوج میں آ رہی تھی کہ راستہ  
 میں پڑی ثابت کی لاش نے ان پر خوف طاری کر دیا، دشمنوں دش کو روک رہی  
 تھیں، مسلمانوں کو اس کے قتل کا سخت نقص ہوا، اور آگے بڑھے تو عکاشہ کی لاش اونٹنیوں  
 کے پیروں تلے آئی، ادنیٰ سوار سے بھی ہو گئے کہ ہتھیاروں کی دھڑوں کے پیر اٹھنے تھے  
 رہبری کی کتاب میں ہے : پھر مسلمان ظلمہ کی فوج سے متبادر ہوئے اور بہت سوں  
 کو قتل کیا اور بہت سوں کو گرفتار خانہ نے باواڑ بلند کہا : جس شخص کو کھانا پکانا یا پانی  
 گرم کرنا ہو وہ صرف دشمنوں کی کھوپڑیوں کا چوہا بنائے خانہ نے بارے ہوئے  
 اور ان میں آگ جلائی اور قیدیوں کو گیس میں ڈبو کر میدان میں بھی گ  
 میں ڈالا گیا جس کو روسوں نے بھی شہید کر کے اس کی قوم کا منتہی کر کا مقرر کیا تھا  
 اور جو بعد میں مرتد ہو گیا تھا، عیسائیوں جو بنو ہمدان کے ساتھ تھے گریز کر گئی  
 خانہ نے اس کو مسلمہ کی دعوت دی لیکن اس نے ٹھکر دی اور یہ جزیرہ جتنی ہوئی  
 آگ میں کود کر سستی ہو گئی۔



یا موت عسع صباحاً۔ لا قتیله کفاحاً۔ اذ لم اجد براحاً  
 موت سلام! جب زندگی کے بچنے کی کوئی صورت نہ ملے تو میں نے موت کو خوش آمدید کہا  
 قاضی وادی نے یعقوب بن زبیر بن طلحہ کے حوالہ سے بیان کیا: خالد نے قیدیوں کو  
 باڑوں میں جمع کیا اور آگ لگا کر ان کو زندہ جلا دیا، بنو فزارہ کا کوئی فرد نہیں چلا یا گیا،  
 میں نے تاریخ البرقہ کے ایک عالم سے دریافت کیا کہ باغیوں میں صرف طلحہ کے ساتھیوں کو  
 کیوں جلا یا گیا تو اس نے کہا: انہوں نے رسول اللہ کی مذمت کی تھی اور ارتداد پر قائم  
 رہے تھے۔ دوسری روایت ہے کہ خالد نے گڈھے کھدوائے تو صحابہؓ نے پوچھا: ان کا  
 کیا ہو گا، تو انہوں نے کہا: میں اصحابِ طلحہ کو آگ میں جلاؤں گا۔ صحابہؓ نے اس پر اعتراض  
 کیا تو خالد نے کہا: میرے پاس ابو بکر صدیقؓ کا یہ ہدایت نامہ ہے: اگر خدا تم کو، اصحاب  
 طلحہ پر، فتنہ عطا کرے تو ان کو آگ میں جلاؤ۔ مجھے حکم ہے کہ ہر جمعیت میں اس کو پڑھ کر  
 سناؤں۔

عبداللہ بن عمرؓ: میں جنگ بڑا، نہ میں شریک تھا خدا نے طلحہ پر فتنہ عطا کی، ہم جب بھی  
 فتناب ہوتے بال بچوں و عورتوں کو غلام بناتے اور باغیوں کا پس آپس میں بانٹ لیتے۔

بنو عامر اور دوسرے قبیلوں کے دوبارہ مسلمان ہونا سکندر

جب خدا نے بنو اسد و طلحہ کا قبیلہ اور زبان کے حلیف بنو فزارہ کی خوب گوشمالی کر دی  
 اور بڑا فتنہ میں طلحہ اور اس کے حلیفوں کو شکست دے دی تو خالد بن ولیدؓ نے رسالے  
 بھیجے تاکہ جہاں جہاں ان کو باغی میں انہیں تھکانے لگا دیں، جو وہ عرب یا تو سزا سے  
 ڈر کر یا ان سے مسلمان ہونے کے لئے خالد کے پاس آئے۔ اگر کسی عرب کو راستہ  
 میں خالد کے رسالے ملتے تو وہ کہتا: میں خوشی سے اسلام لانے جا رہا ہوں، میں پھر  
 اسلام کا مطیع ہو گیا ہوں، کوئی کتبہ! میں نے بغاوت نہیں کی، میں نے اپنا مال روک لیا تھا  
 لسانی الاصل: کافحتہ

جو مجھے بے حد عزیز سے ایکن اب میں زکا؟ دینے کو بھی تیار ہوں، اور اگر کوئی عرب رسالہ کی زد میں نہ آتا تو وہ خالدؓ کے پاس چلا جاتا اور ان پر اسلام کا اعلان کرتا، کچھ بدو سید ابو بکر صدیقؓ کے پاس چلے جاتے اور خالدؓ کے پاس نہ پھٹتے۔

قاضی واقدی: قرۃ بن ہبیرہ تشری کے بارے میں راویوں کی مختلف آراء ہیں، کوئی کہتا ہے کہ وہ بھاگ کر ابو بکر صدیقؓ کے پاس پہنچا اور مسلمان ہو گیا۔ کوئی کہتا ہے کہ خالدؓ کے رسالوں نے اُس کو جایا اور پکڑ کر خالدؓ کے پاس لے گئے، کوئی کہتا ہے کہ وہ اپنے قبیلہ بنو عامر کے ساتھ خالد بن ولیدؓ کے پاس آیا اور ہماری رائے میں یہی قول مزید ہے، ایک قول یہ ہے کہ بنو عامر منتظر تھے کہ دیکھیں بائیں جیتے ہیں یا مسلمان، اور ان کا لیڈر قرۃ تھا، بنو عامر کا ایک ممتاز لیڈر اور بہادر ابو حرب ربیعہ بن خویلد عقیلی جو انتظار کی پالیسی کے خلاف تھا کھڑا ہوا اور بولا: بنو عامر ذرا ٹھہرو اور تدبیر سے کام لو تم نے رسول اللہؐ کے اچھوں کو قتل کیا جو ہر مؤمنہ جا رہے تھے، تم نے ابو براءؓ کی حفاظت کا ذمہ لیا اور پھر توڑ دیا، وازد اکم عامر بن الطفیل؟ تم کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ خالد بن ولیدؓ مجاہدین و انصار کی فوج کے ساتھ تمہارے قریب پہنچ گیا ہے، اور غرض یہ کہ تمہاری خبر لے گا، ابو حرب ربیعہ کی باتوں نے بنو عامر کے جوصلے پست کر دیئے و قدر وہ۔

رسول اللہؐ کی وفات پر جب عمرو بن العاصؓ عمان سے، یہ لوٹے تو قرۃ بن ہبیرہؓ سے اُن کی حجابات چیت مونی وہ ہم یہاں بیان کریں گے۔ عمرو بن العاصؓ رسول اللہؐ کی طرف سے عمان کے عامل تھے، ایک دن ان کے پاس عمان کا ایک یہودی آیا اور بولا: اگر میں آپ سے ایک سو پوچھوں تو مجھے کوئی گزند تو نہ پہنچے گا؟ عمرو بن عاصؓ نے نہیں، یہودی: خدا کی قسم دے کر آپ سے پوچھا ہوں کہ آپ کو کس نے ہمارے پاس بھیجا ہے؟ عمرو بن عاصؓ: رسول اللہؐ سے، یہودی: کیا آپ کو واقعی معلوم ہے کہ وہ رسول اللہؐ ہیں؟ عمرو بن عاصؓ: ہاں، یہودی: اگر آپ کی بات صحیح ہے تو آج ان کا انتقام ہو گیا، یہ سن کر

عمر بن عاصؓ نے اپنے مشیروں اور اہلِ ماشیہ کو جمع کیا اور وہ دن نوٹ کر یا جب بقول یہودی رسول اللہؐ کا انتقال ہوا تھا۔ اس کے بعد آؤ اور عبد القیس کے محافظوں کے ایک گروہ کے ساتھ عمر بن عاصؓ مدینہ کے لئے چل کھڑے ہوئے، پھر (پایہ تخت بحرین) پہنچے تو وہاں منذر بن سادہ در رسول اللہؐ کی طرف سے بحرین کے حاکم کے ہاں رسول اللہؐ کی وفات کا چہرچاہنا، وہاں سے چل کر وہ بنو حنیفہ کے علاقہ میں آئے اور بنو حنیفہ کے محافظ ساتھ لے کر بنو عامر کے علاقہ میں داخل ہوئے، اور قرۃ بن ہبیرہ تیسری کے ہمان ہوئے جب وہاں سے چلنے لگے تو قرۃ بن ہبیرہ نے کہا: تمہاری خیر خواہی کی ایک بات ہے، جسے میں چاہتا ہوں کہ تم سنو، تمہارے صاحبِ سر دار (یڈرانی) کا انتقال ہو چکا، عمرو: تمہاری ماں مرے، کیا وہ بس ہمارے ہی صاحب تھے؟ قرۃ: قریش کے لوگو! تم اپنے حرمِ دمکہ میں مقیم تھے، دوسروں سے محفوظ اور دوسرے تم سے محفوظ، پھر تمہارے قبیلہ سے ایک شخص رضی اللہ عنہ، اُس نے جو دعوت دی اس سے تم واقف ہو احب اس کی دعوت کا ہیں علم ہوا تو ہم نے اس کو ناپسند نہیں کیا، اور کہا خاندانِ مضر کا ایک ممتاز فرد عربوں پر حکومت کرنا چاہتا ہے تو اس کے راستہ میں کیوں روڑے اٹکائیں، لیکن اس کی وفات ہو چکی ہے، اب بڑی تیزی سے عرب تمہارے خلاف بغاوت کریں گے، اور زکوٰۃ کی مد میں کچھ نہیں دیں گے، لہذا مناسب ہے کہ اپنے حرم کو بوت جاؤ اور وہاں امن و چین سے رہو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ایک وقت عرصہ کہ جب میں تم پر حملہ کروں گا، عمر بن عاصؓ نے قرۃ کو خوب آڑے ہاتھوں لیا اور کہا میں تمہاری خیر خواہی رد کرتا ہوں وَمَوْعِزَّتِكَ حَفْشُ أُمِّكَ (قرۃ: میرا مطلب یہ نہ تھا، وہ اپنی گفتگو پر نادم ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ قرۃ اپنے قبیلہ کے سرداروں کو عمر بن عاصؓ کی رد و حملہ آوروں سے حفاظت کے لئے کر بٹھا، عمر بن عاصؓ جیسے تو راستہ میں ان کو بہت سے ہاشمی عرب لے اور نواحی مدینہ کے تختہ نذرانہ میں ان کی تدبیر عیینہ بن حصن قراری سے







# اسلام کا اقتصادی نظام۔ مولانا آزاد کی نظریں

وجہاب رفیع اللہ صاحب غایتی۔ لکچر شعبہ سیاسیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

میرے سامنے ہندو، مسلمانوں کی پوری تاریخ ہے۔ ان کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو میری نگاہوں سے پوشیدہ ہو۔ اس کی ابتدا اسکی ترقی اور اس کا زوال سب ہی میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ اگر کوئی مجھ سے دریافت کرے کہ مسلمانوں نے ہندوستان کو کیا دیا تو بلا تا مل کہہ دیں گے کہ شاہ ولی اللہ اور ابوالکلام آزاد۔ یہ دو شخصیتیں ہیں جو ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ مولانا آزاد بیسویں صدی کے ہندوستان کے سب سے بڑے انسان تھے۔ اگر اس صدی میں ان کا کسی سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے تو وہ چیرمین ماؤ ہے۔ وہ ایک مجدد کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کا علم بے پایا تھا۔ ان کی بصیرت اپنے عہد میں سب سے زیادہ تھی۔ وہ عام مسلمانوں کی طرح تقلید پرست نہیں تھے ان کی نگاہیں تاریخ کے ہر رخ کو دیکھ بھال چکی تھیں۔ وہ اپنے عہد کے سب سے بڑے نباض تھے۔ ان کے نتائج ان کے فیصلے ان کی رائیں اٹل اور قطعی تھیں۔ وہ اتنے اور ہونے والی باتوں کو پیسے سے دیکھ لیتے تھے۔ وہ جنس صافی نہیں تھے۔ ان کی صحافت بھی زمانہ بھر سے نرالی تھی وہ ان کے بے پایاں علم کا منظر تھی۔ سیاست دانوں کے ہونے کے باوجود وہ علمی کام کرتے رہے۔ اور جس پایہ کا کام کیا وہ انہی کا حصہ تھا۔

میرے سامنے ان کی ساری تحریریں ہیں۔ ان کی ساری روت کو سمجھنے میں بھی ایک وقت صرف کہہ ہے۔ اس لئے کہ مولانا کو سمجھنا کوئی خیل نہیں۔ ان کی فکر کا ساتھ نہ دینا آسان نہیں۔ ان کی روش کو افق تک رسائی نہیں پہنچتی۔ اپنی بساط بھر ان کے اندکار کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ جب مولانا سدھم کے اقتصادی نظام سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے تو روس میں اشتراکیت کا نیا تجربہ ہو رہا تھا۔ ان کی نگاہیں اس کو دیکھ رہی تھیں۔



جب کہ قبل عیسٰی شخصیت ”سرایہ“ کو جھٹلانے میں مصروف تھی۔ مولانا نے روس میں اشتراکیت کے لئے تجربہ کو نظرِ احسان سے دیکھا: ”اس میں شک نہیں کہ سوشلزم کو اس بات کا حق ہے کہ مزید تجربہ کا موقع دیا جائے“

علماء کا عام عقیدہ ہے کہ وہ ہر نئے تجربہ کو جھٹلاتے ہیں۔ دنیا کی ہر ترقی کو برا سمجھتے ہیں۔ اور قدامت پرستی اور کورانہ عقیدہ کی رونا اوٹھے رہتے ہیں۔ دوسری طرف روشن خیال مذہب کی ہر بات کو فرسودہ سمجھ کر رد کرتے ہیں۔ دونوں ایک حد تک حقیقت سے دور ہو جاتے ہیں۔ کسی نظم کو اس نقطہ نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ اس کے ماننے والے کتنے ہیں۔ اور اس کا کوئی عملی نمونہ بھی ہے یا نہیں۔ بلکہ اس کو ایک نظام کی حیثیت سے پرکھنا چاہیے۔ اس میں کتنی اچھالیاں ہیں۔ کتنی برائیاں ہیں۔ وہ کس حد تک لوگوں کے لئے مفید ہے۔ ان سب باتوں کو نظر میں رکھتے ہوئے تاریخ کی روشنی میں اس کا جائزہ لینا چاہیے۔ اور دوسرے جمہنی نظاموں سے مقابلہ کر کے اس کی حیثیت متعین کرنی چاہیے۔ تنگ نظری اور تعصب کا ہم نہیں لینا چاہیے۔ اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ ہے۔ اس میں طفلانہ رائدہ کاریں عہد ہے۔ ان سب باتوں کو نظر میں رکھنا لازمی ہے۔ پھر اپنے زمانہ کی ترقی پر کوئی ملحوظ رکھنا چاہیے۔ تب ہی اس کی صحیح حیثیت متعین ہو سکتی ہے۔ سوائس انسانوں کے لئے سماجی، سیاسی، اقتصادی اور فکری نظام اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کا نظریہ انسانوں کی ساری زندگی پر حاوی ہے۔ ہم کو اس کو ایک دستور لکھا کی حیثیت سے جہان پر پکھلتے۔

دنیا میں اشتراکیت کے تجربے مورسہ میں۔ اس کا اقتصادی نظام دنیا کے جمہوری ممالک اپنے منہ میں رکھتے ہیں۔ لیکن اس کا پر ویتاریہ نظام انقلاب برکھا چین کا۔ بورسوی انقلاب بھی۔ پھر دوسرے ممالک جو رہنے والے قومی جدوجہد کے ذریعہ آزادی حاصل کی۔ وہ بھی۔ اس سلسلے میں مثلاً ہارای ولس جس میں اشتراکیت طرز کے سماج کو اپنانے کی کوشش کی۔ وہ بھی۔ تجربہ ہے۔ پر ہو۔ اشتراکیت سماجی مساوات

اور غیر طبقاتی سماج کی علم بردار ہے۔ وہ طبقات کو بانٹ کر ختم کر دینا چاہتی ہے۔ تو ہم کو اشتراکی نظام کو نظر میں رکھتے ہوئے اسلام کے اقتصادی نظام کو جانچنا اور پرکھنا ہے۔ مولانا کا معاملہ دوسروں سے مختلف ہے۔ وہ بڑے روادار ہیں۔ اور بڑی سوچ بوجھ رکھتے ہیں۔ بڑے فرائض ہیں۔ اس لئے کہ ان کی نگاہیں تاریخ کے ہر رخ کو پڑھ چکی ہیں۔ انہوں نے قرآن کو جیسا سمجھا وہ اس عہد میں انہی کا حصہ تھا۔

اسلام کے اقتصادی نظام کو مولانا نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے جس میں اسکی پوری روح آگئی ہے۔ "دولت اور وسائل دولت کا احتکار رکھ دیا جائے اور ہر کمانے والے فرد کو قانون سازی کے ذریعہ مجبور کیا جائے کہ اپنی کمائی کا ایک حصہ کمزور افراد کے لئے نکالے۔ نیز اسٹیٹ کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے کہ کوئی فرد ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ اصل بھی تسلیم کی جائے کہ معیشت کے لحاظ سے تمام افراد و طبقات کی حالت یکساں نہیں ہو سکتی اور یہ عدم یکسانیت اکثر حالتوں میں قدرتی ہے۔ کیونکہ سب کی جسمانی و دماغی استعداد یکساں نہیں۔ اور جب استعداد یکساں نہیں تو ناگزیر ہے کہ جدوجہد معیشت کے ثمرات بھی یکساں نہ ہوں۔ یہ الفاظ دیگر انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کر لیا جائے کہ جو جس قدر حاصل کر سکتا ہے وہ اس کا ہے۔"

مولانا قرآن کی روح کو صحیح سمجھے ہیں۔ اسلام "اکتاز" کو روکتا ہے۔ وہ نسلی، خاندانی، جغرافیائی اور طبقاتی امتیازات مٹانا چاہتا ہے۔ کے نزدیک مساوات ساری عامی زندگی کی اساس ہے۔ وہ دولت کے "اکتاز" کی جگہ اس کی تقسیم پر زور دیتا ہے۔ وہ نچلے اور کمزور طبقات کو خوشحال دیکھنا چاہتا ہے۔

اسلام کی نگاہ میں مادی معیشت کا اختلاف قدرتی ہے۔ اس کو باقی رہنا چاہیے۔ انفرادی معیشت کے نظام کے ساتھ ساتھ اجتماعی معیشت کا حق بھی جو ان کیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دولت پیدا کریں۔ ذاتی ملکیت کو ایک معینہ حدود کے اندر رہتے ہوئے فروغ دینا

فیکر، وہ لوگوں کو "اسراف"، "تبذیر" اور "تفطیر" سے باز رکھتا ہے۔ وہ ان کو "حلال" اور "حلیب" روزی پیدا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ تو اسلام میں ذاتی ملکیت کی گنجائش ہے۔ اس کو وہ قدرتی تصور کرتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ دولت کی تقسیم نظام وراثت کے تحت عمل میں آتی ہے۔ ایک شخص کے مرنے کے بعد اس کی دولت اس کے وارثوں اور وارثوں کے وارثوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔ پھر دوسری طرف بیت الماں کا نظام ہے جس میں زکوٰۃ جو ایک قسم کا ٹیکس ہے ہر شخص پر فرض ہو جاتا ہے۔ ریاست کو سارے وسائل پر قابض ہونا چاہیے۔ اور انفرادی معیشت کا نظام اجتماعی نظام کے تابع ہونا چاہیے۔ تو اس طرح اسلام مدارج معیشت کے اختلاف کو تسلیم کرتا ہے۔ لکھتے ہیں: "اس پر اس کے نفیس کا حق ہے اس کے والدین کا حق ہے۔ رشتہ داروں کا حق ہے، بیوی بچوں کا حق ہے، ہمسایہ کا حق ہے اور پھر عام لوع انسانی کا حق ہے۔ اس کا فرض ہے کہ اپنی استطاعت اور مقدور کے مطابق یہ تمام فرائض ادا کرے اور انھیں فرائض کی ادائیگی پر اس کی زندگی کی ساری دینیوی اور اخروی سعادتیں موقوف ہیں۔ ایک دوسرے مقدمہ پر اسلام کے اقتصادی نظام کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس نے سوسائسی فی نوعیت کا جو نقشہ بنایا ہے۔ اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بن جائیں تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا ہو جائے گا جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑ پتی ہوں گے، نہ مفلس و محتاج طبقے۔ ایک طرح کی وریمانی حالت غالب افراد پر طاری ہو جائے گی۔ بلاشبہ زیادہ سے زیادہ کمانے والے افراد موجود ہوں گے کیونکہ سعی و کسب کے بغیر کوئی مومن زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا اتنا ہی زیادہ انفاق پر مجبور ہو گا اور اس کو افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائیگی اتنی زیادہ جماعت پر حیثیت جماعت کے خوشحال ہوتی جائیگی۔ قابل اور مستعد افراد زیادہ سے زیادہ کمائیں گے۔ لیکن صرف اپنے لئے نہیں کمائیں گے عام افراد کو مہیلے کمائیں گے۔ یہ صورت پیدا نہ ہو سکے گی کہ ایک طبقہ کی کمائی دوسرے طبقوں کے لئے محتاجی و نفسی کپیاسم ہو جائے جیسا کہ اب عام طور پر ہو رہا ہے۔"



دوسری طرف اشتراکیت کا نظام ہے۔ مولانا ایک مقام پر اس پر ردِ نشئی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: "صرف دولت کا احکا رہی نہ روکا جائے بلکہ دولت کی انفرادی ملکیت بھی ختم کر دی جائے اور ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں اجباری قوانین کے ذریعہ اقتصادی اور معیشتی مساوات کی حالت پیدا کر دی جائے۔ شد و سائل دولت تمام تر قومی ملکیت ہو جائے۔ انفرادی قبضہ باقی نہ رہے۔ اور جسمانی و دماغی اختلاف سے معیشت کا مختلف ہونا بنائے حق تسلیم نہ کیا جائے۔"

اشتراکیت کا بھی مقصد یہ ہے کہ اکثریت کی شعادت دور کی جائے۔ اور دولت کا امتیاز روکا جائے۔ اختلافِ معیشت کا خاتمہ کیا جائے۔ طبقاتی امتیازات مٹا دیئے جائیں۔ وہ چاہتا ہے کہ انفرادی ملکیت کی جگہ قومی ملکیت کا نظام قائم کرے اور مدارِ معیشت کا اونچ نیچ معدوم ہو جائے۔

ہمارے سامنے روس اور چین کی مثال ہے۔ پہلے اشتراکی نظام کو روس میں علی جامہ پہنایا گیا۔ اور طبقاتی امتیازات کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ دوسرا تجربہ چین میں ہوا۔ وہاں تھی جہوریت قائم ہوئی۔ ان ساری سلطانِ طاقتوں کے اشتراک سے سرمایہ داری اور زمینداری کا خاتمہ کیا گیا۔ لیکن قومی بورژوازی جس نے انقلاب میں حصہ لیا تھا حکومت میں شامل کر لیا گیا۔ دوسری طرف ہم چین کے اقتصادی نظام کو دیکھتے ہیں۔ مکئی، مایات چار حصوں میں منقسم ہوئی۔ قومی، تعاونی، انفرادی اور سرمایہ دارانہ۔ اور کوشش اس امر میں نہ ہوئی کہ عوامی یا قومی ملکیت کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینا چاہیے۔ بلکہ انفرادی ملکیت کو بھی سینپے کا موقع دیا جائے۔ پھر سرمایہ داری کے ایک حصہ کو بھی باقی رکھا گیا۔ اس معیہم ہو کہ چین کے سب سے تجربہ سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ مدارِ معیشت ایک مرتبہ نہ ملے ہیں۔ اگرچہ کوشش یہی ہے کہ غیر طبقاتی سمجھ ہو اور مکمل طور پر مساوات قائم ہو جائے۔ لیکن جیسا کہ ماؤ کی گیارہویں کمیونسٹ پارٹی کن رپورٹ کے پڑھنے سے پتہ

چلتا ہے کہ تضادات کا باقی رہنا ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر سماج ترقی نہیں کر سکتا۔ یہی اس رپورٹ کی روح بھی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ جذبہ نفرت کو ختم کرنا چاہیے۔ یہ غیر فطری ہے۔ تضادات غیر فطری نہیں ہیں بلکہ قدرتی ہیں۔ تو اس سے نتیجہ نکلا کہ اسلام جہاں مداخلت معیشت کے اختلاف کو باقی رکھنا ضروری تصور کرتا ہے اشتراکیت بھی اس کو ایک حد تک اور جمہوری دور میں باقی رکھنا چاہتی ہے۔ اور ”مطلق مساوات“ اس کے نزدیک بھی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ لیکن صرف یہ سمجھنا کہ اشتراکی نظام کی اساس و ہریت اور لادینی تصورات پر ہے اس لئے اس تجربہ کی طرف سے نگاہیں بند کر لینی چاہئیں۔ غلط ہے۔ اگر زندگی کے کسی بھی حصہ میں انسانی کوئی کام کر رہے ہوں تو ہم کو اس کو دیکھنا چاہیے۔ مولانا کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ اچھی بات کو سراہتے ہیں۔ اور انسانوں کی کوشش اور ان کی ”نئی نئی دریافتوں کو گناہ استحسان سے دیکھتے ہیں۔ اور ایک اعلیٰ انسان کی طرح اور اس دنیا“ کے انسان کی طرح چیزوں کو دیکھتے اور بھالتے ہیں

اسلامی نظام کا کوئی نمونہ ہمارے سامنے موجود نہیں، لیکن مولانا نے اس مسئلہ کو بڑی خوش اسلوبی سے حل کیا ہے۔ ”اگر اسلامی رہنمائی نہیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان اس کے نظام کو ترک کر دیں، نہ کو چاہیے کہ وہ انہیں بنائیں، جماعتوں کی تنظیم کریں، بیت قائم کریں۔ زکوٰۃ دیں۔ تاکہ بہت اموال میں روپیہ جمع ہو سکے۔ وقف کا نظام قائم کریں۔ اسلام ایک ایسے معاشرے کی تنظیم چاہتا ہے ایک ایسے سماج کو قائم کرنا چاہتا ہے کہ جس لوگوں کی بنیاد اور اخروی فلاح و سعادت حاصل کر سکیں۔ لیکن مسلمانوں نے اسلام کی تعلیمات کو کیسے بھلا دیا ہے، ان کو ترک کر دیا ہے تب ہی گمراہ ہیں۔ تب ہی وہ دوسرے نظاموں کی چپ دھکم سے بدلتا اثر ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس قرآن مبین ہے۔ ایک ایسا دستور، بعض ہے جس میں ان کی فلاح و بہبود کا سارا سامان مہیا ہے۔ ان کو اس کے تحت ایک معاشرہ کی تشکیل دینی چاہیے۔ تاکہ دنیا اس کے تجربہ پر آ رہے ہو۔ کس کا خیال تھا کہ اشتراکی انقلاب چاہتے ہیں اور انگلستان

میں آئے گا۔ لیکن اس کی پیشین گوئی غلط ثابت ہوئی۔ اور روس میں انقلاب آیا۔ اور سب سے پہلا تجربہ بھی وہیں ہوا۔

قرآن، مادی ترقی اور خوشیوں کے ساتھ ایک روحانی نئی مہم بھی رکھتا ہے۔ مادہ ہی سب کچھ نہیں ہے۔ مادہ میں انرجی ہے۔ اس میں متحرک روح ہے۔ خدا ساری کائنات کا خالق اور اس کا رب ہے۔ وہ ساری چیزوں کو پیدا کرتا ہے۔ نئی چیزیں پیدا کرتا ہے۔ نئی چیزیں پیدا کرتا ہے۔ وہ ایک پتھر سے بنا ہوا کو بھی، کسی طرح پالتا ہے جیسے کہ ایک بڑی مخلوق کو۔ وہ رحیم و عادل ہے۔ وہ رہے۔ ساری مادی ترقیات روحانی نظام کے تابع ہیں۔ اس کے بغیر ساری ترقی منسرت رہا ہے۔ تب ہمارے کاروبار کا پیش خیمہ ہے۔ انسانی گمراہی کا سبب ہے۔ تو اسلام ایک مکمل روحانی نظام رکھتا ہے۔ انسان دنیا میں چاہے کتنی ہی ترقی کر جائے۔ وہ آسمان کے قمار سے توڑا جائے۔ وہ ہوؤں، سمندروں، اور پہاڑوں کا حکمران ہو جائے۔ وہ کائنات کے سارے چھپے ڈھکے ترانوں کو دریافت کر لے لیکن اگر روحانیت سے بے بہرہ ہے۔ خدا کا منکر ہے۔ تو وہ انسانی ہدایت کا پیش خیمہ ثابت ہوں گی۔ جب کہ تجربہ نے ہم کو بتایا ہے۔ انسان کے ذریعہ انسان پہنچے کتنی ہی ترقی کر جائے لیکن اس کی یہ ترقی بے سود ثابت ہوگی۔ تو اقتصادِ نظامِ روحانی نظام ہی کا ایک حصہ ہے۔ وہ اس سے علیحدہ کوئی چیز نہیں۔ اگر انسانوں کو خدا کا خوف، آخرت کا ڈر، روحانی دنیا کے سمجھنے کا شعور نہیں ہوگا تو وہ باہم جنگ و جدل کریں گے۔ تب ہمارے کاروبار خراب ہو جائے گا۔ دنیا کی مہمزمین کو اپنی گمراہیوں اور تباہ کاریوں سے بھری دیں گے۔ ایک دوسرے کو قتل و غارت کریں گے۔ تو اسلام جو ساری روحانی نظامیں کا جامعہ ہے۔ ساری سچائیوں کی آخری صورت ہے جو دنیا میں سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لے کر آئے ہیں۔ پس ضرور ہے کہ اس کے روحانی نظام کو تسلیم کیا جائے۔ اور دنیا کی موجودہ ترقیات کو تسلیم کرتے ہوئے، اس کو عملی جامہ پہنانا چاہیے۔



آج اسلامی نظام کا کوئی عملی نمونہ ہمارے سامنے نہیں ہے لیکن مولانا نے اس مسئلہ کو بڑی خوش اسلوبی سے حل کیا ہے۔ اگر اسلامی ریاست نہیں تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مسلمان اس کے نظام کو ترک کر دیں۔ ان کو چاہیے کہ وہ انجمن بنائیں، جماعتوں کو تنظیم دیں بہت المال قائم کریں۔ اور زکوٰۃ دیں تاکہ بہت المال میں روپیہ جمع ہو سکے۔ وقف کا نظام قائم کریں۔ اور مرکزی حیثیت سے بہت المال کا نظام قائم کریں۔ اسلام ایک معاشرہ کی تنظیم چاہتا ہے۔ ایک ایسی سوسائٹی کے قائم کرنے کی دعوت دیتا ہے کہ اس میں رہ کر لوگ دنیاوی اور اخروی فلاح و سعادت حاصل کریں۔ لیکن مسلمانوں نے اسلام کی تعلیمات کو یکسر بھل دیا ہے۔ اس کو ترک کر دیا۔ تب ہی گمراہ ہیں۔ تب ہی وہ دوسرے نظاموں کی چمک دکھ سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس قرآن مہین ہے۔ ایک ایسا دستور العمل ہے جس میں انسانی فلاح و بہبود کے سارے سامان ہیں۔ ان کو اس کے تحت ایک معاشرہ کی تشکیل کرنی چاہیے۔ تاکہ دنیا اس کا تجربہ بھی کرے۔ کیونکہ ہم کا تجربہ روس میں ہوا۔ پھر چین میں ہوا۔ حالانکہ مارکس کا یقین تھا کہ اس کا تجربہ جرمنی یا انگلستان وغیرہ میں ہونا چاہیے۔ تو اس نظام کو عملی جامہ پہنانے کی بھی ضرورت ہے۔

قرآن مادی خوشحالی اور ترقی کے ساتھ ہی ساتھ ایک روحانی نظام بھی رکھتا ہے۔ مادہ ہی سب کچھ نہیں ہے۔ مادہ میں انرجی ہے۔ اس میں متحرک روح ہے۔ اس کائنات کے ساتھ روحانی نظام بھی۔ خدا اس ساری کائنات کا رب ہے، ایک ادنیٰ اور خفیہ بنادر ہے۔ نہ کہ کائنات کی بڑی سی بڑی چیز کو پاتا اور پروان چڑھاتا ہے۔ وہ رحیم و عاقل ہے۔ وہ ساری کائنات کا الہ ہے۔ مادی مادی ترقیات روحانی نظام کے بغیر بے فائدہ اور مضرت رساں ہے۔ تباہ کاری کا پیش خیمہ ہیں۔ انسانی گمراہی کا سبب ہیں۔ تو اسلام ایک مکمل روحانی نظام رکھتا ہے۔ یہی سارے نظاموں کی روح رواں ہے۔ انسان دنیا میں چاہے کتنی ہی ترقی کرے۔ وہ اس کے تارے توڑے۔ وہ ہواؤں، سمندروں، اور

پہاڑوں کا علم رہا ہو جائے۔ وہ کائنات کے چھپے ڈھکے خزانوں کو دریافت کر لے لیکن اگر روحانیت سے بے بہرہ ہے۔ خدا کا شکر ہے۔ تو وہ انسانی ہاکت کا پیش خیمہ ہی ثابت ہوں گی۔ جیسا کہ تجربہ ہے۔ سائنس کے ذریعہ چاہے انسان کتنا ہی ترقی کر جائے لیکن اس کی یہ ترقی بے سود ہوگی۔ نور روحانی نظام کو بہر حال تسلیم ہی کرنا پڑے گا۔ اقتصادی نظام روحانی نظام ہی کا ایک حصہ ہے۔ وہ اس سے کوئی علیحدہ چیز نہیں۔ وہ اسی کا تابع ہے۔ اگر انسانوں کو خدا کا خوف، آخرت کا ڈر اور روحانی دنیا کے سمجھنے کا شعور نہ ہوگا تو وہ باہم جنگ و جدل کریں گے۔ دُشمنوں کی، مذہب کے دوسرے سے جنگ و پیکار کریں گے۔ تباہ کاریاں کریں گے۔ اور خدا کی سرزمین کو اپنی گمراہیوں، تباہ کاریوں، ظلم و تعدی سے بھر دیں گے۔ ایک دوسرے کو قتل و غارت کریں گے۔ تو اسلامی نظام جو سارے روحانی نظاموں کا خلاصہ ہے۔ ساری سچائیوں کی آخری صورت ہے جو رذائل سے حضرت محمدؐ سے حضرت عیسیٰؑ تک دنیا میں انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجی ہیں پس ضرور ہے کہ اس کے روحانی نظام کو بھی تسلیم کیا جائے۔ اور دنیا کی موجودہ ترقیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو عملی جامہ پہنانا چاہیے۔ موجودہ جمہوری اور اشتراکی تحریکیں نتیجہ ہیں صدیوں کی انسانی کوششوں کا۔ یہ تاریخ کا ایک قدرتی نتیجہ ہے، اس کو کسی صورت میں بھی جھٹلانا نہیں چاہیے۔ مساوات کی روشنی، انسانی حقوق کی نرٹھاپ، اور انسانی خوشحالی کی روحانیوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک سچائی ہے۔ اسلام بھی ایک سچائی ہے۔ اور ایک دستورِ انصاف کی صورت میں سچائی ہے۔ قرآن خود اس بات کو بیان کرتا ہے کہ ہم نے جب درجہ زمانہ میں سچائی کو بھیجا ہے۔ تو یہ انھیں سچائیوں کی ایک بہرہ ہے۔ پس مذہب کو بھی سچائی میں پرکھنا چاہیے۔ تاریخ کی روشنی میں نہیں دیکھنا چاہیے۔ درجہ گمراہ ہو جائیں۔ آج سانپ اور بچہ ایک ساتھ ایک ہی میں رہ سکتے ہیں۔ لیکن مسلمان دنیا پرست ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ اس کی ایک ہی وجہ ہے اور وجہ ہے کہ وہ اپنے عہد کی روح کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ وہ اپنے زمانہ کو

ٹھیک طور پر نہیں سمجھ سکتے۔ وہ بے بصیر ہیں۔ وہ طعانات کے تقاضوں سے بے خبر ہیں۔

یہ تاریخ کا ایک قدرتی نتیجہ ہے۔ اس کو کسی صورت میں بھی ٹھکانا نہیں چاہیے۔ مساوات کی خواہش، انسانی حقوق کی آرزو نتیجہ ہے صدیوں کی جدوجہد کا۔ یہ ایک سچائی ہے۔ اسلام بھی ایک سچائی ہے۔ اور ایک دستور العمل کی صورت میں سچائی ہے۔ قرآن خود اس کا اقرار کرتا ہے کہ ہم نے ہر جگہ اور ہر زمانہ میں انسانوں کی سچائیاں اپنے مخصوص افراد کے ہاتھوں دنیا میں بھیجی ہیں۔ تو یہ انھیں سچائیوں کا ایک سلسلہ ہے۔ پس مذہب کو اسی روشنی میں پرکھنا چاہیے۔ تاریخ کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔ ورنہ ہم گمراہ ہو جائیں گے۔ آج سانپ اور بچہ ایک ساتھ ایک ہی میں رہ سکتے ہیں لیکن علماء دین پرست ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ وہ عہد کی روح کو سمجھنے کی بصیرت نہیں رکھتے۔ وہ کوتاہ ہیں میں، مولانا نے بھی ان ساری باتوں کو جا بجا تسلیم کیا ہے لیکن وہ روشن دماغ تھے، اور بقول پنڈت جواہر لال نہرو: ہم ان کی دماغ کی روشنی کے، دی ہو گئے تھے۔ تو وہ ایک ایسا دماغ تھے جس کو قومیں صدیوں میں پیدا کرتی ہیں۔ ورنہ ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کبھی انھوں نے سمجھا اور اس کی ترویج کی وہ اپنی کا حقدار تھے۔ وہ اپنے اس قلوب میں صدق تھے، میں مسلمان ہوں ورنہ ان کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ اسلام کی تیرہ سو برس کی شاندار روایتیں میرے دور سے آئی ہیں۔ میں تیار نہیں کہ اس کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں۔ اسلام کی تہذیب میری دولت کا سرمایہ ہے اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور کلچرل دائرہ میں اپنی ایک خاص ہمت رکھتا ہوں ورنہ ہر دہشت نہیں کر سکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ میں ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے۔ اسلام کی روح بڑے اس سے نہیں روکتی وہ اس راہ میں میری رہنمائی کرتی ہے تو مولانا نے اس طرح قرآنی تعلیمات کو سمجھا اور زمانہ کے سامنے اس کو پیش کیا کہ جب کہ اس صدی میں پیش کیا جاسکتا تھا۔



# ذکر مصحفی

(۳)

و جناب شہزاد احمد رضا فاروقی۔ دہلی یونیورسٹی ماہر بری۔ دہلی

”اگر پورنامہ کے تین گاؤں پر گئے امروہ میں موجود ہیں۔ ان تینوں میں اگر چوپڑی کی جائے وقوع  
یعنی وہ ہے جو مصحفی نے بتائی ہے۔ اس میں جیکل چوپڑیوں کی آبادی ہے۔ ”مصحفی دلی“ کے ہم مخزن  
دو گاؤں ہیں ایک ”بھوئی“ دوسرے ”بھوئی“ ممکن ہے جو مصحفی نے بھوئی کا مہیادوں کے دیوا ہو  
یا ہو سکتا ہے پہلے اس کا نام بھوئی تھا اب گڑ کر بھوئی۔ گیا ہو۔ دونوں باتیں قرین قیاس ہیں  
بہر حال ”بھوئی“ کی جائے وقوع مصحفی کے بیان سے مطابقت کرتی ہے جس کو مصحفی نے ”شیخ پور“  
کہا ہے وہ آج کل شیخ پور ہے۔ اور اس کی جائے وقوع بھی مصحفی کے بیان کے مطابق ہے گھر پور  
نام کا کوئی گاؤں پر گئے امروہ میں نہیں۔ بہت پر گئے کسبھل میں خاص امروہ کے سرحد پر گھر پور  
نام کا ایک گاؤں ہے جو کبر پور سے ۵۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے یہی گھر دارہ ملکائوں والا  
ہے معلوم ہوتا ہے شیخ نظام کے زمانے میں اس میں ملکائوں کی آبادی تھی۔“

یہی کبر پور ہے کبر پور پٹی کے نام سے متعارف ہے۔ یہ زیادہ سے زیادہ دو ٹھکان ہزار کی  
آبادی کا چھوٹا سا گاؤں ہے۔ قصبہ کسی زمانے کا تھا اب یہ ہے۔ ممکن ہے کہ پہلے مصحفی کے بعد وہ  
یہیں رہتے ہوں۔ مصحفی نے شیخ نظام کا سنگین تجربہ بھی کبر پور میں ہونا بیان کیا ہے جہاں تک  
تحقیق کیا گیا۔ کبر پور اس کے زمانے میں کوئی قدیم پختہ عمارت یا مقبرہ وقت نہیں ہے۔ ممکن ہو کہ  
انقلابات زمانہ کا سیلاب اپنے ساتھ یہاں لے گیا ہو۔

لے ساتھ ہی اردو ادب جلد نمبر ۳۰، ریت شہزاد احمد رضا فاروقی ”مصحفی دلی“ میں ملتی ہے۔

رب الم گڑھ | اب یہاں ایک دوسری روایت ہمارے سامنے آتی ہے یہ ایک شاہنشاہی کا بیان ہے جس نے لکھنؤ جا کر مصحفی سے ملاقات کی اور ان سے سوال کیا کہ آپ کا موند کون سا ہے۔ یہ مولوی عبدالقادر عظیمی راہپوری (۱۸۴۹-۱۸۸۱) تھے جو عام طور سے "مولوی عبدالقادر چیف راہپوری" کہے جاتے ہیں۔ اپنی زندگی میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ سرکار انگریزی کی طرف سے بھی اور ریاست راہپور کے ملازم کی حیثیت میں بھی۔ انھیں سیروسیاحت کا شوق بھی تھا۔ چنانچہ اصف الدو کے زمانے میں لکھنؤ پہنچے۔ وہاں انھوں نے قلمدخشاں جرات، میرانشاہ، اللہ شاں انشا، محمد حسن قسین، غلام ہدائی مصحفی اور شاہ نصیر دہوی وغیرہ سے ملاقاتیں کیں جسوں اور مشاعروں میں شریک ہوئے اور ان سب کی کیفیت اپنے روزنامے میں قلمباز کی ہے۔ یہ روزنامہ فارسی زبان میں لکھا گیا ہے۔ اس کا اصل قلمی نسخہ نواب صدرباکر خاں مرحوم کے کتب خانہ جمعیہ کاشی میں محفوظ ہے اور اسی کی ایک نقل رضا لاہوری راہپوری میں بھی موجود ہے۔ اس میں لکھتے ہیں:

"ایک روز ملاقات تفصیلی یہاں مصحفی شد کہ بخاندان بزرگوار ختم بہ پیشتر مردم درس "گل کشتی"

میرنجات داد سے و اصداں شعرا شریعہ می کرد بایں بہ نیاز مند زبان شبینہ بودی گفت کہ مولدش قلم گڑھ است کہ متعل شہاں جہاں باد است"

اس بیان سے مشہور عالم و محقق جناب قاضی عبدالودود نے بھی اپنی تہجہ کالابہ کے مصحفی، قلم گڑھ میں پیدا ہوئے اور متعدد جگہ اس عبارت سے استدلال بھی کیا ہے۔ لیکن یہاں اس کے قبول کرنے میں حق ہے کیونکہ چند بہت قوی شہادت اس پر دلا دہوتے ہیں۔

(الف) مجمع الفوائد کی عبارت کے بعد اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ مصحفی کا اکبر پور سے تعلق تھا۔ وہی ان کے آباؤ اجداد کا مسکن تھا۔ اور ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ اکبر پور سے

لے ان کے حالات کے ساتھ خط ہوں۔ انتخاب دیگر میرانی تذکرہ کا مدین راہپور۔ مدلی شوق قدوائی اور مسماہی اردو ادب جلد ہمارہ، مستمبوں محمد علی خاں اثر راہپوری۔ شہ عبدالقادر راہپوری: روزنامہ قلمی، ورق ۳۴۔ لٹ بچو دستور مساحت ۳۴۳۹ شہرہ ۱۸۲۱ وغیرہ۔

مراد سی مختصر سا گاؤں ہے جو امر وہہ کے پاس واقع ہے۔

(ب) خود مصحفی نے جٹ، انجوا میں بیان کیا ہے کہ ان کے دادا درویش محمد اور ایک بڑے بھائی غلام جیلانی، امر وہہ میں مدفون ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ مصحفی کے دادا بھی امر وہہ میں رہتے تھے اور ان کے والد بھی۔

(ج) سید اصغر حسین ریاض التاریخ، انٹری کافون بھی عمر نے پہلے نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مصحفی کے والد ولی محمد، امر وہہ کے محلہ کالی پکڑی میں سکونت رکھتے تھے۔ لیکن انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مصحفی کے اعقاب میں بکونی یہاں باقی نہیں جس سے حسب نسب کا حال معلوم ہوا۔ مصحفی نے آئین لدولہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے جو مختصر ”معرکہ انشا“ کے زمانے میں (۱۲۱ھ) کے نگ بجگ لکھا تھا اور ان کے دیوان چہارم میں شامل ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ لکھنؤ میں کوئی عزیز یا رشتہ دار نہیں تھا۔

یگرچہ جٹ، انجوا جو تقریباً ۱۲۸ھ میں تصنیف ہوئی اس پر شہادت دے رہا ہے کہ مصحفی کے ایک بھائی غلام صمدانی نے دوڑ کے چھوڑے تھے ایک تو بیس سال کی عمر میں، لکھنؤ ہی فوت ہوا، دوسرے کی شادی ہو گئی تھی لیکن جٹ، انجوا کی تصنیف کے وقت تک اس سے کوئی اولاد نہیں تھی۔ غالب قیاس یہی ہے کہ مصحفی کا یہ بھتیجا امر وہہ میں رہتا ہوگا اور دوسرے بیٹے جنھوں نے لباس فیزی پسین یہ تھا وہ بھی ممکن ہے کہ امر وہہ میں سکونت رکھتے ہوں۔ مگر ظہم گڑھت بہر حال کسی کا کوئی تعلق ثابت نہیں۔

(د) مصحفی کے بعد دو کڑی خانہ بادشاہ کرتے تھے۔ اور خانہ بادشاہ کا ظہم گڑھ سے کچھ علاقہ نہیں۔ اور ان کے کسی شریک سے بننے کی دلیل کی جا سکتی ہے خود مصحفی نے کہیں ظہم گڑھ کا نام تک نہیں لیا۔ اکبر پورہ اور امر وہہ میں تو قریب کی ایک مناسبت بھی ہے لیکن ظہم گڑھ سے

۱۔ سید حسین، تاریخ انٹری (۱۸۷۴/۱۳۹)۔ ۲۔ مصحفی، دیوان چہارم، رشتہ جٹ، خانہ تصنیف، سید

۳۔ دیکھیں، یہ مختصر ”معرکہ انشا“ کے باب میں اپنے محل پر درج کیا جائے گا۔



کوئی رشتہ شخص عبدالغنی درہ پوری کے بیان کو بنیاد بنا کر قائم نہیں کیا جاسکتا۔  
 (رج) امیر احمد علی مرحوم نے اپنے قیاس کے طوٹے قیاموں اڑائے ہیں کہ  
 درہ پور میں بیشتر رہی میں رہتات لیکن نسبت کو ثمرات کا بلحا سمجھ کر اکبر پور کے وطن کو رہی کی  
 بود و باش پر ترجیح دینے سے مستورات کا مسکن وہیں تھا۔ اور اسی مبارک زمین پر اس بلند  
 اقبال صا جزو کے کنارت ہوئی جو صحنی کے تخلص سے دنیائے ادب میں مشہور و معروف ہے۔  
 یہ بالکل بے بنیاد باتیں ہیں جنہیں محمد حسین آزاد کی سنت پر عمل کرتے ہوئے لکھ دیا گیا ہے۔  
 ایسی خیال آرائیوں کو اساد کی کسوٹی پر چب بھی پرکھا جائے گا ثبت غلبوت سے بھی زیادہ کمزور  
 ثابت ہوں گی۔ اِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبِیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ۔

(باقی)

نئے نگار لکھنؤ، صحنی بند، جلد ۲۵، شمارہ ۱، جنوری ۱۹۶۹ء

## ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ

۱۸۵۷ء کے واقعات پر ہندوستان و پاکستان میں متعدد کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں۔ لیکن یہ روزنامہ  
 اپنی مختلف خصوصیات کی بنا پر ایک عجیب، تاریخی و تاریخی روزنامہ ہے۔ لکھنے والے عبد لطیف میں جنہوں نے قندہا ہلی کا  
 آنکھوں دکھا حاکم صاف شستہ اور موثر انداز میں سپرد قلم کیا ہے، اس روزنامہ میں بعض ایسی معلومات بھی ملی ہیں جو پہلی بار  
 ہی روزنامہ کے ذریعہ سامنے آئی ہیں۔ اس کو پڑھا کر شستہ کے سن اسود اور غیر ناک، تاریخی ہنگامہ کے چشم دید حالات  
 و واقعات کا نقشہ ایک خاص ترتیب کے ساتھ سامنے آجائے۔

کتاب کے مرتب مشہور فاضل اور مورخ طیف احمد صاحب تھامی ہیں جن کی تاریخی بصیرت مسلمات کا درجہ  
 رکھتی ہے۔ شروع میں ڈاکٹر یوسف حسین صاحب پرورد اس چانسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پیش لفظ کے علاوہ  
 طیف احمد صاحب کا نہایت جامع اور نصیرت افزا مقدمہ بھی ہے اس کے بعد اصل روزنامہ کا فارسی متن اور پھر اس کا سہل  
 و سگفتہ ترجمہ صفحات ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸



## ”معراجِ بخودی“

رجائبِ فضا این فیضی

نشاۃِ حوصلہ زندگی سے دور رہے  
 اُس اک تبسمِ غمِ آفریں کی بات نہ پوچھ  
 اسی کو کہتے ہیں معراجِ بے خودی شاید  
 بنامِ عشوہ و ناز و ادائے ہیں تجھے  
 شعورِ غم سے ہے عرفانِ زندگی کو فروغ  
 مرے جنوں کی طرح صاحبِ نظر ٹھہرے  
 خود اپنے آپ سے بھی دور رہ کے دیکھ لیا  
 مجھے ستم پہ بھی ہے اعتبارِ حسنِ کرم  
 زہے کرم مرے ایامِ غم کو دی تو نے  
 یہ اپنا اپنا مقدر ہے اپنا اپنا نصیب

خمارِ تیرا نصیبی اتر سکا نہ فضا !

سحر ہوئی بھی تو تہِ روشنی سے دور رہے





## تبصرے

سحرِ طلال :- تصنیف کلاں، ضخامت ۸۷ صفحات، کتابت و طباعت بہتر، قیمت پانچ روپیہ پچاس نئے پیسے، پتہ ۵۵۶۰۰ ڈاکس روڈ، بایسکھ، بمبئی ۱۱۔

جناب سائر بھوپالی اردو کے روشناس شاعر ہیں۔ یہ کتاب انھیں کے کلام کا مجموعہ ہے۔ اس میں نظمیں اور قطعات تو ہر اے بیت ہی ہیں۔ سائر صاحب اصل میں غزل کے شاعر ہیں۔ غزل میں بھی اگرچہ ان کا رنگ پرانا ہے لیکن کلام میں صفائی اور ستھرا پن ہے۔ تخیل میں ربط اور تسلسل ہے۔ اس کے علاوہ سوز و گداز جو غزل کی جان ہے اس کی بھی کمی نہیں ہے مثلاً :-

کچھ خبر بھی ہے دل نے کتنی بار      شبِ نعم میں تجھے پکارا ہے

جس کی تبیر تھی مضممری بہ بادی میں      کیس پر کیف تھا وہ خوابِ جوانی مت پوچھ  
مگر بعض اشعار پچھلے اور بے کیف ہیں مثلاً

جوانی کی تمھاری لغزشوں سے      جیسا کہ بھی پسینہ آ رہا ہے  
بچاؤ اپنے زمانِ جیسا کو      کہ دستِ شوق بڑھتا جا رہا ہے  
علاوہ انہیں زبان کی غلطیاں بھی ہیں :-  
جدائی بچی، مری ہو سب کچھ  
مگر کچھ محبت میں کم دیکھتا ہوں

کیسی بے رنگ ہے ہر صبح تیری نازت میں      کتنی غناگ بے ہر شام سہانی مت پوچھ  
بہر حال مجموعی حیثیت سے کلام راقِ متِ ادب۔

## قرآن کے بنیادی تصور (انگریزی) :- ڈاکٹر سید عبداللطیف تقی طبع متوسط، ضیاء

صفحات: ۱۸۰، پٹی: ۱۰، قیمت: ۱۰/- چھ روپیہ پچاس نئے پیسے، پتہ: ۱۰، اکاڈمی آف اسلام

اسٹڈیئر نمبر: ۴۴، گاپورہ، حیدر آباد، کن (انڈیا)

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ترجمان القرآن کی جلد اول میں سورہ فاتحہ کی تفسیر جس خاص انداز میں لکھی ہے اور اس میں فلسفہ اور مذہب کے پیوند پر جو بصیرت افروز حقائق بیان کئے ہیں ان کے عام افادہ کی غرض سے ضرورت تھی کہ ان کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جاتا، اس کام کے لئے ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب جو انگریزی زبان کے نامور ادیب اور انشا پرداز ہیں ان کے سوا اور کون زیادہ موزوں ہو سکتا تھا چنانچہ جیسا کہ موصوف نے اس کتاب کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے انھوں نے پوری سورہ فاتحہ ہی کی تفسیر کا ترجمہ انگریزی میں کر ڈالا ہے جو عنقریب شائع ہوگا۔ اس کتاب میں انھوں نے اس تفسیر کے چند چند مضامین کو اپنی زبان میں بیان کیا ہے یہ مضامین یہ ہیں :- خدا کا قرآنی تصور، خدا کی صفت الوہیت، صفت رحم و ربوبیت، صفت عدل، وحدت وحی الہی، وحدت انسانی، ان مضامین کی بنیاد اور ان کا مغز مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تحریر ہے لیکن الفاظ اور پیرایہ بیان ڈاکٹر صاحب کے ہیں اور حق یہ ہے کہ انھوں نے ترجمہ کا حق ادا کر دیا ہے جس سے مسلم اور غیر مسلم انگریزی تفسیر یافتہ اصحاب کو فائدہ اٹھانا چاہیئے، ہم یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں وحدت ادیان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ اگرچہ بڑی حد تک درست ہے لیکن مولانا نے اس بحث کے بعض گوشوں کو نا تمام چھوڑ دیا ہے اور اس بنا پر اس سے بعض منخاستے پیدا ہوتے ہیں یہاں تفصیل کا موقع نہیں لیکن اس قدر کہہ دینا بہر حال ضروری ہے کہ بلاشبہ تمام ادیان کی اصل ایک ہی ہے اور فرق جو کچھ ہے وہ شریعت اور مذہب کا ہے لیکن دین ایک ہی جمعی ہے جس کا وجود بجائے خود کچھ نہیں۔ اس کا تحقق ہمیشہ افراد کے ضمن میں ہوتا ہے اس بنا پر ایک شریعت کے بعد جب دوسری شریعت آتی ہے تو اب دین اسی شریعت کے اثبات اور پیروی میں منحصر اور محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ ورنہ اگر یہ بات نہ ہو تو لوگوں میں فترت اور پراگندگی پیدا ہو جائے۔ حالانکہ دین کا مقصد وحدت اور یکپہتی

پیدا کرنا ہے۔ قرآن جو وحدتِ ادیان کا اعلان کرتا ہے، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ دین کا ظہور مختلف شریعتوں کی صورت میں ہوتا رہا، اور چونکہ دین کی اصل ایک ہے اس لئے اس کا تحقق جن جن مختلف شریعتوں کی شکل میں ہوا وہ سب شریعتیں اپنے اپنے عہد میں واجب الاتباع تھیں۔ لیکن اب جب کہ شریعتِ محمدیؐ کا ظہور ہو گیا ہے دین کا انحصار اسی میں ہو گیا ہے۔ یعنی ایمان باللہ اور عمل صالح جو اصل دین ہے اب وہی مستبر ہو گا جو تعلیماتِ محمدیؐ کے مطابق ہو گا۔ یہ ایک واضح بات ہے جو قرآن سے صاف ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن مولانا ابوالکلام آزاد نے وحدتِ ادیان کے مسئلہ پر اس انداز سے گفتگو کی ہے کہ یہ حقیقت مشتبہ ہو گئی ہے اور افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب بھی اس اشتباہ کا شکار ہو گئے ہیں۔ جیسا کہ کتاب کے بابِ پیم کی بعض عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

تفسیر سورہ بلب	صفحات ۶۶	قیمت ۲۸ پیسے	تفسیر سورہ نازرون	صفحات ۴۸	قیمت ۲۸ پیسے
تفسیر سورہ کریم	۶۲	۶۶	تفسیر سورہ قیامہ	۶۶	۵۰
تفسیر سورہ فیل	۸۱	۶۴	تفسیر سورہ والعصر	۶۴	۵۰
تفسیر سورہ ہاتھین	۶۶	۵۲	تفسیر سورہ الشمس	۵۲	۴۴
تفسیر سورہ عبس	۶۶	۵۶	تفسیر سورہ مرسلات	۵۶	۵۰

تیسرے خور کاغذ اور کتابت و تصانیف بہترین اور عمدہ۔ پتہ: دارالترغیب و تہذیب مدرستہ الاصلاح  
سرانیمیر۔ ضلع اعظم گڑھ۔

مولانا حمید الدین فراہی کو اس دور میں قرآن مجید کے فہم اور اس میں غور و تنقید کا خاص ذوق قدرت نے عطا فرمایا تھا۔ دو قرن کے حقائق و معارف سے آشنا ہونے کے لئے جن علوم و فنون میں درک و بصیرت کی ضرورت تھی مولانا ان میں بڑی دہش گاہ رکھتے تھے۔ اس بنا پر مولانا کی تفسیر کا انداز علمی بھی ہے اور شعری بھی۔ درحقیقت یہ تفسیر بعضاً کا آئینہ دار بھی ہے۔ موصوف کی تفسیر کے مختلف اجزاء پر اس صفحات میں متعدد رہنمائی ہو چکا ہے۔ مندرجہ ذیل کتابیں بھی اسی سلسلہ کی ہیں۔ ان کی اصل عربی میں تھی۔ اردو ترجمہ مولانا امین احسن اعلاحی نے کیا ہے۔



ان سب سورتوں کی تفسیر میں بھی فاضل مغتر کی غیر می خصوصیات مکمل طور پر جلوہ گر ہیں یعنی وہی سورۃ کا عمود اور ما قبل سے اس کا ربط بیان کرنا۔ الفاظ کی لغوی تشریح۔ ہم معنی اور ہم مطلب آیات کی یکجا فراہمی۔ سورۃ کے اہم مباحث پر مفصل گفتگو۔ قدیم تفسیری روایات پر موقوف و محل کے مناسب نقد و جرح۔ البتہ ان قرآن کے بعض مطالب سے متعلق مولانا نے جو کلیات وضع کئے ہیں اور جن پر وہ عام تفریع کرتے چلے جاتے ہیں چونکہ وہ قیاسات پر مبنی ہیں اس لئے ان سے اختلاف کی کہیں کہیں بڑی گنجائش ہے۔ بہر حال یہ تمام حقیقتیں بھی اس لائق ہیں کہ قرآن مجید کا ہر ذوق رکھنے والا ان کا مطالعہ کرے اور درجہ بڑا شگفتہ سہل و رعایا مہذب بہ بات تک کہ ترجمہ ترجمہ ہی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے عربی نہ جاننے والے حضرات بھی پورے طور پر ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

## اسلام کا اقتصادی نظام

چوتھا ایڈیشن

(تالیف مولانا محمد غفرار حسن صاحب ریت ندوۃ المصنفین)

ایک عظیم الشان کتاب جس میں اسلام کے پیش کئے ہوئے اصول و قوانین کی روشنی میں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کے تمام اقتصادی نظاموں میں اسلام کا نظام اقتصادی ہی ایسا نظام ہے جس نے محنت و سرمایہ کا صحیح توازن قائم کر کے اعتدال کا راستہ نکالا ہے اور جس پر عمل کرنے کے بعد محنت و سرمایہ کی لڑائی ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتی ہے۔ زیر نظر ایڈیشن میں بہت سے اہم اور مضبوط اضافے کئے گئے ہیں۔ کتنی ہی جدید بحثیں بڑھ گئی ہیں۔ مضامین کی ترتیب کی نوعیت بھی بدل گئی ہے۔ صفحات کی سطر میں بڑھانے کے باوجود حجم کافی بڑھ گیا ہے۔ کتاب کی اہمیت اور مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ چند ہی سالوں میں اس کا چوتھا ایڈیشن نکل چکا ہے۔ ملک کے تمام قابل ذکر اخبار و رسائل اس کتاب کو دورِ حاضر کی بہترین کتاب قرار دے چکے ہیں۔ صفحات ۴۰۸۔ بڑی تقطیع۔ قیمت پانچ روپے پچاس نئے پیسے بلند چھ روپے پچاس نئے پیسے۔

# برہان

جلد ۲ | ستمبر ۱۹۵۹ء | مطابق ربیع الاول ۱۳۷۹ھ | شمارہ ۳

## فہرست مضامین

۱۳۰	سمید احمد، کبر آبادی	ذخرات
۱۳۳	مولانا ظفر الدین صاحب دارالافتاء دارالعلوم دیوبند	اسلام کا نظام امن و امان
۱۳۹	مولانا ابو محفوظ الکریم مدھوی پکچر تاریخ مدرسہ عالیہ کلکتہ	سند و سند کا ایک علمی وثقافتی تذکرہ
۱۴۴	مولانا محمد تقی صاحب امینی صدر دارالعلوم مینیا اجیر شریف	اختلاف فقہاء کے اسباب
۱۵۱	جناب ڈاکٹر خورشید احمد فاروقی صاحب استاد ادبیات دہلی یونیورسٹی دہلی	تاریخ الردۃ
۱۵۹	جناب نثار احمد صاحب فاروقی دہلی یونیورسٹی لاہوری، دہلی	ذکر مصحفی
۱۸۷	خان بہادر سید شرف حسین مرحوم	ادبیات - مید دیدار
۱۸۸	جناب سعادت ظفر صاحب ایم اے	غزل
۱۸۹	ذی	تبصرے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## منظرا

اگر کسی شخص نے آپ پر ظلم کیا ہے تو اس میں شک نہیں کہ اس نے تو برا کیا ہی ہے اور اس لئے وہ  
منرا کا ستی اور رقی مذمت ہے سین اس میں تصور آپ کا بھی ہے اور وہ یہ کہ آپ کمزور تھے یا اس کے حملہ سے  
بے خبر تھے اور اس لئے آپ سے پہلے سے ہی خفاست اور بپاؤ کا انتقام نہیں کر رکھا تھا۔ دنیا میں کوئی چیز یا کوئی  
واقعہ بغیر کسی سبب کے نہیں ہوتا اور ظلم کے سبب کا تعلق جس طرح ظالم کے ساتھ ہے خود مظلوم کے ساتھ بھی ہوتا  
ہے۔ پھر جو شخص حق کو کسی صداقت پرستی یا اپنے کسی علی نسب یعنی زندگی کی وجہ سے کسی کا مظلوم ہوتا  
ہے وہ صرف ظالم کے ظلم کی شکوہ سنی اور اپنی مظلومیت کے اعلان و ظہار پر قناعت رکے نہیں بیٹھا بلکہ صبر  
و استقلال، غم و ہمت اور پامردی کے ساتھ اپنی قوتوں کو منظم کرتا ہے، ان قوتوں میں زندگی، ورتوانائی پیدا  
کرتا ہے۔ اس راہ میں اس کو جو صعوبتیں اور دشواریاں پیش آتی ہیں ان کو گنیز کرتا رہتا ہے لیکن اپنے قوا کی  
تنظیم سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ خرابیک دن نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ظلم کا تختہ سٹ کر رکھ دیتا ہے اور بظالم خود اس کے  
رحم و کرم کا مخرج بن کر سامنے آتا ہے۔ اور اس وقت قرآن کی بیان کردہ حقیقت سَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ  
مَنْطَلَبٍ يَنْصَلِبُونَ۔ روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے عہد نبوت میں مسلمانوں کی مکہ اور مدینہ کی دونوں زندگیوں کا  
یکجائی معاملہ کیا جائے تو دہر جو کچھ کہا گیا ہے اس کے صحیح تسلیم کر لینے میں کوئی تیر و نہیں ہو سکتا۔

ظلم کا مقابلہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دو قسم کے آیت و اسباب بیان فرمائے ہیں ایک روحانی  
واحدی و دوسرے مادی و جسمانی پہلی قسم سے مراد یہ ہے کہ تم یہ نفس رکے اللہ کے ساتھ اپنا معاملہ درست  
کرو، اس پر کامل بھروسہ و اعتماد رکھو۔ دنیوی مصائب و دام کا اثر اتنا نہ ہو کہ تم کو خدا کی قدرت اور عمل صالح کی  
قسمت میں شک ہونے لگے۔ دشمنوں کے ساتھ بھی انہماک کرو اور اپنے حسن اخلاق سے ان کے دلوں کو مسخر کرنے





نہانہ اندری کا راستہ ملے گا ہی نہیں۔ اصل یہ ہے کہ اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ اسی سوال کا جواب ہے اور جواب بھی بالکل شافی۔  
 قسطنطنیہ اور واقعی۔ لیکن سو یہ ہے کہ آپ نے اس میں اب تک کیا کیا ہے؟ اس دور کے روحانی اور اخلاقی، تقدیر حیات کو اپنایا؟  
 ظلم و نا انصافی کے خلاف احتجاج کو نیا، موثر اور بڑا درجہ دینے اور اپنے حقوق و مطالبات کی حمایت میں رسے عام پیدا کرنے کے لئے  
 اردو پریس کے ساتھ ساتھ انگریزی اخبارات اور روزنامہ کی سخت ضرورت ہے اور اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھایا گیا؟ ملک بھر میں  
 مسلمانوں نے نئے نئے مدیکل کالج کئے، انجینئرنگ کالج کھولے، ہونہار مسلمان طلباء کو اعلیٰ تعلیم کے لئے وظائف دیکر باہر کے ملکوں  
 میں بھیجے گا کوئی بندوبست ہو؟ مسلمانوں کی بے روزگاری دور کرنے کے لئے گھر پر دست کاری کے کئے کا نشانہ بنے؟ کتنی  
 کو پریٹو سوسائٹیاں قائم ہوئیں؟ مگر یہ سب کام تو سی وینٹ ہو سکتے ہیں جبکہ مسلمان پارٹی بازی و ردھڑے بندھی الگ ہو کر  
 اپنی قومی مسائل و معاملات پر غور کریں ان کو حل کرنے کیلئے متفقہ ہر وجہ کریں اپنی شیرازہ بندی کی طرف متوجہ ہوں اور جنوبی ہند  
 مسلمان شمالی ہند کے مسلمانوں کے معاملات کو خود اپنے معاملات سمجھتے ہو تو قدم کئے متفقہ اٹھئے، اور جو وزارت نکلے متحدہ نکلے۔ قومی مفاد  
 ہر شخص، اور جماعتی مفاد ہی لا ہو۔ قوم کی، سودگی کا خیال اپنی ذاتی رعایت اور پیروی کے خیال پر غلبہ ہو آپ  
 کہتے ہیں کہ مسلمان غریب ہیں لیکن پورے ملک میں بچہ کر دے مسلمان تو ہوں گے اور یہ مسلمان اپنی چار اسگرٹ پان دریا مینی  
 پر پاناہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں گراس کا وسطانی کس نہ آتا بھی رکھ دے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر سب مسلمان قومی ضرورتوں  
 کا احساس رکھ کر صرف اس قدر کریں کہ ایک ماہ کا یا ہلکے غیر ضروری خرچ قومی فائدہ میں دیدیں تو اس طرح دھائی کر دے وہ پیر  
 جمع ہو سکتا ہے جس سے بیسیوں ہم کام پیکسل کو پہنچ سکتے ہیں اب دریا خور کہئے یہ ایک وہ قوم جو موت و حیات کی کشمکش سے دوچار  
 ہو جس کے لئے جتنے فتنے ہو رہے ہیں ان کی اس کیلئے کچھ کرنا کوئی سکھ بات ہے؟ اس لئے سوال دراصل یہ نہیں ہے کہ  
 مسلمان کیا کریں؟ ”کہہ دیتے کہ کون کرے اور کیوں کرے“

پچھلے دنوں معزز مددگارین صاحب غنیمت بڑھ، صدق ہدیہ، غنیمت دہی، غنیمت دہی، یہ سنت کا نیر زشتہ  
 ہمیں جمہور علی گڑھ ہماری زبان ملی گڑھ درسلم یونیورسٹی گڑھ نے دن کے عل وہ کسی اور اجاریا رس لے لکھا ہو تو اس  
 علم نہیں ہو سکا، ساکسار اتم، لحدون کے مسلم یونیورسٹی سے وابستہ ہونے پر جو ادارتی نوٹ اور شذرات لکھے ہیں یہ پیمیز  
 ان کے لئے تو دس سے شکر گزار ہے۔ دربارہ گاہ خداوندی میں دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں اور دستوں کے حسن ظن  
 کو پور کرے اور سلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ان کو جی طور پر جو وقت ہونی چاہیے وہاں یہ تکمیل کو پہنچیں۔

# اسلام کا نظام امن امان

## قتلِ خطا اور اسکی روک تھام

(سلسلہ کیلئے ملاحظہ فرمائیے: برہان تیسرہ)

دار: مولانا محمد ظفر لدین سنا دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

اب تک قتلِ عمد کے سلسلہ کی تفصیل بقدر ضرورت پیش کی گئی، لیکن کبھی کوئی کسی کو غلطی دھوکہ یا شبہہ میں مار ڈالتا ہے یہ مسلم ہے کہ ان صورتوں کی نوعیت بالکل الگ ہے۔ کیونکہ تہمت کے قصد و ارادہ کو اس میں بالکل نہیں ہوتا ہے، بلکہ قہراً کا نکتہ درجہ پرورنی ضروری پائی جاتی ہے، اسلام نے اسی وجہ سے اس کی سزا قتلِ عمد سے مختلف تجویز کی ہے۔ قتلِ عمد کو نہ تو بالکل یہ کہہ کر معاف کر دیا ہے کہ اس کے ارادہ اور نیت کی دخل نہیں ہے، اور نہ اس کے قتل کا حکم، فذکیا ہے کہ شکل جو بھی تھی، لیکن اس نے اپنی جان بہر حال ضائع کی ہے، بلکہ یہاں بھی وہی عندہ کی رہا، خیر رکی ہے جو اسلام کے خمیر میں داخل ہے، سزا اس قدر چھٹی مقرر کی ہے کہ یہیں سے کسی کو اعتراض کا موقع نہ مل سکے، ورنہ یہی اس طرح کے واقعات کی تیندو کے لئے روک تھام بھی ہو جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَمَا كَانَ يُؤْمِنُ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ سَبْعَةِ مِائَةٍ مِّنْ ذِي نَفْسٍ حَيَّةٍ وَدِيَّةٌ مُّسَدَّدَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ أَكَلَتْ تَصَدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنَ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُُمْ مُؤْمِنُونَ

کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے، کسی غلطی سے ہو جائے زور و در بات ہے، ورنہ شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک ہزار مہینہ و بیس کا سزا دیکر رہا ہے اور نہ تو اس پر بھی جو اس کے خاندان والوں کو



فَتَحْرِيرُ سَابِقَةِ مُؤْمِنَةٍ، وَإِنْ كَانَ  
مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّثَاقٌ  
فَدْيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَمُحْرَرٌ  
سَابِقَةِ مُؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ  
فَصِيَامَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً  
مِّنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا۔

دیا جائے مگر یہ کہ وہ لوگ منافک نہ ہوں، اور  
اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ کسی معاہدے کے تحت  
ہوں تو وہ خود مسلمان ہوں تو ایک غلام یا نوٹری  
آزاد کرنا پڑے گا۔ اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ  
تم میں اور ان میں معاہدہ ہے تو خون بہا بھی  
واجب ہے جو اس کے خاندان والوں کو  
دیا جائے، اور ایک مسلمان غلام یا نوٹری کا  
آزاد کرنا پس جو اس کو نہ پائے تو اس پر  
دو مہینے لگاتار روزہ رکھنا ہے، بطور توبہ اللہ  
کی طرف سے ہے اور اللہ جانتے والا اور

حکمت والا ہے۔

(النساء - ۴)

قتل خطا کی جچی ملی سزا | اس آیت کے پسندیدہ پہلے شہرت تھا نوی کا تفسیری ترجمہ ملاحظہ فرمائیے

لکھتے ہیں :-

”اور کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو عمدتاً قتل کرے، مگر غلطی سے ہو جائے تو وارث  
بات ہے، اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر شہر ایک مسلمان غلام یا نوٹری  
آزاد کرنا واجب ہے اور خون بہا بھی واجب ہے جو اس مقتول کے خاندان والوں کو یا مرنی  
جو ان میں وارث ہیں، بقدر حصص میراث خود کر دی جائے اور جس کے کوئی وارث نہ ہو،  
بیت المال قائم مقام وارث کے ہے، مگر یہ کہ وہ لوگ اس خون بہا کو معاف کر دیں خواہ کل  
خواہ بعض، دانتی ہی معافی ہو جائے گی، اور اگر وہ مقتول خطا، ایسی قوم سے ہے جو تمہارے  
مخالف ہیں یعنی حربی ہیں، اور انہی میں کسی وجہ سے رہتا تھا، اور جو شخص خود مومن ہے، تو ضرور  
ایک غلام یا نوٹری مسلمان آزاد کرنا پڑے گا، درودیت اس نے نہیں کہ اگر وارث اس مقتول کے

مسلمان ہیں تب تو وہ تحت ولایت مسلم حاکم نہ ہونے کے باعث مستحق نہیں رہے یقینی  
 بعد وکلا لیتے (علیہ السلام) اور اگر کافر ہیں، تو اس صورت میں دیت بیت المال کا حق ہوتی  
 ہے اور دارالخریج بیت المال میں ترکہ لایا نہیں جاتا، اور اگر وہ مقتول خطا ایسی قوم سے ہو  
 کہ تم میں اور ان میں معاہدہ صلح یا ذمہ کا ہو، یعنی ذمی یا مصالح دستا من ہوا تو خون بہا بھی  
 واجب ہے جو اس مقتول کے خاندان والوں کو دینی ان میں جو وارث ہیں ان کے احوالہ  
 کر دی جائے، کیونکہ کافر کا ترکہ وارث ہوتا ہے، اور ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا چاہے گا،  
 پھر جن صورتوں میں غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا واجب ہے جس شخص کو غلام یا لونڈی بنے  
 اور نہ اتنے دام ہوں کہ خرید سکے، تو اس کے ذمہ بجائے اس آزاد کرنے کے متواتر یعنی  
 لگاتار دو ماہ کے روزے ہیں، یہ آزاد کرنا، اور وہ نہ ہو سکے، تو روزے رکھنا بطریق توہب کے ہو  
 جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے یعنی اس کا طریقہ مشروع ہوا ہے۔

سزا میں اعتدال | اسلام نے غلطی اور خطائے قتل کرنے والوں کی جو سزا مقرر کی ہے، بار بار غور کیجئے،  
 کہ وہ کس قدر درست ہے، قصاص میں لے نہیں تجویز کیا کہ اس قاتل کا حقیقت میں کوئی اس طرح  
 کا قصہ نہیں تھا، بلکہ نادانگی میں اس سے یہ گنہ سرزد ہوا ہے، مثلاً اس نے شکار سمجھ کر گولی چلائی، مگر  
 جب وہ شکار گرا تو معلوم ہوا، شکار نہیں آدمی ہے، یا وہ ایک نشانہ پر گولی چلا رہا تھا، اور اتفاق سے  
 وہ گولی بیکر کسی آدمی کے لگ گئی اور وہ مر گیا، اور نہ بالکل صاف کر دیا، اس وجہ سے کہ  
 انسانی جان بہرحال ضائع ہو گئی جس سے قوم و ملک کا نقصان عظیم ہوا، اور اس کے ورثہ کو  
 صدمہ پہنچا۔

قاتل کے ساتھ اہل نصرت | ہذا دونوں سپہوؤں کا کھانا کر کے سزایہ مقرر کی گئی کہ وہ قاتل خطہ غلام یا  
 کی سزا | لونڈی آزاد کرے، عدل وہ ان میں اہل نصرت یعنی حامی و مددگار، اور قاتل  
 دونوں مل کر دیت دھون بہا بھی داکریں، گویا خود قاتل کی بھی تہنید ہوئی، کہ وہ آئندہ سے خوب

دیکھ بھال کرو اور پوری احتیاط کے ساتھ اس طرح کے موقعوں پر کام کریں، اور اس کے اہل نصرت کو بھی ہدایت ملی کہ وہ اپنے آدمیوں کی پوری نگرانی رکھیں تاکہ آئندہ ان پر مالی تاوان عائد نہ ہونے پائے۔  
ایسا قتل جس میں قصود و ارادہ کو دخل نہیں ہوتا ہے، اس کی اپنے اپنے فہم کے مطابق فقہاء نے کئی قسمیں قرار دی ہیں اور ان قسموں کی بہترین میں تھوڑا تھوڑا فرق بھی بیان کیا ہے، مگر حکم سب صورتوں کا سزا کے باب میں ایک ہی ہے، جیسا کہ قرآن پاک نے بیان کیا ہے یعنی کفارہ میں غلام یا لونڈی آزاد کرنا اور دیت یعنی خون بہا دینا۔

قتل خطا کی مختلف صورتیں | یوں تو کتب، حنفی میں یہ مفسر ہے کہ قتل کی پانچ قسمیں ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کی تفصیل بھی مذکور ہے، اس میں صاحب نہایت نے نقل کیا ہے کہ امام اعظم قتل کے دراصل تین ہی طریقے بتاتے ہیں۔

وفی الاصل القتل علی ثلاثۃ اوجہ عدا  
وشبه عدا وخطا ونفس العداوی  
والکفرخی فی مختصر یہاذا العبادۃ  
اور اصل میں ہے کہ قتل کے تین طریقے ہیں،  
عدا، شبه عدا، اور خطا، نفی اور کفرخی نے  
نبی مختصر میں عبادت کو نقل کیا ہے۔

ر لنہایہ فی شرح لحدایہ ج ۱ ص ۲۴

قتل عدا کا مطلب یہ ہے کہ نشان بن بوجہ کتھیا یا تیجاری چیز میں شخص کو قتل کر دیا جس کا قتل جائز نہیں ہے اس کی بحث پہلے گزر چکی، اور دوسری اور تیسری قسم جن کا اس باب سے تعلق ہے، اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جا رہی ہے، خطا کی مشہور تعریف یہ ہے

والخطا علی وجہین خطا فی القصد  
وهوان یرحمی شخفاً یظنہ صیدا فاذا  
هو آدمی وخطا فی الفعل وهوان یرحمی  
غرضاً فیصیب آدمیا۔  
غصی کے دو طریقے ہیں (۱) غصی ارادہ میں  
اور وہ اس طرح کہ کسی چیز کو تھکا کر گمان کر کے  
مارے بسن دے آدمی (۲) غصی فعل میں، اور  
وہ یہ کہ وہ کسی نشانہ پر لگائے اور پھٹک کر

را بخوہر النیرۃ باب بجزایات  
آدمی کو لگ جائے۔



جس کا محصل یہ ہے کہ اس باب میں قاتل کے قصد و نیت اور عمل کسی کو کوئی دخل نہیں ہے،  
 ہاں شبہ عمدہ والی شکل ایسی ہے کہ اگرچہ اس میں بھی قصد و نیت کو کوئی دخل نہیں ہے مگر عمل اس کا شبہ  
 خالی نہیں ہے، اس لئے کہ وہ دبی پر کوئی نہ کوئی آلہ خواہ مادیب ہی کی غرض ہو، استعمال ضرور کرتا ہے  
 چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے،

شبه عمد عند ابی حنیفہ ان  
 یعمد لا یطعن آلہ لہ توضع للمقتل۔  
 ..... وعند ابی حنیفہ یشترط  
 ان یقصد التادیب دون الاختلاف  
 شبہ عمد امام اعظم کے نزدیک یہ ہے کہ  
 ارادہ کر کے ایسے آلہ سے مارے جو قتل کے  
 لئے نہیں بنایا گیا، اور امام صاحب کے نزدیک  
 یہ بھی شرط ہے کہ قاتل کا ارادہ مادیب ہو  
 نہ کہ جان ضائع کرنا،

دہلوی ص ۴۴ ص ۴۴۵

آلہ پر حکم کی وجہ سے قتل کی نیت تھی یا نہیں یہ ایک ایسی بات ہے جو معلوم نہیں کی جاسکتی ہے کیونکہ  
 اس کا تعلق باطن سے ہے اس وجہ سے شریعت نے آلہ کا اعتبار کیا ہے اگر ایسے آلہ سے مارا ہے جو  
 قتل کے لئے وضع کیا گیا ہے تو اسے قہراً سے تعبیر کیا ہے اور اگر ایسا آلہ استعمال کیا ہے جو قتل کے لئے  
 بنایا نہیں گیا ہے مگر دبیہ و تہذیب کے لئے وضع کیا گیا ہے تو اسے "عدم قصد" سے تعبیر کیا ہے۔

قتل خطا میں، لیکن یہ درجہ ہے کہ لٹائی جان اور مال میں کوئی مماثلت نہیں ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ  
 سزا کی وجہ سے اس جانی نقصان میں بظاہر قاتل کا قصد بھی نہیں پایا جاتا ہے، لیکن انسانی جان  
 کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے خون کو رنگاں نہ ہونے دیا جائے، اس لئے قاتل پر مال واجب  
 کیا گیا، کہ انسانی جان کی قیمت نظروں سے گرنے نہ پائے۔

غیر مسلم رعایا کے ساتھ  
 مساویہ نہ ہوگی  
 اوپر اشارہ ہو چکا ہے کہ یہ مزار جو قتل خطا کی بین کی گئی ہے، دونوں حالتوں  
 میں ہے، خود کو کوئی مسلمان مار ڈالا جائے یا کوئی زیدی کافر، فقہاء نے بھی صراحت  
 کی ہے۔

و موجب ذالک الکفار کا ولایتیہ اس قتل کا موجب کفارہ و ریت ہے اور

علی العاقلۃ وتجب الدیۃ فی ثلاث  
اہل خاندان پر ہے جس کا تین سال کے اندر  
منین و مواء قتل مسلمان و ذمی  
اور ان پر واجب ہے اور وجوب دیت  
فی وجوب الدیۃ والکفاسۃ۔  
و کفارہ میں مسلمان اور ذمی دونوں برابر

والجی ہر النیۃ باب الجانیات) ہیں خواہ ان میں سے کسی کو قتل کرے۔

اسلام کبھی اس کی اجازت نہیں دیتا کہ مملکت اسلامیہ کے بسنے والوں میں سے کسی کو مذہب کے نام پر ناجائز طور پر تکلیف پہنچائی جائے اور ہر مذہبی کافروں کو بھی اس باب میں وہی حیثیت دیتا ہے جو یک مسلم کو حاصل ہوتی ہے۔

اس سز کا نذرہ | اس طرح کے قانون کے باوجود کوئی بے پرواہ نہیں رہ سکتا ہے قدم قدم پر وہ چونکے گا اور مجبور ہو کر انسانی جان کی قدر و قیمت محسوس کرے گا، اس لئے کہ ایک غلام کا آزاد کرنا اور سبقت دیت کا کرنا جیسا کہ مذہب ہے جو اسے احتیاط پر ضرور مجبور کر دے گی۔ غلام کی قیمت ایک منقوں رقم ہوگی، رہی دیت، تو اگر نقد ادا کرے گا، تو ایک ہزار، اگر شرفی یا دس ہزار درہم ادا کرے ہوں گے، پھر یہ کہ دیت جب اہل نصرت کے ذمہ ہوگی، جن میں قاتل بھی شامل ہوگا، تو یقیناً قاتل کے ان حامیوں میں بہتیرے لوگ ایسے ہوں گے، جو اسے بار محسوس کریں گے، اور قاتل خطا کو احتیاط بہتے پر مجبور کریں گے۔

قاتل کے ساتھ اس کے معذرتیں پر ہر ہواں کہ جرم کسی کا اور جرم نہ اس کے ساتھ دوسروں پر بھی، تو اس پر حیرت نہیں ہونی چاہیے یہ سب جانتے ہیں، کہ آدمی میں بے احتیاطی عموماً خصوصی معاون و مددگار ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، لیکن جب

جرم نہ ان معاذین پر بھی عائد ہوگا، تو یہ سب اس شخص کو آزار دہن ہونے دیں گے، اور نہ اس کی حفاظت کے سلسلہ میں کوتاہی کریں گے، بلکہ اس شخص کو احتیاط بہتے پر مجبور کریں گے، جس کے آگے اسے جھکن پڑے گا۔

تسلیم کی تکرار پر کسی کے ذہن میں یہ نہ کھٹکنے پائے، کہ، فی جرم نہ ہی ہر حالت میں اسلام نے سختی کی اجازت

بار بار اس طرح کا جرم کرتا رہتا ہے یعنی اس کی طرف سے اس طرح کی بے احتیاطی آئے دن ہوتی رہتی ہے تو اسلام اجازت دیتا ہے کہ حکومت وقت اس دبا کور وکنے کے لئے اس طرح کے لوگوں کو قتل کر ڈالے بغیر قصد و ارادہ قتل کرنے کی جہاں سزا فقہانے بیان کی ہے وہاں یہ صراحت بھی موجود ہے۔

اَلَا اَنْ يَتَكْرَرُ فَلَا مَمَامَ قَتْلِهِ

لیکن اگر قاتل خطا بار بار ایسی غلطی کا ارتکاب

سیاسہ۔ کرے تو امام کے لئے جائز ہے کہ اسے سیاست

درد مختار باب الجنايات، قتل کر ڈالے۔

سزا میں مقتول کے غلطی اور خطائے قتل کرنے کی جو سزا بیان کی گئی ہے اس پر ہر پہلو سے غور کریں، کہ جذبات کا لحاظ

بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ خوں بہا پورا یا اس کا کچھ حصہ مقتول خطا کے برابر سزا کر دیں گے، تو سزا ہو جائے گا، اور اس کا مطالبہ قاتل خطا سے نہیں کیا جائے گا، مختصر یہ کہ اس سزا میں قاتل خطا کا بھی لحاظ ہے اور انسانی جان کا بھی، اور ساتھ ہی مقتول خطا کے ذریعہ کے جوش انتقام کا بھی غلات ہے، کہ ان کی سزا ہو جائے تاکہ امن و امان میں کوئی فعل واقع نہ ہونے پائے اور منہ شوبش و منہ گامہ سے پاک رہ سکے۔

جبوری کا پاس | پھر یہ بھی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے کہ اگر غلام یا نوٹھی نہ ملے اور نہ اس کے پاس ہتھ دہم ہوں کہ وہ خرید سکے، تو اس کے ذمہ اس آزاد کرنے کے بجائے دو مہینے کے کار و روزے ہیں جیسے ہندوستان کہ اگر یہاں اسلامی حکومت قائم ہو جائے، اور غلام یا نوٹھی میسر نہ ہوں تو دو، مسلسل روزہ رکھنا واجب ہوگا، حضرت تھ توئی تحریر فرماتے ہیں۔

ہندوستان میں رقبہ و غلام زر خرید یا نوٹھی نہیں ملتا، ظاہر یہ ہو کر کہ لمبہ بھادوق تک، غلام

دہم بھی نہیں واجب نہیں ہوتا، فائدہ من طرح و مسئلہ کفارات، آخری من، ایمین و نظہارہ پاس

یہاں ہندوستان میں صیام جائز ہے، صیام روزے میں اگر مرغی وغیرہ کو دھبہ سے تباہ نہیں کر

تو از سر نو رکھنے پڑیں گے، البتہ عورت کا حیض قطع تباہ دینی گے، رسم کو کاٹنے والا نہیں ہے،



**قاتلِ خطا کی نیت** | قاتلِ خطا کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے اس سے روکا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ دھجائی کا بیان ہے کہ عہدِ نبویؐ میں ایک شخص اپنے جرمِ قتل کی وجہ سے ولیِ مقتول کے حوڑ کر دیا گیا، قاتل نے پنی بے گناہی کا یقین دلاتے ہوئے کہا

یا رسول اللہ ما اردت قتله۔ اسے خدا کے ماڈلے رسوں! میرا ارادہ

رجوع الفوائد، اس کے قتل کا نہ تھا۔

منشایہ تھا کہ خطا سے یہ بات ہو گئی، یہ شکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اما انہ ان کان صاذا قاتلہ قتله سنو، اگر یہ سچ ہے اور پھر تم نے اسے قتل

دخلت الناس۔ (جمع الفوائد ج ۱) کیا تو تم جہنم میں گئے۔

راوی کا بیان ہے کہ اس کو چھوڑ دیا گیا، اس کے مونڈھے کھجور کی چیل سے باندھے جا چکے تھے، جوں ہی اسے آزادی ملی وہ اسے گھسیٹتے ہوئے بھاگا، چنانچہ اسی وجہ سے اس کا نام ذالفسہ پڑ گیا۔

**قتلِ خطا کی ایک اور قسم** | قتل کی ایک قسم یہ ہے کہ سونے و لایندگی کی مدہوشی میں کسی پر گر جائے اور اس

طرح وہ اس کو رڈ اے، جسے فقہاء اپنی اصطلاح میں قاتلِ مقارمِ خطا کہتے ہیں اس قسم کا حکم بھی دی ہی ہے جو خطا کا حکم ہے۔

وما اجری مجرا الخطا مثل النائم یقلب اور جو خطا کا قاتل مقارم ہے جیسے سونے والا

عن رجل یقتله فحکم حکم الخطا۔ کسی آدمی پر گر جائے اور اس کو رڈ اے۔

(المجہر النیرہ کتاب الجنایات) تو اس کا حکم خطا جیسا ہے۔

**قتلِ خطا کی ایک دوسری صورت** | قتل کی ایک قسم ہے "قتل بسبب" یعنی کوئی شخص کسی کے قتل کا غیرہ دی طور پر ذریعہ ثابت ہو، جیسے کوئی شخص غیر کی ملکیت میں کنوؤں کھدوا دے، یا پتھر کی چٹان ڈال دے

اور کوئی انسان، ایسے کنوؤں میں گر کر یا اس پتھر سے ٹکرا کر مر جائے، اس قسم کا حکم یہ ہے کہ دیت واجب ہوگی، جو اس کے حقِ نصرت کو دا کرنا ہوگی، کیونکہ گو کنوؤں کا کھودنے والا یا پتھر کا رکھنے والا بذاتِ خود قتل کا مرکب نہیں ہوا ہے، اس میں بہر حال وہ ذریعہ ضرور ہوا ہے۔

بہر حال قتل بسبب، جیسے غیر کی ملک میں کنوئیں  
کا کھودنے والا اور چھرہ رکھنے والا اور اس کا  
حکم یہ ہے کہ جب آدمی اس میں تلف ہو جائے  
تو اس کا خاندان پر بیت واجب ہے، اس لئے  
کہ وہی تلف کا سبب بنا ہے اور اس ہوش  
میں کفارہ نہیں ہے اس لئے کہ اس نے  
بدلتے خود قتل کا ارتکاب نہیں کیا ہے اور

وما القتل بسبب کما فر البث و  
واضع الحج فی غیر ملک... وجوب  
ذالک اذا تلف فیہ آدمی الدایتہ  
على العاقلہ لانه سبب التلف  
ولا كفارة فیہ لانه لم  
یباشر القتل بنفسه ولا وقع  
بثقله

والجوه فی کتاب الجنايات / نہ اپنا بوجھ ڈالا ہے۔

ہاں اگر کوئی گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہا ہے اور یہ کسی آدمی کو کھپ ڈالے تو کفارہ  
واجب ہو گا۔ اس لئے کہ اس قتل میں اس سوار کے روندنے اور بوجھ کو دخل ہے۔  
انسانی جان کی حالت گویا اس دم نے ان تمام دروازوں پر پیرہ لگا دی ہے، جو انسانی جان کے لئے باعث خطرہ  
ہو سکتے ہیں اور ہر اس بے احتیاطی پر مستقوں سزا مقرر کر دی ہے، جو کسی وقت بھی انسانی جان کے لئے  
ہلک بن سکتی ہے، ان مستقوں سزائوں کے بعد کسی آزاد سے آزاد کی بھی بچاں نہیں ہے، اگر احتیاط کی  
باگ ہاتھ سے چھوڑ سکے۔

کسی ملک یا قوم میں عموماً انہی رستوں سے بے امنی پھیلتی ہے، اس کی روک تھام کر کے  
امن و امان بحال رکھنے کی نفیاتی سعی کی ہے، اسلام کسی حال میں ایسی رعایت نہیں کرتا جس سے بے جا  
جزاآت پیدا ہو سکیں، ملک میں فتنہ و فساد کی گرم بارباری ہو۔

زخمِ چوہوت کا سبب بن جائے  
گر کوئی کسی کو قصدِ زخمی کر ڈالے ورنہ اس زخم کی وجہ سے ہر صاحبِ فرس  
رہ کر مر جائے تو ایسے شخص پر قصص واجب ہے، یعنی یہ بھی قصاص میں، ردِ الایمان

ومن جرح رجلاً عمداً قتلہ

من جرح صاحب فرس حتی مات

فعلیہ القصاص والجوہر النیرہ کتاب الحدیث تو اس پر قصاص لازم ہے۔

زخمی کرنے اور اعضا رانہ کی جو کچھ عرض کیا گیا اس کا نشانہ تھا کہ اسلام میں ان کی جان کی بڑی قدر قیمت ہے اور اس کی حفاظت کے لئے اسلام نے جو قوانین مرتب کئے ہیں، وہ

کو نقصان

پہنچانے کی روک تھام

قتل و خونریزی کا دروازہ اس سے بندھو حتیٰ سے بند کرتے ہیں کہ کوئی بڑی سے بڑی طاقت کبھی اس سے ٹکرانے کی جرأت نہیں کر سکتی، اور نہ یہ آہنی دروازہ کسی کے ہتائے اپنی جگہ سے کھسک سکتا ہے اب محنتہ طور پر یہ بتا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کسی کے معمولی زخم لگانے کو بھی ہرگز نہیں کرتا، اس سلسلہ کے قوانین بھی بہت اہم و راسخ و مان کی جان کی حیثیت رکھتے ہیں، ارشادِ باری ہے:

اور ہم نے ان پر اس میں یہ بات فرض قرار

دی تھی، کہ جان کے بدلے جان، اور آنکھ بدلے

آنکھ اور ناک بدلے ناک اور کان بدلے

کان اور دانت بدلے دانت اور

سی سرت دوسرے نام زخموں کا بھی بدلہ

ہے پھر جو شخص اس قصاص کو معاف کر دے تو

وہ اس سے بڑا نیک و بخشنے والا ہے گا، اور جو لوگ

اللہ کے ارادے سے ہوئے پر فیصلہ نہ کرتے ہیں

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيقًا أَنْ تَقُتِلَ

بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنِ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ

بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ

وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرْحَ بِالْجُرْحِ

فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَقَدْ حَفِظَ سِرَّهُ

لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا آتَى اللَّهُ

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

د س م د - ۱۶

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی کسی کو قتل کر ڈالتے تو اس کی سزا یہ ہے کہ وہ بھی قتل کر ڈالا جائے، سی طرح اسلام کا قانون یہ بھی ہے کہ اگر کوئی کسی کی آنکھ پھوڑ ڈالے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کے بدلہ میں اس کی بھی آنکھ پھوڑ ڈالی جائے، اگر کوئی کسی کی ناک کاٹ لے تو اس کے بدلہ میں اس کی ناک کاٹ ڈالی جائے، اگر کوئی کسی کا کان کاٹ لے تو بدلہ میں اس کا کان کاٹ لیا جائے، اگر کوئی کسی کا دانت توڑ دے تو اس کے بدلہ میں اس کا دانت بھی توڑ دیا جائے، اور ہر شخص سے زخم لگانے کا ممکن حد تک قصاص لیا جائے، اور جس زخم میں قصاص



فکرن نہ ہوگا اس میں انصاف سے جو سزا عائد ہوگی وہ عمل میں لائی جائے اور اگر قصاص معاف کر دے، تو اس صورت میں کفارہ عائد ہوگا، جس طرح جان کی قیمت مقرر ہے، اسی طرح ہر عضو کی قیمت بھی مقرر ہے، جب کہ آئندہ تفصیل سے آپ کو معلوم ہوگا۔

ایک ضمنی بحث | یہاں سے واضح کروینا بھی ضروری ہے کہ اگر یہ احکام قرآن نے تو رات سے نقل کر کے بیان کیے ہیں، مگر جب ہماری شریعت میں اس کی تردید موجود نہیں ہے بلکہ اس کو بہ قرار رکھا گیا ہے، تو ہماری شریعت میں بھی یہی حکم باقی رہے گا، جب کہ اس آیت کے ضمن میں علامہ سیوطیؒ نے اشارہ کر دیا ہے۔

وہذا الحکم وان کتب علیہ صریحاً  
اور یہ حکم اگرچہ ان پر فرض کیا گیا تھا مگر وہی  
مقرر فی شرعنا و تفسیر میں مذکور ہے  
ہماری شریعت میں بھی ثابت ہے۔

اس لئے کہ خدا اپنے یہاں کہ جب سب شریعت کا کوئی واقعہ یا قانون اللہ تعالیٰ یا اللہ کے رسول بیان کریں، اور اس پر انکار نہ پایا جائے تو وہ ہم پر بھی لازم ہوتا ہے۔

دالین و شرع سابقہ کانت  
موصوفہ بعد الصفات، مسکت  
علی ذات القدر و لدیا مرما  
یتبرک ایلزہم ایلنا ملک لشائع  
وہذا ہی الصلحۃ الکلیۃ فی  
علم احوال و ہذا کذا لک  
سلب یہ ہے کہ جب یہ بیان کر دیا جائے کہ تم  
سب پر امت کی شریعت ان صفات کے ساتھ  
متصف تھی اور اسی پر سکوت ہو، اس کے  
تبرک کہ جس حکم نہ ہو تو یہ احکام شریعت ہمارے  
سے زیادہ ہوں گے اور ہم صلوں میں بھی  
یہی قاعدہ لکھتے ہیں اور یہاں بھی ایسا ہی ہے۔

وہ شیعہ ہیں اس لئے بجا اور بدی

یہ ایک ضمنی بحث تھی جو روایات میں آگئی، عرض یہ کیا جا رہا تھا کہ اسلام نے جانی نقصان کے ساتھ  
عضو کے نقصان کا بھی پورا ادا کر رکھا ہے، جیسا کہ اوپر آیت پیش کی گئی ہے۔

مزید برہری کا یز | ہر وہ زخم جس میں مرثیت کی رویت ممکن ہو سکتی ہے، اس میں قصاص واجب ہے، اور اگر مرثیت کا امکان نہیں ہے تو پھر قصاص کے جبراً کو اختیار نہیں ہو سکتا ہے مجبوری ہے

چنانچہ فقہاء صراحت کرتے ہیں۔

ومن قطع يد غيرك عدا من المفصل  
 قطعت يداك وان كانت يداك  
 احب من اليد المقطوعة لقوله  
 تعالى "وَالْجُرُوحُ قِصَاصٌ" وهو  
 ينهى عن المماثلة فكل ما امكن  
 رعايتها فيه يجب فيها القصاص  
 وما لا فلا . . . . .

اور جو شخص کسی غیر کا ہاتھ جوڑے قصداً  
 کاٹ ڈالے گا تو اس کے قصاص میں اس کا  
 ہاتھ بھی کاٹا جائے گا۔ اگرچہ اس کا ہاتھ کٹے  
 ہوئے ہاتھ سے بڑا ہی کیوں نہ ہو اس لئے  
 کہ ارشادِ باری ہے "وَالْجُرُوحُ قِصَاصٌ"  
 اور یہ خاص زخموں کا بدلہ ہے اور یہ مماثلت  
 کو بتاتا ہے لہذا جس حد تک اس کی رعایت  
 ممکن ہے اس میں قصاص واجب ہوگا۔  
 اور جس میں اس کی رعایت ممکن نہ ہو۔

رفع القديس كسودي جلد ۴ ص ۱۳۱

قصاص واجب نہ ہوگا۔

ہاتھ کی بڑنی چھوڑنے کا حکم اس لئے نہیں کیا جائے گا کہ ہاتھ کی جو منفعت ہے اس میں اس کی  
 وجہ سے کوئی خاص فرق نہیں ہوتا ہے اس طرح فقہاء نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ جس کا ہاتھ  
 کاٹا گیا ہے اس کا ہاتھ درست اور صحیح نہ رہتا اور کاٹنے والے کا ہاتھ شل ہے یا انگلیوں میں نقص  
 تو مقطوع الیہ کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اگر چاہے تو بدلہ میں اسی عیب دار ہاتھ کو کاٹ ڈالے یا پھر اسے  
 چھوڑ کر تاوان لے۔

بدن میں مماثلت کی رعایت | اور یہ قصاص ہاتھ ہی پر نہیں کہ ہر اس عضو پر ہے جس میں مماثلت  
 ہوتی ہے البتہ جس میں مماثلت کی شکل نہ پیدا ہو سکے تو اس قصاص نہ ہوگا کہ ہو سکتا ہے زیادہ یا کم  
 ہو جائے چنانچہ فقہاء نے اس کی بہت سی صورتیں لکھی ہیں۔

ومن ضرب عين رجب فلعنوا  
 قصاص عليه لا مئاع المماثلة

اور جو شخص کسی آدمی کی آنکھ پر مارے اور  
 اسے اکھڑ دے تو اس پر قصاص نہیں ہے

فی القلع وان كانت قائمة فذهب

صروها فعليه القصاص

لامكان المماثلة . . . . .

. . . . .

رفع القدير كشوری جلد ۴ ص ۲۰

اعضار انسانی میں آلہ

کا، اعتبار نہیں ہے

پھر جانی نقصان میں عمدہ و خطا کے درمیان ایک قسم شبہہ عمدہ کی نکلتی تھی، اطراف

کے نقصان میں ”شبہہ عمدہ“ کا کوئی اعتبار نہیں ہے یا تو عمدہ ہو گا، یا خطا، اس لئے

کہ شبہہ عمدہ کا تعلق آلہ سے ہے، اور آلہ کے اثر کا اعتبار جان کے ماسوا میں نہیں ہوتا، اس لئے کہ نقصان

میں آلہ کے اختلاف سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا ہے۔

اعضار انسانی کی سزا

میں مساوات انسانی

جس طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے اعضا کے نقصان کے سلسلہ

میں قصاص لے گا، اسی طرح جو غیر مسلم مسلمان حکومت میں بستے ہیں، ان کے

نقصان اطراف کا قصاص بھی لیا جائے گا، اس سے کہ کافر، مسلم کے درمیان، اعضا میں قصاص

واجب ہے، اس میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔

واجب القصاص فی الاطراف

بین المسلم والكافر للتساوی بینہما

فی الارش، ایضاً

کہ دیت میں دونوں برابر ہیں۔

جو نوگ یہ بد کرانے کی نیاک سخی کرتے ہیں کہ، سب سے غیر مسلموں کی رعایت نہیں کرتا، ان کو

چاہیے کہ اس طرح کے مسائل کو بخیر پڑھیں۔

حدیث میں سزا

کے دلتات

اعضار انسانی کی تو کلیف پہنچانے کے سلسلہ میں قصاص کا تذکرہ حدیث میں بھی

بکثرت ہے، درہر ہر عضو کی دیت بیان کی گئی ہے، حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رکن

کی چھو بھی ربیع بنت انضر نے ایک نوجوان عمارت کی دیت توڑ ڈالتے، ربیع کے تہہ



نے اس عورت سے التجا کی کہ وہ اس جرم کو معاف کر دے، اس نے انکار کر دیا، پھر ریت پیش کی کہ  
 درگزر سے کام لے، اور اسے قبول کر لے، اس نے اس کے قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا، وہ لوگ  
 خدمت نبوی میں حاضر ہوئے کہ کسی طرح وہ ریت برداخی ہو جائے، مگر یہاں بھی اس نے انکار ہی سے کام  
 لیا، اور کہا کہ قصاص ہی ہوں گی، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم فرما دیا، انس بن نضر نے  
 کہا یا رسول اللہ! ربیع کے دانت تو ٹسے جائیں گے، بخدا ایسا نہیں ہو سکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے فرمایا

یا انس کتاب اللہ القصاص اے انس! اللہ کی کتاب میں قصاص ہی ہے

(مسند ابی داؤد ج ۲ ص ۱۳۶)

پھر انس اور ان کے قریب داروں نے اس انصاریہ اور اس کے خاندان کے لوگوں کو راضی  
 کرنے کی جدوجہد شروع کی بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رحم ڈال دیا اور وہ معاف کرنے پر راضی  
 ہو گئے اور اس طرح قصاص سے ربیع بچ گئے۔

پنی حفاظت کی جہاز | عمر بن حصین کا بیان ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کا ہاتھ اپنے منہ میں لے کر  
 دانت سے کاٹنے لگا، اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ اس کے منہ سے کھینچا، اور اس کھینچنے میں جو دانت کاٹ  
 رہا تھا اس کے دو دانت گر گئے، یہ دونوں مقدمہ خدمت نبوی میں لائے، آپ نے فرمایا

لیعن احدکم یدافیه کما لیعن النمل کادیتہ لک تم میں کا ایک اپنے بھائی کے ہاتھ کو اس  
 طرح کاٹ کھا تا ہے جیسے نر اونٹ تمھارا

(تیسرا اصول فی جامع الاصول ج ۴) لئے ریت نہیں ہے۔

ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کب چہتے ہو کہ میں اس کو  
 حکم دیتا کہ وہ اپنا ہاتھ میرے منہ میں ڈالے رہتا اور تم اسے اونٹ کے چبنے کی طرح چبا ڈالتے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ذات، خوب برکات و دواعیہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو قصاص کے لئے پیش کیا ہے  
 کہ قصاص کے لئے پیش کرنا | عبداللہ بن جبیر الخزامی راوی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی

لکڑی کی شاخ سے یا مسواک سے کسی کے پیٹ کو کوچا، اس نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی، آپ خود کو قہا میں کے لئے میرے حوالہ کیجئے، راوی کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی

فَاعْطَاكَ الْعُودَ الَّذِي كَانَتْ مَعَهُ فَقَالَ  
استفد  
آپ نے جو لکڑی آپ کے ساتھ تھی، اس کے حوالہ کر کے فرمایا، تو قصاص لے لے۔

وہ آپ کے شکم مبارک کے سامنے آیا، پھر کہنے لگایں معاف کرنا ہوں، اس امید پر کہ آپ اس کے عوض قیامت میں میرے لئے شفاعت فرمائیں۔

جس دین کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہو، آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس میں ظلم و زیادتی کی کسی کے لئے کوئی گنجائش نکل سکتی ہے، اور جس دین کے قوانین اس قدر محکم اور نفسیات انسانی کے مطابق ہوں، اس میں کیا کبھی بے انہی سانس لے سکتی ہے؟ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس دین اسلامی ہی قوانین اور ضابطہ حیات میں مضمر ہے، جب تک یہ خداوندی قوانین لوگ نہیں اپناتے، اطمینان و سکون کی نصفا عالم میں پیدا نہیں ہو سکتی ہے۔

اعضاء انسانی میں دیت | اعضائے انسانی میں سے اگر کوئی عضو اس طرح ٹوٹ جائے یا کاٹ جائے، کہ پورا پورا بدلہ ممکن نہ ہو یعنی اس میں زیادتی کا خطرہ ہو، تو بجائے قصاص کے دیت و عوض، لی، واجب ہوگی، تاکہ دوسری طرف سے جرم بڑھنے نہ پائے یا کوئی قصاص معاف کر کے دیت و صوبوں کرنا چاہے، تو مجروح کو اس کا بھی اختیار ہے۔

اسلام نے ہر عضو کی قیمت مقرر کر دی ہے، کہ اس کو نقصان پہنچانے کی سنگا میں مجرم کو یہ قیمت ادا کرنا ہوگی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فرزند اہل بیت کو بھیجا تھا، اس میں مذکور تھا

ان فی النفس الدیتہ ما شئت من الا  
جان میں دیت سو دیت ہے، اور ناک میں

وفی الا نفا اذا روعب جلد عہ  
دیت ہے جب سے جڑ سے کاٹ دیا جائے

الدیتہ وفی اللسان الدیتہ  
اور زبان میں دیت ہے و در دوزن ہونٹوں

میں، اور شرم گھاؤ میں، دروڑوں نوٹوں میں  
 اور ریڑھ میں اور دونوں آنکھوں میں بھی  
 دیت ہے، در ایک پر میں آدھی دیت ہے،  
 اور، مومہ یعنی دماغ کے زخم میں تھائی دیت  
 ہے، در ہاتھ یعنی پیٹ کے زخم میں بھی تھائی  
 دیت ہے۔ اور منقلہ یعنی جس زخم میں ہڈی  
 ٹوٹ جائے چند راء اونٹ دیت ہے، در ہاتھ  
 پر کی انگلیوں میں ہر انگلی میں دس اونٹ  
 ورنٹ میں پانچ اونٹ، اور موضع یعنی ایسا  
 زخم جس میں ہڈی کھل جائے پانچ اونٹ،  
 اور مرد عورت کے بدن میں قتل کیا جائے گا،  
 در سو والوں پر دیت ہزار اشرفی ہے۔  
 (دلوٹ المرام) (باقی)

وفي الشفتين الدية وفي الذکر  
 الدية وفي البيضتين الدية  
 وفي الصليب الدية وفي العينين  
 الدية وفي الرجل الواحد  
 نصف الدية وفي المامومة  
 ثلث الدية وفي الجائفة ثلث  
 الدية وفي المنقلة خمس عشرة  
 من الابل، وفي كل اصبع من اصابع  
 اليد والرجل عشر من الابل  
 وفي السن خمس من الابل  
 وفي الموضحة خمس من الابل  
 وان الرجل يقتل بالمرأة و على  
 اهل الذهب الف دينار۔

اسلام نرا عقیدہ نہیں بلکہ ایک نیا ماحیات بھی ہے  
 جو انسان کے اخلاقی، سماجی، سیاسی اور اقتصادی مسائل کا ایک کامیاب حل اپنے اندر پنہاں رکھتا ہے  
 اس نظام حیات کو بروئے کار لانے اور مسلمانوں کو ایک مثالی  
 امت بنانے کی جو کوشش ہندوستان میں انجام دی جا رہی ہے  
 === مسٹر روزہ دی عورت دہلی ===  
 اسی کوشش کا نقیض ہے

سر روزہ دعوت دہلی مہینے میں دس بار ہر تیسرے دن شائع کیا جاتا ہے۔ ہر پرچہ مسائل ماضیہ پر مبنی  
 ہر تیسروں تین دن کی تازہ اہم خبروں، معلوماتی مضامین اور دینی مقالوں پر مشتمل ہوتا ہے۔  
 چند سالانہ — ۱۶ روپے — سنہ نامی — ۸ روپے — مہنامی — ۴ روپے  
 مینبر سر روزہ دی عورت کشن گنج - دہلی -



# سند و ہند کا ایک علمی و ثقافتی تذکرہ

(رجال لیسند الہند الی القرون السبع)

(ذباب مولدہ ابو حفصہ اکرم صہ مسعودی کچر تالیف در سے لیکھتہ)

(۳)

مشرقی بنگال کے ایک صاحب تحقیق ڈاکٹر محمد سقانی نے جن کی تالیف "India's Contribution to the Study of Hadith Literature" (P. 38) باوجود کہ مہینہ بالاسقوٹ پر ان کو اپنا ہوتا ہے اور یہ صاحب مرحوم کی تحریر ہے جو سماں کی ظاہری بابت پر مبنی ہے، انھوں نے اختلاف کیا ہے اور ابن حجر کی لسان المیزان کا حور دیا ہے (عبد اللہ) گو یہ اصل نکتہ کو پائین کے باوجود نتیجہ میں وہ سید صاحب مرحوم کی تحریر سے متفق ہو جاتے ہیں حالانکہ مہینہ سقوط کو مان لینے کے بعد احمد بن محمد تہنسی کی شخصیت کا احمد بن محمد بن صالح التہنسی کی شخصیت سے مختلف ہونے کا وہی باقی نہیں رہتا، بہرحال یہ تیسرا کتاب کے مولف، اس خطی سے محفوظ رہتا ہوئے ایک دوسری خطی میں قید ہو گئے ہیں جس کی وضاحت مستور ہادیس میں گدی چکی ہے۔

رب، حصہ ہادیس کی سند کا درجہ سند

مولف کو دیکھا ہو سکتا ہے، ایسی حصہ ہادیس کی سند کا درجہ سند کی سند میں حصہ  
عبد اللہ القشیری کے، مسے یہ بیوچیا پچھلے کسمک مد، بعض قریب کی ہادیس کو

ایک قرار دینے کی طرف، بنی نظر آتے ہیں۔ مؤلف نے الصمۃ بن عبد اللہ القشیری کا ہاں کتب طبقات و تراجم سے معلوم نہیں کیا اور نہ ان کو واضح طور پر معلوم ہو جاتا کہ ان دونوں کے ایک ہونے کا احتمال کسی طرح صحیح نہیں۔ الصمۃ بن عبد اللہ القشیری دولتِ امویہ زمانہ ۱۳۵ھ کے مشہور متغزل شاعر میں تھا اس کا مفصل تذکرہ الآغانی میں درج ہے درج ۲۴۲ اس کی وفات عہدِ بنی امیہ میں طبرستان کے کسی علاقہ میں ہوئی اس کے بالمقابل الصمۃ مدنی کنند کا تیسری صدی کے وسط میں تھا ۱۵۵ھ کے قریب اس کو خود سر ہونے کا موقع سندھ میں ملا تھا جب کہ خود مؤلف کی تصریح ہے اس بعد زمانی کے باوجود دونوں کے ایک ہونے کا گمان بھی نہیں ہو سکتا۔

(ج) مبارک القندی المروزی (سجاول السند ص ۲)

کفایت شعبیہ کے حوالہ سے جو قصہ درج کیا گیا ہے وہ ذکر یا القزینی کی کتاب آثار البلاد میں مفسر مرد کے ماتحت درج ہے اس فرق کے ساتھ کہ کفایت میں مبارک لہندی کا آثار و کمال ایک مجہول دولت مند شخص قرار دیا گیا ہے اور ذکر یا قزینی اس کو قاضی مرد لکھتے ہیں جس کا نام نوح بن مریم تھا کچھ اور جزوی اختلافات بھی دونوں کتابوں میں ملتے ہیں بغض کے لئے مد خطہ ہو آثار البلاد (ص ۲)

(د) محمد بن ابراہیم البیلما فی (سجاول السند ص ۲)

ترجمہ کا تاخذ یا قوت کی کتاب مجموع البلدان ہے (لفظ بخران)۔ اسی شخص کا ذکر یا قوت نے لفظ بیلما کے تحت بھی کیا ہے در صاحب ترجمہ کا نام محمد بن عبد الرحمن البیلما فی بنایا ہے۔ (مجموع البلدان ص ۹۵) مؤلف نے محمد بن عبد الرحمن کو محمد بن ہریم سے گم سمجھ رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ ابن ابراہیم کے ترجمہ میں صرف لفظ بخران کا حوالہ دیا ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ دونوں دراصل ایک ہی شخص ہیں البتہ لفظ بخران کے تحت یا قوت نے اس کو محمد بن ہریم لکھ رکھا ہے جو قحطان ثبوت ہے۔ محمد بن عبد الرحمن ہے۔ دونوں کے ایک ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ ہر دو موقعوں پر یا قوت نے اس فقرہ کا غارہ کیا ہے۔ ”حدث عنہ“ عبید اللہ بن عباس بن ربیع بنجرانی، اس پر مستزاد یہ ہے کہ سمرانی بخرانی کی نسبت میں عبید اللہ بن عباس بن ربیع البخرانی کے بارہا میں لکھتے ہیں۔ ”حدث عن محمد بن عبد الرحمن

البیہمانیؒ اور نساب ۵۵۴/ب؛ اس طرح یاقوت کا وہ بیان صحیح ثابت ہوا جو لفظ بیہمان کے تحت درج ہے۔ ہمارے دعویٰ کو اس بات سے بھی تقویت پہنچتی ہے کہ کتب تراجم و رجال میں محمد بن عبدالرحمن البیہمانی کے شاگردوں میں عبید اللہ البخاری کا نام عبید اللہ البخاری کے ترجمہ میں اس کے شیخ محمد بن عبدالرحمن البیہمانی کا نام مذکور ہے لیکن محمد بن ابراہیم کا ذکر کہیں نہیں آتا۔ اسمانی کے مذکورہ فقرہ کی توثیق حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب سے ہوتی ہے جس میں محمد بن عبدالرحمن کے ترجمہ کے تحت ان کے شاگرد عبید اللہ البخاری کا نام وارد ہے۔ تہذیب التہذیب ص ۹ ص ۲۹۳ شاید مؤلف کو وہم ہو کہ تہذیب میں برقوق عبید اللہ بن العباس بن ربیع الحارثی کا نام آیا ہے اس کے ازالہ کے لئے ہم نصیری کا کردینا چاہتے ہیں کہ نبی الحارثی دراصل بخران کا معروف قبیلہ ہے حافظ ابن حجر نے عبید اللہ کو قبیلہ سے منسوب کیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ محمد بن ابراہیم البیہمانی کا مستقل ترجمہ درج کرنا عبث ہے۔ اس کا ذکر محمد بن عبدالرحمن کے تحت ہونا تھا۔

ایک اور امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ مؤلف نے اپنی طرف سے محمد بن ابراہیم کے نام کے ساتھ ہندی کی نسبت بڑھادی ہے۔ حالانکہ خود یاقوت کی کتاب میں یہ نسبت موجود نہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ یاقوت کا رجحان برگزینہ نہیں ہے کہ بیہمان کو ہندو سند کے عداقوں میں گردانا جائے یا وجودیکہ البزازری کے صحیح بیان سے اس کو واقفیت ہے اور اخیر میں اس نے البزازری کا حوالہ درج کر دیا ہے۔ یاقوت اپنے رجحان کا اظہار ان لفظوں میں کرتا ہے کہ ”ویشبہ ان یکون بارضنا یعن ینسب الیہ“ محمد بن عبدالرحمن البیہمانی ”غیاث قوت کا یہ رجحان بالکل بے اصل بھی نہیں ہے اس لئے رخصانی جن کو بدو سند و ہند سے بڑی واقفیت ہے بزازری کے قول کی سختی سے تردید کرتے نظر آتے ہیں اور لکھتے ہیں ”کلا اعرف باسند و کلا بالہند موضعاً یقال لہ بیہمان و معارف ماہ ۵۵۹“ ہم ذاتی طور پر بزازری کی تردید ضروری نہیں سمجھتے اس لئے کہ بیہمان کو بلا سند میں خود ابن خرداد بہ بھی شمار کرتا ہے (المساکت ص ۵۵۷ یدن ۱۳۵)

(۵) مسعود بن سعد بن سہمان شاعر مدھوری (سراجاں سند ص ۳۳)

سخت حیرت ہے کہ مسعود کا ترجمہ مؤلف نے نہایت مختصر کیا ہے۔ قصہ درج کیا ہے۔ اور اس کی



وفات کی تاریخ بھی غلط بتائی ہے کس قدر عجیب بات ہے کہ غزنویوں کے عہد میں جو شخص ماہر میں پیدا ہوا ہوا ان  
چڑھا در عمر طبعی کو پہنچ کر در گذر ہوا اس کے متعلق یہ لکھا جائے کہ "و توفی سنۃ خمس عشیۃ  
وثلث مائۃ کذا فی بعض الکتاب" حالانکہ دولت غزنویہ کا وجود ذہنی بھی ۳۱۵ھ میں نہ تھا معلوم  
نہیں مولف نے جو عموماً مستند کتابوں سے رجوع کرنے کے عادی رہے ہیں یہاں پر بعض الکتاب سے کس  
کتاب کو مراد لیا ہے۔ اس کتاب میں بہر حال جماعت کی غلطی رہی ہوگی جس کو مولف نے حسب عادت  
ہاتھ مل نقل کر دیا ہے۔ مسعودی کی وفات نقلی کاشی نے ۳۵۲ھ میں بتائی ہے لیکن مشہور محقق محمد بن عبد الوہاب  
قرظی ۵۱۵ھ کو اس کی وفات کا صحیح سال بتاتے ہیں مسعودی کا مہبوط مستند ترین تذکرہ اس کے فارسی  
دیوان کی اندرونی شہادتوں سے اخذ کر کے قرظی مرحوم نے تحشیہ چہار مقالہ کے ضمن میں مرتب کیا تھا  
اس کا ترجمہ انگریزی میں پر فیسیر ہاؤن نے رل شیاک سوسائٹی لندن کے مجلہ میں شائع کیا اور ۱۹۱۶ھ  
میں مرحوم شیخ عبدالقادر پر فیسیر الفسطن کا لچ بمبئی نے اسے اردو میں منتقل کر کے معارف اعظم گڑھ  
کی پہلی جلد میں بارہ قسط پیش کیا تھا۔

(و) ہسارون بن موسی الملتانی (ساجال السند ط ۲)

مروث اندلس کی یورپی عبارت نقل کی گئی ہے۔ ورائیر میں بودلف کا حوالہ غائب ہونا نا بوظفر  
مردی مرحوم کی کتاب تاریخ سندھ سے ماخوذ ہے ابودلف کی روایت میں ہارون بن عبید اللہ کا نام ملتا  
ہے ہم واصل کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ اختلاف بعض روایتی ہے ورنہ مسعودی اور ابودلف کی مراد ایک ہی  
شخص ہے۔

عمر کا قدیم ترین تذکرہ ہے۔ اس میں ماخذ کی کتاب لیموں میں محفوظ ہے خود مسعودی کا ماخذ  
بھی یہی ہے لیکن باخون کتاب میں سے بن سوس سنائی کے سب سے ہارون مونی لکھا گیا ہے۔ ایک  
موقع پر جو حدیث عبارت یہ ہے :-

وقد جمع ہسارون مولی الاثر الذی کان یروی علی لکیت وفتحی بقطان کان شامولاً

ولا اعراف من شأنہ وصناعۃ وقد کان فی صفات اخیل شعار اکثر و نحو ۔

سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے جاخط نے اس کا قصیدہ لایہ صفوان بن صفوان الانصاری کے حوالے سے نقل کیا اور شکل الفاظ کی شرح کی ہے۔ صفوان الانصاری۔ داؤد بن مزیدر مزیدر مزرہان البند کے روات میں تھاؤد کھوا الجوان جلد ۲۲ ص ۲۶۰، السی ششم دومری جگہ صفوان کا مفصل بیان ملتا ہے کہ ابی ہند جگہ ہاتھیوں کی تربیت کس طرح کرتے تھے اور ایک موقع پر ہرون کا ہاتھ مقابہ بڑے خونناک ہاتھی سے ہو گیا تھا لیکن اس کی شجاعت و دلیری سے خونناک جنگی ہاتھی بھاگ نکلا اس واقعہ پر قصیدہ لایہ کے علاوہ ہرون کے دو قطعے بھی درج ہیں، ایک قطعہ کا شعر ہے

مشیت الیہ وادعاً متمہلاً  
ودد واصلوا خرطومہ بحسام رکل، شعر  
دوسرے قطعہ کا پہلا شعر ہے

ولما اتانی البصر لیتد ونہ  
بقائم سیف فاضل الطول والعرض رکل و شعر  
اس موقع پر ہرون بن فلان المولیٰ، مولیٰ الانصار کے الفاظ ہیں۔ چونکہ مسودہ کا مآخذ کتاب الجوان ہے ہذا گمان غالب یہ ہے کہ مرزج اندھب کے نسخوں میں ہونے کا لفظ دراصل مولیٰ کی خرابی ہے اور فلان کا لفظ در بیان سے ساقط ہو گیا ہے۔ ہم نے لکھا ہے کہ ابو داف کا جرون بن عبد اللہ بھی ہے ہرون مولیٰ اور زبے اس کی ریل یہ ہے کہ زکریا قزوینی ابو دلف کی روایت کے زیر اثر اس کا نام ہرون بن عبد اللہ مولیٰ الازد بتا ہے اور پورا قطعہ میریہ نقل کرتا ہے جس کی نشاندہی ہم جاخط کی کتاب الجوان کے حوالے سے رکچہ ہیں (ملاحظہ ہو آثار البلاد ص ۸۱-۸۲ ش ۱۸۴۸)

رسل ابو اسلم السندی رسال السند ص ۲۴

مولف کے پیش نظر بن ندیم اور زکریا قزوینی کی کتابیں ہیں۔ قزوینی کی کتاب میں ابو اسلم بصرہ کا ہے و ما بصرہ مستطاب بن اندیم میں بس بصرہ۔ اس کی عربی نظم جو بہترین مبدیٰ تر ہے قزوینی کی آثار البلاد میں منقول ہے پہلی دفعہ سید صاحب مرحوم نے عرب و ہند کے تصانیف میں درج کیا۔ اب مولانا ابو ظفر ندوی مرحوم نے یہ نسخہ سندھ میں پوری نظم با ترجمہ نقل کی تھی۔ غالب مولف نے یہ سرت قزوینی کی کتاب سے رجوع نہیں کیا کیونکہ یہ ہے کہ نسخہ میں متعدد غلطیاں ہیں۔

اس شاعر کا ذکر کتاب الحيوان میں دو مقاموں پر آیا ہے ایک جگہ اسی نظم کے پانچ شعر منقول ہیں راجحاً  
 جلد ۱۱ اور دوسری جگہ دو شعر عجب کے دینا جلد ۴ ص ۶۴ کتاب الحيوان میں ابوالصلاح اور ابوالصلح  
 بنضاد قہلہ طبع ہوا ہے ابن السدییم، درقزونی کے نسخوں کا حال مذکور ہو چکا ہے۔ ہمارے خیال میں صحیح ضبط  
 ابوالصلح بنضاد معجمہ ہے اس لئے کہ ابن الجراح کی کتاب کے واحد نسخہ میں اسی طرح لکھا ہے اور بڑی بات  
 یہ ہے کہ معجم الشعراء کے ابواب الکئی میں ابو عبد اللہ المرزبانی حرف الضاد والبحر کے تحت ابو الصلح السدی کا  
 نام درج کرتا ہے ومعجم الشعراء ص ۵

ابو الصلح السدی کا ذکر ابن الجراح کی کتاب اور قد میں ملتا ہے۔ اس کے اشعار عقل۔ ابوہفان۔  
 عبد الحمید بن موسیٰ کی روایتوں سے نقل کئے گئے ہیں۔ عبد الحمید بن موسیٰ اس کو موسیٰ الہادی کا مولیٰ قرار  
 دیتا ہے اور عقل آل جعفر بن ابی طالب کے مولیٰ میں شمار کرتا ہے۔ اس کے بارہ میں عقل ہی کے الفاظ ہیں  
 "نزل بغداد ومات بها وكانت له اشعار فصاح ملاح" پوری تفصیل کیلئے کتاب لورقہ  
 ص ۹۰-۹۱ ملاحظہ ہو یہاں ابوالصلح کے دو شعر کتاب لورقہ سے نقل کئے جاتے ہیں۔

یا نفس صبراً لا تھلکی یا سا قد فارق الناس قبلک الناسا

صبراً جلیلاً فلست اول من اورثه الطاعتون وسوا سا

۶۔ ہر چند کسی شخص کو سندھی یا ہندی قرار دینے کے بارہ میں ہم مولف کے نقطہ نظر سے اپنا اختلاف  
 مدلل واضح کر چکے ہیں۔ یہاں مولف کے نقطہ نظر کے مطابق چند تراجم کی طرف اشارہ کر دینا چاہئے ہیں  
 یقین ہے کہ بہت سے تراجم کتاب سے خارج رہ گئے ہیں جن کے سے مزید تلاش و جستجو کی ضرورت تھی اس  
 تبصرہ کے لئے مواد کی فراہمی میں چند ترجمے جو سامنے آگئے ہیں انہی کی نشاندہی کر دی جاتی ہے۔

الف۔ السدی بن بختاشہ :- اس کا ذکر طبری کی تاریخ میں کم از کم دو جگہوں میں آیا ہے اولاً ص ۲۳۳  
 کے واقع کے ضمن میں عباس بن المامون کی سازش میں شریک ہونے والوں کی فہرست میں یہ الفاظ ملتے ہیں  
 "واما السدی بن بختاشہ فامر المقصم ان یوھب لابیہ بختاشہ لان بختاشہ لہ  
 یکن یتلطح نبی من امر العباس فقال المقصم لا یجمع هذا الشیخ بانیہ فامر بتخلیفہ"



سبیلہ ارتبایخ الامم والملوک جلد ۳ ص ۱۲۹۹ مطبوعہ یورپ) ثانیاً مقصر بن التوکل کے عہد میں ایک فوج رومیوں کے مقابلہ میں روانہ کی گئی تھی اس فوج کے سینہ پر بقول طبری سندی بن بنجاشہ متعین تھا (ایضاً تاریخ طبری جلد ۳ ص ۳۸۱ و اوقات مسلم) مؤلف کے نقطہ نظر کے بموجب اسی عبارت سے بنجاشہ کا ترجمہ بھی مانور ہو سکتا ہے۔

(ب) تاریخ طبری میں ایک شخص سندی بن عہم رہا کا نام آتا ہے اور ایک شخص سندی الجعم بھی مذکور ہے۔  
(دیکھو فہرست مرتبہ ذخیرہ)

(ج) ازکریا نژدینی بیان کے ایک فاضل طبیب کا ذکر کرتا ہے نژدینی کے الفاظ درج ذیل ہیں۔  
”ینسب الیہما الحکیم افضل البامیانی کان حکیمًا فاضلاً عا سفا با نواع الحکمة و طلبہ صاحب فارس اما بلک سعد بن منکی و اکرمہ و احسن الیہ و قال اسید ان تحکم علی مولودی فقال افضل: الا حکام النجومیہ کلا یوثق بها، قد تصیب و تخفی لکنی افعل ذلک لسنہ او منتین من الماضی فان وافق عملت للمستقبل فلما فعل ذلک قال الملك له ما اخطأت شیئاً منها و کان عندک حتی مات (آثار اہلاد ص ۱۰۳)

(د) ابو عباس بن السدی: محمد بن حارث الغنشی کتاب علماء افریقیہ میں ابو عباس بن السدی کا مختصر ترجمہ درج کرتے ہیں کہ:-

”ومن رجال البصر جل يعرف بابی اعباس بن السدی، کان مذهبہ مذهب الشافعی والنظر الا انہ لم یکن فیما علمت من اهل المناظرۃ و کان ممن خیر بہ الشیعۃ و عذبانہ و اخذ نعمتہ مات قبل سنۃ عشیین (ع)، فریقیہ ص ۲۸۳ رقم ۱۰۶ مصرعہ ۳۲۰)

(ه) مؤلف ہی کے نقطہ نظر کا ترجمہ ہے کہ مندرجہ ذیل ترجمہ بھی درج کتاب ہوا،

”ابو عہیم بن السندی بن علی بن ہمام بن اسحق کان یخضب بالحمرة و فی سنة ثلاث عشرة و ثلاثمائة، صاحب صول، بروی عن محمد بن جری عن محمد بن المقرئ و محمد بن زیاد الزیادی الخ زریخ اصبہان۔ بو نعیم۔ جلد ۱۱، شاید اسی شخص کا ترجمہ مؤلف نے بعنوان

ابراہیم بن علی بن السدی در حال السدس ۶۸ درج کیا ہے۔ اور صرف ابو نعیم کی کتاب علیہ الاولیاء کا اقتباس پیش کیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ تاریخ اصبہان میں ابراہیم بن السدی بن علی ہے اور علیہ الاولیاء میں ابراہیم بن علی بن السدی۔ دونوں کے ایک ہونے کی تقدیر پر مولف کی یہ شکایت کہ لہذا قف علی ترجمہ غیو ما ذکر تہ، دور ہو جاتی ہے کہ تاریخ اصبہان میں اس شخص کی تاریخ و ناسات مع دیگر تفصیلات درج ہے۔  
۴۔ موضوع کتاب کا تقاضا ہے کہ چند ایسے تراجم کی طرف اشارہ کر دیا جائے جو ہندوستان سے گہرا تعلق رکھنے کے باوجود کتاب کے وسیع دائرہ سے خارج رہ گئے ہیں۔

(الف) امام الوضیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی، دوران کی اور دو احفاد میں سے حماد و اسماعیل بن حماد کے تراجم نہ صرف ترسعاً بلکہ بعض صریح روایات کی بنا پر موضوع کتاب کے واقعی تعلق رکھنے ہیں امام صاحب معروف روایت کی رو سے کابل سے تعلق رکھتے تھے ابن حنکاح کا بن کے بارہ میں لکھتے ہیں: "وہی ناحیۃ من بلاد الهند روایات الایمان ج ۵/۳۹-۴۰ رقم ۳۶، طبعہ محی الدین عبد الحمید)، اس روایت کی حد تک ہم خود، امام صاحب کو در حال، سند والہند کے دائرہ میں کیج لا، پسند نہیں کرتے لیکن ایک دوسری روایت و کتب کی اخبار القضاۃ میں ملتی ہے جس کی رو سے امام صاحب کی اہمیت سند سے ثابت ہوتی ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں: "اخبرنی ابراہیم بن ابی عثمان قال حدثنی ابو خالد الاسلمی بن سید بن یحییٰ قال اخبرنی ہزبان التیمی قال حدثنی ابی قال سأت ثابتاً ابی حنیفۃ شیخاً حنیفاً من موالد السند نجاراً قال وہو مولیٰ امرأۃ من اصحاب الکلاعر اخبار القضاۃ جلد ۲ ص ۱۶ ترجمہ اسماعیل بن حماد مطبوعہ مصر ۱۹۰۸ء)  
اس روایت کے علاوہ امام صاحب کے ہمدانی کا نام زوطی ایک خاص ہندی قوم ہٹ رعبی: زوطی سے اس خاندان کا علاقہ ظاہر کرتا ہے۔

دب، بر، کہہ کا خاندان حسب تحقیق یہ صاحب مرحوم ہندی الاصل تھا اس کی پوری تفصیل مع ذرائع و قرائن، ریختی و لغوی عرب و ہند کے تصانیف میں مذکور ہے مولف کتاب کو اس تحقیق سے پوری واقفیت ہوگی لہذا براہ کرم کے تراجم سے کتاب کا خانی رہ جانا حیرت انگیز ہے۔ اس خاندان کے صرف ایک

فرز عمران بن موسیٰ بن یحییٰ البرکلی کا تذکرہ صرف اس ضمیمہ اتمال کی بنا پر درج کیا گیا ہے کہ شاید اس کی وراثت و نشاۃ سندھ میں ہوئی ہو۔ رجال السند ص ۱۸۹ - ۱۹۰۔ لاکھ پورے ہر ایک خاندان کی اہلیت مختلف فیہ مسئلہ ہونے کے باوجود بدرجہ اولیٰ جمعہ سندھ و ہند کی معلوم ہوتی ہے۔

(ج) ابو حفص عمر بن محمد بن سیدان المکرانی۔ مکران کی کئی شہینیں کتاب میں درج ہیں لیکن ابو حفص کا ترجمہ درج رہ گیا ہے۔ سمعانی اس داخل محدث کا تعارف ان لفظوں میں پیش کرتے ہیں۔ ”ورد العاصی و خرج الی الحجاز و حدث بھا عن ابی الحسین محمد بن احمد البزاز ر. ص: المزاہم سوسی عنه ابو القاسم الشیرازی (الانساب ۵۲۱/۵) ابن اثیر کے الفاظ قدرے مختلف ہیں ملاحظہ ہو۔“  
”حدث عن ابی الحسین بن النعمان البزاز سوسی عنه ابو القاسم رقیبہ اللہ بن عبد الوارث الشیرازی سمع منه بالحجاز (الباب فی تہذیب الانساب جلد ۳/۴۲)“

(د) عبد الرحمن بن ابیہمان موطیٰ عمر بن الخطاب: مؤلف نے محمد بن عبد الرحمن ابیہمانی کا ترجمہ جن مرتبہ کی مدد سے مرتب کیا ہے رجال السند ص ۲۳۱ ان کا مجموعی طور پر تعارف یہ تھا کہ خود عبد الرحمن ابیہمانی کی ذات نظر انداز نہ کی جاتی۔ چنانچہ موطیٰ کی کتاب الضعفاء اور ابن حجر کی تہذیب التہذیب کے اقتباسات ثابت ہیں کہ عبد الرحمن ابیہمانی بھی روایت حدیث میں تھا اور محمد بن عبد الرحمن کو اپنے والد سے روایتیں پہنچی تھیں۔ ذیل میں عبد الرحمن کے ترجمہ کے لئے چند مراجع کی نشاندہی کی جاتی ہے۔  
”لفظ ابن حجر تہذیب التہذیب میں مسطور ترجمہ درج ہے اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔“

مولیٰ عم قال ابو حاتم عبد الرحمن بن بی زید لغوی ابیہمانی ۴ تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۱۴۹ - ۱۵۰) سب قدیم۔ فرد بن سعد کی کتاب الطبقات الکبیر ہے اس کے الفاظ حسب نویس ہیں۔ ”عبد الرحمن لبیہمانی من الاحفاس احفاس عمر بن الخطاب وقال عبد المنعم من احفاس کان من الانباء لذین کانوا بایمن وکان عینہ بن بجران و توفی فی ولایۃ الولید بن عبد الملک“  
”طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۳۹ مطبوعہ یورپ“ زبیدی شریح القاموس میں رقم فرمیں۔ ”عبد الرحمن بن بی زید بیہمانی مولیٰ عمر بن الخطاب تابعی مروی



عن ابن عباس وابن عمر و نافع و ابن جبیر و عن ابنه محمد و سبيعة الرازی و ابن اسحق قال  
ابو حاتم فیہ لین و ذکرہ ابو حیان رکذا و صحیح ابن حبان فی الثقات کان من فحول الشعراء و تاج العرب  
جلد ۸ ص ۲۵) حافظ صاحب خزائن کے بیان کے مطابق بجز ایک صحابی سوش کے عبد الرحمن البلیمانی کا شعر  
دوسرے صحابہ سے ثابت نہیں (دیکھو تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۱۵۰، الاصابہ ترجمہ سرق رقم ۴۰۱۸  
طبع کلکتہ)

(۵) مؤلف نے خمار قندھاریہ کا ذکر چھپر کر سندھ کی ایک بارہ فروش عورت کی یاد تازہ کر دی جس کا  
نام مشہور رند ابو دلائم کی شاعری و زمری کے طفیل میں محفوظ رہ گیا ہے اس کا نام دوم تھا ابو دلائم اور  
اس سندھ کا تعلق اسحاق بن ابراہیم الموصلی کی زبان سے قایل شدہ ہے۔ راوی ابن المنزی ہے: —  
قال اسحق بن ابراہیم الموصلی: نزل بابی دلائم اصیاف لہ فغدا اھو ثوبیت الی سندھ  
بناذ یقال لھا دوم و ارسل ایضا بجزو فوجھت الیہ فشریوھا ثو اعاد فبیعت باخری  
وجاءت تقضیہ الثمن فقال لیس عندی ما اعطیک و لکن ادعولک فقال:

الایاد دوم دھم دھم لغیم      و احمر ملا کفک مستقیم  
شدید الاصل منغز حالباً      قوی نوقہ فصو عظیم  
یقویہ الشباب و زردھیہ      و یفخو فیہ شیطان حیم

۱۔ دیکھو کتاب البدیع ص ۳۱ گلب میو میں سیریز ایسی و قد الاغانی میں مذکور ہے جلد ۹ ص ۱۳ ابو عبیدہ  
مہر بن المنزی کی روایت میں اس قبیلہ کا تعلق دوسری مشہور دست شاعر الاقشیر سے ہے و الاغانی جلد ۵  
ص ۸)

(۲) تیسری صدی کے وائیں میں بعد متعظم باللہ بھرہ اور اس کے اطراف و جوانب میں دہشت  
انگیزی کرنے والے طاغوت جیوں یحییٰ بن نبیہ نے پانی پر سب عورتوں بچوں سمیت گرفتار کر لئے  
گئے ان میں ایک شاعر بھی تھا جس کا نام معلوم نہیں لیکن اس کی شاعری کا ایک دلچسپ نمونہ طبری  
کے ذریعہ محفوظ رہ گیا ہے ہنر کے ذریعہ کی تفصیل میں طبری نے ان خاندان بدوشوں کو گرفتار کر کے

بند اولائے جانے اور مقصود باشر کے سامنے کشتیوں پر سوار پیش کئے جانے کی پوری کینیت لکھی ہے۔  
 اخیر میں یہ لوگ شامی سرحد پر عین زہر میں آباد کئے گئے جہاں رومیوں کے متواتر حملوں کا شکار ہوتے  
 رہے طبری کے الفاظ ہیں: "فَأُغَارَتْ عَلَيْهِمُ الرُّومُ فَأَجَاخَوْهُمْ فَلَمْ يَفُتْ مِنْهُمْ وَاحِدٌ  
 فَقَالَ شَاعِرُهُمْ

يا اهل بغداد موتوا داء غيظكم  
 نحن الذين ضربناكم مجاهرة  
 لو تشكروا الله لنعما لا تقي ملت  
 فاستنصرنا العبد من ابناء دولكم  
 ومن شناسا زافشين ومن فرج  
 ولا يسي كخان الصين قد خرت  
 والحاملين التكي نطت علائقها  
 يغري ببيغ من البندی ها  
 فواس خيلهم دهر متروعه  
 مسخرات لبقا في الماء اجنحة  
 متى تروموا لنا في غمر لحيتنا  
 اراحت طافا واسها ما كما اختطفه  
 ليس الجلاء جلاء الزط فاعتزل  
 نحن الذين سقينا الحرب دترتها  
 لنسفنكم سفعا يدال له  
 فامكوا على التمر بكي الله عينكم  
 یہ نظم مولد و ذیل الفاظ کے موطا العہ میں منقید ہونے کے علاوہ ایک دلچسپ تاریخی دستاویز ہے

شوقاً الى تهر برني وشهرين  
 قسراً وسفناكم سوق المعاجير  
 ولم تحوطوا اياديه تبغرين  
 من يا زمان ومن بلج ومن قوز  
 المعلين بديباج ولباسين  
 اسدانه دربر وازالدا حارين  
 الى مناطق خاص غير محزون  
 نبوبلة في ابناء فيروز  
 على الخريم منها والفرارين  
 كالابوس اذا استحضرن والسير  
 حذراً نصيد كوصيد المقاتلين  
 طير الرجال حثا بالاشناقين  
 اكل الثريد ولا مشرب لقواتين  
 ونقنينها مقاساة الكوايين  
 سب اسيرين بشي صاحب التين  
 في كل اصحى وفي فطر ونايرين  
 ۳۱

جس میں بغداد اور دولت عباسیہ کے لئے زبردست چیلنج موجود ہے۔ اور تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ اس گروہ پر عباسیوں کو اخیر میں فتح حاصل ہوئی لیکن اس کے لئے بڑی قربانیاں پیش کرنی پڑی تھیں اور شاعر کا قول اپنی جگہ پر بالکل صحیح تھا کہ جاٹوں سے لڑنا لغو ترکاننگا نہیں و طبری جلد ۳ صفحہ ۱۱۶۹

(۱۱۶۹، مطبوعہ یورپ)

(رستا) و نور بن علی: یہ شخص غالب گمان یہ ہے کہ جاٹ تھا اور حضرت علیؑ کے حامیوں میں تھا چنانچہ ورو دلبھر کے بعد حضرت علیؑ کے گروہ پیش جو بنی ہاشمیت سرداروں کی سرکردگی میں جمع ہو گئی تھیں ان میں سے ایک گروہ بڑے اور سیاحجہ کا تھا جس کا سردار و نور بن علی تھا و طبری جلد ۳ صفحہ ۳۱۸۱ مطبوعہ یورپ

(جلد ۳ صفحہ ۳۱۸۱ مطبوعہ یورپ)

۸۔ کتاب کی جزوی فروگزاشتوں اور طبیعی غلطیوں پر ایک نظر ڈالنا چاہیے موقوف نہ ہوگا چند طبیعی اغلاط کی تصحیح ضرور مؤلف نے اخیر میں کر دی ہے ضرورت منقول غلط نامہ شائع کرنے کی تھی ہم نے سرسری نظر میں سدرجہ ذیل اغلاط جمع کر دیئے ہیں۔

الربان ... اس شخص کا تذکرہ تراجم کے ضمن میں نہیں کیا گیا ہے

عبد الرحمن الربان الہندی

المجواۃ

۳۱ المہوات

بالمہندی البیض

۳۲ بالمہندی البیض

الاقصی

۳۳ الاقصیۃ

.... بعد مصیۃ

۳۴ .... بعد مصیۃ

... المعنی فی عیونہا

۳۵ ... المعنی فی عیونہا

من

۳۶ من

... البزانی

۳۷ عن ابی روق الحظواتی

قدیم عرب مصنفین کی زبان پر شاذ ہے جو

۳۸ جاراکا الطیب



چانک دچاکیا کی تخریب ہے۔ جارا کا بھی چانکیا  
کی عربی شکل ہے لیکن حرف انون کا راز سے  
بدلتا غلط ہے اس کی کتاب السوم کا نسخہ برلین  
کے علاوہ کئی دوسرے مقامات میں محفوظ ہے  
سب نسخوں کی مدد سے یہ کتاب شائع کی گئی

الشیاسد

در السحابہ

نیہانی اُبی

ذیل النوی

و کانت ...

صحیح بہ اسقاط "سوی"

حدیثا منکر از سمعانی (اصابہ ۲۰۵)

ونوہ با صبی

یحزی علی الادب

البیرون التی ینسب

... قتل جہا اور اجی

ولہ لیمہ

عبد اللہ بن عباس رتہ ذیل ۲۹۳/۹

بالمہند البیض

... العکری و رتہ ۲۳۶/۲

۱۹۹ الشوادس

۱۹۸ در السحابہ

۱۹۷ ینہانی الی

۱۹۶ ذیل النوی

۱۹۵ وکان من اجل النساء

۱۹۴ اللہادری، سوسی شیخ

۱۹۳ حدیثا منکر

۱۹۲ ویرت با صبی

۱۹۱ یحزی علی الادب

۱۹۰ ابیر و ینسب التی

۱۸۹ غیران اقل اور اجی

۱۸۸ ولہ لیمہ

۱۸۷ عبد اللہ بن عباس

۱۸۶ بالمہند البیض

۱۸۵ حمد بن مدسی العکری

عہ اس مضمون کے خیر میں کتاب سے مستحق یہاں نوٹ "راختہ فرمیں۔"

۲۳۵ محمد بن محمد بن خلف

(بحواله معجم البلدان)

۲۳۶ صاحب النحل

۲۳۷ فطن الاسد

۲۳۸ والوف من نبيه ذوله

۲۳۹ الخشبيل

۲۴۰ غلط الدار

۲۴۱ مخطو خفيق

۲۴۲ قول الا بشارى

۲۴۳ بامثل

۲۴۴ اذا ما مدح وسهر البند

۲۴۵ يتعل

۲۴۶ الافاديه

۲۴۷ الجبل

۲۴۸ اهانت العنز

۲۴۹ المحفل

۲۵۰ نجلان

۲۵۱ فما اسر حديد

۲۵۲ طست الاخوة

۲۵۳ با جبين

۲۵۴ لم نجد

محمد بن محمد بن خلف

(معجم البلدان ۲/ ۳۷۲ يورپ)

۲۳۵ صاحب النحل

۲۳۶ فطن الاسد

۲۳۷ والوف من نبيه ذوله

۲۳۸ الخشبيل

۲۳۹ غلط الوراك (۹)

۲۴۰ مخطو خفيق

۲۴۱ قول الا بشارى

۲۴۲ بامثل

۲۴۳ اذا ما مدح البند

۲۴۴ يستعل

۲۴۵ الافاديه - الكوك

(الكوكى ۹)

۲۴۶ الجبل

۲۴۷ هزت العنز

۲۴۸ المحفل

۲۴۹ منجلان ربا ليم

۲۵۰ فما اسر حديد

۲۵۱ طلت بها الاخوة

۲۵۲ جاب جبين

۲۵۳ لم نجد

۴۸ فروع

خروج

۲۷۸ قارمىر جا غامدىمىم

قام مع الممر ١٤٠

۲۷۹  
ماہنامہ

پیامتِ سلیم

۲۸۱ نماز سحر و حید

... حال میں ہے

م<sup>٢٨٢</sup> يفيصم صاحب من صاحب العلمان

بفتح من صا لم العطان

۲۸۳ کل لسان

بکھل لسان

ص ۲۸۲ بعض مانی

بعض بیانی

۳۸۶ بعضی نرواما

بعض الزواجا

۲۹۱ ابن قمانى الهمدنى هوشيارى

ابن قمانس در اہل شام کے مہرسترا

کام نام پر جس کے لئے تانا ق نے کتاب السموم

ملکمی نمی خود شناختن کو این فمائن قره دنیا

علاوہ یہ تعجب ہے کہ مؤلف نے ابن ابی اصیبعہ

کی عبارت نقل کرنے کے باوجود یہ غلطی

ہے، رجال النعمۃ<sup>۱۵۹</sup>

٢٩١  
ف الطيب

الطبيب

کھنے کو درست سی باتیں تھیں لیکن ضروری باتیں تا مگر مش کی جا چکی ہیں ہیں یقین ہو کہ ہمارے نثر مزوہ تمام نقد و بحث سے مؤلف کتاب یاد دہسے اہل نظر تحقیق کا اتفاق کرنا ضروری نہیں گرچہ اپنے خیالات کی وضاحت میں اپنی مسہلات کی حد تک ہم نے وہاں دل و شواہد بھی سمجھ بیٹھائے ہیں۔

رنوٹ: کتاب رسوم کے لیے برہمن کے مدد و شایعوں جو میں درجہ راجست مصر میں محفوظ میں ان ناموں کو  
 سامنے رکھ کر میں کتاب کی تصحیح کی گئی ہے۔  
 Bettina Strauss

ہے۔ کتاب کی ایک فصیحہ، مون رشید کے ٹکڑے جہن کی تھی، غالباً اس فصیحہ میں مذکور ہے کہ

هذا الكتاب نفث الجارية المسومة لان هذا فعل يحرية من يفتد ولا حرج عليه لانه يتهد

وہ دخیل من قبلہ وسلم و حد فاستدیت من بعدہ کتاب کتاب سومۃ مطبہ عربیہ

... ..



# اختلاف فقہاء کے اسباب

(انور شاہ محمد تقی امینی صدر دارالعلوم معینیہ دہلی و شریف احمدیہ)

اختلاف کے بنیادی حیثیت | ذیل میں اختلاف فقہاء کے اسباب بیان کئے جاتے ہیں غور سے دیکھا جائے تو  
سے دو بڑے سبب ہیں | بڑی حد تک یہ اختلاف دو سبب پر مبنی ہے (۱) صحابہ و تابعین کا اختلاف

اور (۲) حالات و تقاضا کا اختلاف ہر ایک کی تفصیل یہ ہے،

(۱) صحابہ کرام کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی قرآن حکیم کے تشریحی و توضیحی  
نوٹ تھے آپ کی عبادتیں فرائض فیصلے وغیرہ محفوظ تھے۔ موقع و محل کی مناسبت اور قرائن کی دلالت  
سے ہر فعل اور حکم کا فعل متعین کر کے اس پر عمل کرتے تھے۔ اور انھیں کوئی دشواری نہ پیش آتی تھی۔  
(۲) جب انھیں مختلف مقامات پر تمدنی زندگی کی نئے نئے حالات و مسائل سے سابقہ پڑا اور  
جو کچھ ان کے ذخیرہ میں موجود و محفوظ تھا اس کا دامن ان حالات و مسائل کو سمیٹنے کے لئے ایک حد  
تک لاکھائی ثابت ہوا تو ان حضرات نے اپنی رائے سے اجتہاد کرنا شروع کیا اور علت و دریافت کر کے  
اس کے ذریعہ مسائل کا استنباط کیا اور ضرورتوں کو پوری فرمایا۔ اس طرح نظام تشرعی کو الہی  
پالیسی کے موافق بنایا۔

صحابہ کے عمل کی تفصیل | علت و دریافت کرنے اور اجتہاد کے مطابق حکم دینے کے بعد چند صورتیں  
پیدا ہوئیں۔

(۱) ایک صحابی نے اجتہاد سے کوئی حکم صادر فرمایا لیکن دوسرے اصحاب کے پاس صحیح حدیث  
موجود تھی اور اس میں اجتہادی حکم کے خلاف حکم تھا تو صحابی نے حدیث پر عمل کرتے ہوئے اپنے  
سابق حکم سے رجوع فرمایا۔

(ب) اجتہادی حکم کے خلاف صحیح حدیث تو نہ دریافت ہو سکی لیکن اجتہاد کے مقابلہ میں وہ حدیث زیادہ قوی ثابت ہوئی ایسی صورت میں بھی حدیث پر عمل کیا اور اجتہادی حکم چھوڑ دیا۔

(ج) اجتہادی حکم کے خلاف ایسی حدیث نہ دریافت ہوئی کہ جس سے تلب کو اطمینان حاصل ہوتا اور سابق رائے کے خلاف تقویت پہنچتی تو اجتہادی حکم ہی کو ہٹائی رکھا اور حدیث پر عمل نہ کیا۔

(د) حدیث کے موجود ہوتے ہوئے بھی جن احباب تک وہ نہ پہنچ سکی اور اس کے خلاف لاعلمی کی حالت میں اپنے اجتہاد سے حکم صادر فرمایا اور اسی پر قائم رہے۔

دئے در اجتہاد سے حکم دینے کے بعد اختلاف کی مذکورہ چار صورتیں پیدا ہوئی تھیں دریں میں سابق حکم سے رجوع نہیں کیا گیا یا تو حدیث کی مرصحت کی وجہ سے اور یا حدیث نہ پہنچنے کی وجہ سے یہ دونوں صورتیں بعد میں اختلاف کا سبب قرار پائیں۔

(۲) موقع و محل کی نسبت سے بعض صحابہ نے رسول اللہ کے فعل کو قانونی حیثیت دی اور بعض نے اعتباری حیثیت میں رکھا۔ بعض نے فعل کو ثابت و برقرار رکھا اور بعض نے حالات و تقاضا پر محمول کر کے اس کی مدت متعین کی۔ یہ فرق بھی آگے چل کر بعض مسائل میں اختلاف کا سبب بنا۔

(۳) رسول اللہ کے فعل کو دیکھ کر بعض صحابہ نے کسی صورت پر محمول کیا اور بعض نے کسی پر اور وہ فعل دونوں کا احتساب رکھا تھا مثلًا حج کے انفرادیہ کرکے کسی نے سمجھا کہ رسول اللہ فارغ حج اور عمرہ دونوں کی ایک ساتھ نیت کرنے والے تھے، کسی نے تمت ایسے عمرہ و یہ حج کرنے والے سمجھا اور کسی نے سفر جانا۔ زم، مرتبہ و محل کی تعیین میں بعض صحابہ سے سہرہ درسیاں ہو گئیں اور خلاف حکم دیر یا۔

(۴) محل موقع و محل تک رسائی نہ ہو سکی جس کی بنا پر حکام کی توجہ میں اختلاف ہوا۔

(۵) حکم کی علت میں اختلاف ہو، کسی نے اس کی کوئی علت لکائی اور کسی نے کوئی علت قرار دی اور

پھر بعد میں اس سے تنہا طایف اختلاف رونما ہو۔

۲۔ دو مختلف حدیثوں کے موقع و محل کی تعیین میں اختلاف ہو کسی نے ضرورت پر محمول کیا اور کسی نے محمول نہ ثابت کیا جس سے بعض مسائل میں اختلاف کی شکل پیدا ہوئی۔





(۵) تابعین کی رائیں۔

(۶) تابعین کے اختلافی مسائل۔

(۷) حالات و تقاضا۔

(۸) حالات و تقاضا کا اختلاف۔

طریق کار یہ تھا کہ قرآن و سنت کا محل و مقام متعین کرنے میں صحابہ کے اقوال کو ترجیح دیتے تھے پھر تابعین کی طرف رجوع کرتے تھے اگر فیصلہ کن بات نہ سمجھ میں آتی اور اختلاف میں ترجیحی صورت نہ نکل سکتی تو اپنے شیوخ (اساتذہ) اور قریب کے دیگر علماء کے اقوال کو ترجیح دے کر مسائل کا استنباط کرتے تھے۔ اس طریق کار میں متفق ہونے کے باوجود اختلاف کی درجہ ذیل صورتیں تھیں۔

۱۔ اختلاف پر ارا (معانی کے سمجھنے میں صحابہ کا اختلاف جیسے مفاد قرآن کو کسی نے ایک معنی میں لیا اور دوسرے نے دوسرے معنی میں لیا۔)

(۲) قرآن و سنت کے موقع و محل کے تعین میں صحابہ کا اختلاف۔

(۳) سنت کو قانونی حیثیت دینے اور قبول کرنے کے شرائط میں اختلاف۔

(۴) صحابہ کے مختلف اقوال کو مختلف تابعین کے ذریعہ پہنچا اور اپنی اپنی معلومات کی بنا پر ترجیحی صورت قائم کرنا، اس کے نزدیک ترجیح کی کوئی صورت تھی اور کسی کے نزدیک دوسری تھی۔

(۵) اپنے اپنے شیوخ اور قریب کے لوگوں سے استفادہ اور ان کی راہوں کو ترجیح دینا۔

(۶) اختلافی امور میں اپنے اپنے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق فیصلہ کرنا۔

(۷) کسی حدیث کی دریافت جتنا بعین سے نہیں پہنچی تھی۔ اسی صورت میں حدیث کو ترجیح دینا اور تابعین کے اقوال کو رد کر دینا۔ پھر کسی کو یہ حدیث پہنچی اور کسی کو نہ پہنچی۔

(۸) ایک حدیث کسی کو ایسے درجہ سے پہنچی جو اس کے نزدیک قابل اعتبار تھا اور دوسرے کو نہ پہنچی اس بنا پر ایک نے قبول کیا اور دوسرے نے قبول نہ کیا۔

(۹) بعض حدیث کے متعابر میں صحابہ کے اقوال کی طرف رجوع کرنا اور کسی فقیر حدیث پر عمل کرنا اور

کسی کا اقوال پر عمل کرنا۔

(۹) خود صحابہؓ کے اقوال و افعال میں مقام و محل کی تعیین میں اختلاف۔

(۱۰) تابعین کے اقوال و افعال میں بھی مذکور قسم کا اختلاف۔

حالات و تقاضا پر مبنی اختلاف کی چند صورتیں

(۲) یہ صورتیں صحابہ و تابعین کے اختلاف پر مبنی تھیں حالات و تقاضا پر مبنی ورج ذیل صورتیں تھیں۔

(۱) حکم کی علت میں اختلاف اس کی ایک صورت صحابہؓ کے اختلاف پر مبنی تھی اور دوسری صورت حالات و تقاضا پر مبنی تھی۔

(۲) نئے حالات و مسائل کا حل دریافت کر کے کیسے مختلف اصول وضع کرنا اور مقررہ اصول کے تحت ان کا حل دریافت کرنا کسی نے اس کے لئے کوئی اصول وضع کیا اور کسی نے دوسرے اصول سے کام لیا۔

(۳) ضرورت و ضرورت کی نوعیت و کیفیت میں اختلاف اور انھیں کسی اصول کے تحت رکنے اور نہ لانے کے طریقہ میں اختلاف۔

(۴) استدلال و استنباط کے طریقوں میں اختلاف۔

(۵) باتیں کی شریعت کہیں کسی شریعت کے بقایا احکام موجود تھے اور کہیں کسی کے اور ان کے آپس میں اختلاف تھا۔

(۶) عرف و رواج کا اختلاف۔

(۷) ملکی قانون کا اختلاف۔

غرض یہ وجوہات تھیں جن کی بنا پر مختلف فقہاء کے مختلف مذہب قائم ہوئے بعض کے ختم ہو گئے بعض کی رفتار ترقی سست رہی و بعض کو زیادہ ترقی حاصل ہوئی سی طرت بعض فقہاء کو عملی ضروریات سے زیادہ ساقچہ پڑا بعض کو بہت کم۔ اگر عمومی حیثیت سے ان حضرات کو قانون کی عملی ضروریات سے براہ راست ساقچہ پڑا تو یقیناً امت میں وسعت اس سے زیادہ ہوتی ہر اس وقت جب یہاں کہ امام ابو یوسف وغیرہ کی کتاب الخراج وغیرہ سے ظاہر ہوتی ہے اس کے علاوہ فقہاء متقدمین میں چینی وسعت ملتی ہے بعد کے

لوگوں میں مختلف اسباب کی بنا پر وہ درست ہی پدید ہے۔

محدثین اور فقہاء کے نوعیت کے فرق کو بھی سمجھ لینا چاہیے تاکہ مذکورہ اختلاف  
مقابل گردہ نہ تھے

کے سمجھنے میں سہولت ہو، جس پر دونوں گروہ ایک دوسرے کے مقابل اور  
مخالف نہ تھے بلکہ کام کی نوعیت میں فرق تھا ایک کا مرکز توجہ فقہ کی ترتیب و تدوین کا تھا اور دوسرے کا کام حدیث کی ترتیب  
و تدوین تھا۔ اس بنا پر لازمی طور سے احکام و مسائل کی دریافت میں ایک حد تک فرق رونما ہوگا۔ مین  
کوئی فقہ بھی یا سائنس ہے جو حدیث کی موجودگی اور اس تک صحت کے ساتھ پہنچنے کی صورت میں  
وہ اپنی رائے اور جہاد کو ترجیح دے۔ اسی طرح کوئی محدث یا سائنس ہے جو حدیث کی ضرورت کی بنا پر  
احکام و مسائل کا حل نہ دریافت کرے البتہ فقہاء اپنے متعلقہ اصول و ضوابط کے تحت مسئلہ کا حل تلاش  
کرے گا اور محدث اپنی کسی سند کے تحت اس کا جواب دے گا۔ حدیث کے سامنے چونکہ دوسری رہیں ایک  
حد تک سد و دیں اس بنا پر روایتوں کے قبول کرنے میں وہ اپنی سو پر اعتراض جو عمل ہوگا اور فقہاء کے  
سامنے دوسری رہیں بھی ہیں اس لئے روایتوں کو نہ وہ چاہے پرکھ کر قبول کرے گا۔

محدثین کا طریقہ | اس کے علاوہ دونوں کے مزاج و طبیعت میں بھی اختلاف ہے ایک روایت کا غلبہ  
ہے اور دوسرے پر روایت کا غلبہ ہے اس کا اثر بھی حوالہ مسائل کی دریافت میں رونما ہوگا مثلاً  
سنت سے مسائل کے استنباط میں محدث اس کی حمایت نہ کرے گا اور فقہاء نے اس سے استنباط کیا ہے یا  
نہیں یہ اس سے دور کی خاص شہر اور گھر کے باشندے ہیں کسی خاص طریقے سے مادی ہے یا نہیں ہے۔  
نہیں کیا عمل بہت سے نہیں ہے۔ یہاں کی موجودگی میں حدیث کسی حد تک قبول ہوگی کسی حد تک  
کے جہاد کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے سمجھنا کہ یہاں کی حدیث کی تلاش کے علاوہ اس کی ترقی  
نہیں ہوتی۔ حدیث کے قبول کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے اس میں بھی حدیث کی نوعیت و نوع  
رکھے گا جہت قبول کے اختلاف کی صورت میں اس کے قبول کو ترجیح دے گا جہاں وہ حدیث پر ہرگز  
زیادہ دیا دے سکے والے اور زیادہ مستند ہو جائے گا۔

گروہ گروہ و طریقہ میں سی غرض کا مریض ہے کہ جو قرآن و سنت کے حکم کی غور و جستجو سے استنباط



اور کنایہ کے طریق سے ترجیحی صورت پیدا کرے گا یا نہ مسئلہ کی صورت میں حل ڈھونڈھے گا اس سے بھی کام نہ پیدا تو ہو کر کسی ملتے جلتے مسئلہ پر سرسری نظر ڈال کر ویسا ہی حکم صادر کرے گا سین فقہاء کے مقرر کردہ قیاس کے فقہی قواعد کی پابندی کا لحاظ نہ رکھے گا۔

تدوین حدیث سے ایک | محدثین کے تدوین حدیث کے کارنامہ نے امت کو ایک بڑے فتنہ سے بچا ہے رکے  
بڑے فتنہ کا اندھا دیوا۔ | اور عقل کا دروازہ کھلنے کے بعد پھر اس کو قاعدہ و قانون کا پابند بنانا نہایت مشکل تھا۔ امت کو اعتدال پر رکھنے کے لئے اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ ایک طبقہ ایسا پیدا ہو جو عقل اور رائے کے آزادانہ استعمال کی مخالفت کرے اور عملی طور پر اس کا ثبوت فراہم کر دے کہ محدود طریقہ پر عقل اور رائے کے اعتبار سے بھی کام چل جاتا ہے۔

محدثین نے جس بلند ہمتی اور عانی ظرفی سے تدوین حدیث کے فرائض انجام دیئے ہیں تاریخ میں ایسی نظیر نہیں ملتی ہے جس قدر قی انشظام تھا اور قدرت ہی نے ان حضرات سے یہ کام لیا ان کی جدوجہد کی بدولت بہت سی وہ روایتیں بھی جمع اور عام ہو گئیں جو بعض فقہاء تک نہ پہنچی تھیں یا ان کی طرف زیادہ توجہ نہ کی گئی تھی۔ ان حضرات میں جو تحقیق تھے انہوں نے فن روایت کو مستقل فن کی حیثیت دی اس کے اصول و ضوابط مقرر کئے حدیث کے جانچنے کے طریقے وضع کئے حدیث کے درجے اور مراتب قائم کئے یہ ساری عظیم نہایت شاندار درنفس ہیں جن کے مطالعہ کے بعد ہی انسان کی خوبی سے واقف ہو سکتا ہے۔

### اشاعت اسلام (معہ جدید حواشی)

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم کی شہرہ آفاق کتاب کا بہترین ایڈیشن۔

مکتبہ برہان نے کمال ایک سال کی محنت کے بعد اس کے حواشی تیار کر رکھے ہیں، حواشیوں کی تلاش میں کاوش و زحمت و زری سے کام لیا گیا ہے۔ قیمت غیر محبتہ چھ روپے۔ مجلد سات روپے۔

# تبیخ الردۃ

د جناب ڈاکٹر خورشید احمد فاروق صاحب اساتذہ ادبیات عربی دہلی یونیورسٹی

(۶)

قرۃ بن جبیرؓ کو، بوکرؓ کے پاس لایا گیا، اُس نے کہا: رسول اللہؐ کے خلیفہ، نجد میں کافر نہیں ہوا، عمرو بن اللہؓ سے پوچھئے، وہ میری وفاداری اسد م کی شہادت دیں گے، جب وہ عثمانؓ سے آ رہے تھے تو میں اپنی قوم کے تنو آدمی لے کر ان کی حفاظت کرنے نکلا تھا، اور اس پہلے میں نے ان کی خوب آؤ بھگت کی اور ادنت فوج کئے، ابو بکر صدیقؓ نے عمروؓ سے پوچھا تو انھوں نے کہا: ”میں قرۃ کے گھر ٹھہرا، میں نے کسی کو ان سے زیادہ جہان نواز نہیں پایا، یہی نہیں وہ خطرناک علاقہ سے نکلنے کے لئے اپنے تنو آدمی سے کر میرے ساتھ گئے،“ پھر عمروؓ نے وہ باتیں ابو بکر صدیقؓ کو سنائیں جو قرۃ نے بطور خیر سگائی ان سے کی تھیں، اس پر قرۃ نے کہا: ”رہنے دو، ان باتوں کو عمروؓ نے عمرؓ سے سن لیا، تم رہنے دیتے تو میں بھی رہنے دیتا،“ ابو بکرؓ نے قرۃ کو کوئی سزا نہ دی، اور معاف کر دیا، اور امان نامہ لکھ دیا، عینہ نے بھی اپنی برأت پیش کی، ابو بکرؓ نے اس کو بھی معاف کر دیا، اور امان نامہ لکھ دیا، حالانکہ وہ بنو عامر کے ن کاہر میں تھا جو اسلام سے باغی ہو گئے تھے، ان کاہر میں علقمہ بن علائہ نے تو یہ نہیں کی اور ارتداد پر قائم رہا، ابو بکر صدیقؓ نے اس کی لڑائی اور بیوی کو گرفتار کرنے پر لوگ مامور کر دیئے، اس پر اس کی بیوی نے کہا: ابو بکرؓ ہوتے کون ہیں مجھے گرفتار کرنے والے، علقمہ کافر ہوا تو ہوا میں تو نہیں ہوتی، ابو بکر صدیقؓ نے اس سے عرض نہ کیا، عمر فاروقؓ کے زمانہ میں علقمہ نے دوبارہ اسلام قبول کیا تو خلیفہ نے اس کی بیوی کو سسرال لوٹنے کی اجازت دیدی۔

خالد بن ولیدؓ نے بنو عامر اور دوسرے مرتد باغیوں سے جوان کے پاس آئے اور جنھوں نے وفاداری اسلام کا عہد لیا وہ سارے ہتھیار رکھوائے جوان کے پاس تھے اور چھپے ہتھیاروں کے لئے قسم لی جس نے قسم کھالی اس کو چھوڑ دیا اور جس نے قسم کھانے سے انکار کیا اس کو گرفتار کر لیا اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک وہ چھپے ہتھیار نہ لے آیا، اس طرح خالدؓ نے بہت سے ہتھیار فراہم کر لئے، دورانِ بوئوں کو دیئے جنھیں ضرورت تھی، ہتھیار اور ہتھیار پانے والے کے نام رجسٹر کرے گئے اور جب لڑائی ختم ہوئی تو اپنے والوں نے ہتھیار واپس کر دیئے، یہ سب ہتھیار خالدؓ ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں لے گئے۔

یزید بن شریک فزاری کے والد نے بیان کیا کہ جب خالد بن ولیدؓ ہند کی مہم سے فارغ ہوئے تو میں اسد و رقیظان کے ایک وفد کے ساتھ ابو بکر صدیقؓ سے اسد و رقیظان کے بہت سے لوگ اپنے علاقے کھسکے گئے تھے اور ابو بکر صدیقؓ کے پاس جت ہو رہے تھے ان میں سے کچھ نے خالدؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور کچھ نے نہیں کی تھی، پھر وفد ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، وفد سے خلیفہؓ نے کہا: "وہ توں میں کوئی ایک پسند کر لو، حرب محیت یا سلم لخریہ، وفد کے ایک سربراہ اور وہ رکن خارجہ بن حصین فزاری نے کہا: "حرب محیت سے تو ہم واقف ہیں، لیکن سلم لخریہ ہم نہیں جانتے،" ابو بکر صدیقؓ: "وہ یہ ہے کہ تم اس بات کا اقرار کرو کہ ہمارے مقتول بہت میں جائیں گے اور تمھارے ذریعہ میں ہماری جن چیزوں پر تم قابض ہو دو، ورنہ دو گے اور ہم تمھاری کوئی چیز نہیں چھوڑیں گے، تم ہمارے مقتولوں کا خون بہا دو گے، اور ہم تمھارے مقتولوں کا خون بہا نہیں دیں گے، اور ہمارے ہر مقتول کا خون بہا سوا دنت ہوں گے جن میں سے چار میں چار دنتیاں ہوں گی، ہم تمھاری ساری زمینیں ورگھوڑے لے لیں گے، درمیں اونت چرانے کے لئے چھوڑ دیں گے، درمیں گے، تمھارے عزیز میں نہ رہا ہے، تم اسد کے وفد کو رہا کرتے ہو، خارجہ بن حصین، خنیہ رضی اللہ عنہم اسد کے وفد کو رہا نہیں گئے، ابو بکر صدیقؓ: "اچھا تو اس بات کا عہد کرو کہ یورپی عورت قرآن کے بعد بقیہ زندگی گزارے اور اپنے ہاں بچوں کو قرآن کی تعلیم دو گے



وہ اپنے دل کی زکات ادا کرو گے : وفد نے ان سب باتوں کا جھد کیا۔ ابو بکر صدیقؓ نے جتنی زہریں اور گھوڑے ہو سکے اس قدر غطفان سے لے لیے۔ ان کی وفات پر عمر فاروقؓ نے یہ دیکھ کر کہ اسلام کی جڑ منہو ہو گئی ہے زہریں اور گھوڑے ان کے ہاتھوں یا ان کے قریبی رشتہ داروں کو لوٹا دئے۔ جب فاروقؓ نے طلحہ بنو عامر اور اس پاس کے باغیوں کو ٹھکانے لگا چکے تو انھوں نے ظاہر کیا کہ ابو بکر صدیقؓ کا حکم ہے کہ وہ بنو تمیم اور پیامہ بنو حنیفہ کا رنج کریں، انصار کے بیڑ رثابت بن تمیم نے کہا ہمیں تو یہ ہدایت ہے ہمیں اور ہم تو آگے نہیں جائیں گے اور ہمیں ٹھہر کر حنیفہ کی اگلی ہدایات کا انتظار کریں گے، ہم کافی کمزور ہو گئے ہیں، مسلمان تھک گئے ہیں، اور ان کے گھوڑے دبے ہو گئے ہیں، خانہ بدشہ میں کسی کو مجبور نہیں کرتے، اگرچہ ہو تو میرے ساتھ چلو اور چاہو تو ہمیں ٹھہرے رہو : یہ کہہ کر فاروقؓ درود، یہاں جو عرب جو چہنے کو تیار ہوئے، بنو تمیم کے مدد اور پیامہ کی طرف بڑھ گئے، انصار ایک یا دو دن ٹھہرے سب پہرے میں ہاتھی ملاست ضرورت ہوئی، انھوں نے کہا ہمارا قدم غسل و مہلت کے خلاف ہے، بعد اگر مسلمانوں کو شکست ہوئی تو وہ کہیں گے تم نے ان کے ساتھ خدا ہی کی وراں کا ساتھ نہ چھوڑ دیا، اس رسوائی کا وہ کبھی ہمارے، تم سے نہیں جھوٹے گا، اگر خدا کی نوح کو نجات حاصل ہوئی تو تم اس نعمت سے محروم رہو گے، بعد خانہ بدشہ کے مدد و مدد سے ٹھہر جائیں گے ہم ان سے آمیں۔ انصار نے مسعود بن سنان اور بنو بنی عبد بن غنم کو یہ پیغام دے کر بھیج دیا، خانہ بدشہ نے پیش قدمی رد کر دی اور جب انصار کے کیمپ کے نزدیک آئے تو وہ دربار کی نوح خود دونوں کا استقبال کرنے بڑھے

وفد نے انصار کے کیمپ میں دو گشت ہوئے

ذکر کل نوح کے ساتھ بھارت کے تختوں سے جو بنو تمیم کے علاقے میں تھے وہاں کوئی مخالف پارٹی ان کو نہیں ملی، انھوں نے اس پاس دستہ جمادیے، ان کے ہاتھ میں وقت وہاں رہی بھی تھے، بوقت زہریں میں کہیں کہیں نہیں دیکھے، یہی کہہ کر اس قصبہ سے مونا اس نے کہا : جو حنیفہ سے ہمیں پوچھو، وہ لوگ کہاں ہیں خود ہمارے ملک میں : سنو وہ بدلتی جہاں وہ تھے، میں نے پوچھا : ہمارے دربار کے دربار کت و حنیفہ سے : اس نے کہا : وہاں کچھ نہیں ہے، اسے اور صورت لکھنے

نکلنے ان کے پاس پہنچ گئے۔ وہ ہمیں دیکھ کر ڈر گئے اور اپنے ہتھیار سنبھا لئے اور پوچھا: تم کون ہو؟ ہم نے کہا سلمان، انھوں نے کہا ہم بھی مسلمان ہیں۔ وہ بارہ نفر تھے اور ان میں مالک بن نویر، بھی تھا۔ ہم نے کہا: ہتھیار رکھ دو، ورنہ ہمارے بس میں ہو جاؤ گا، انھوں نے ایسا کیا۔ ہم ان کو پکڑ کر خاند کے پاس لائے، اوقات ڈھونڈنے کا جو قصہ بیان کیا ہے وہ ذرا آگے بیان ہو گا، اللہ ہم یہاں مالک بن نویر کا تعارف کراتے ہیں۔

مالک کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو حنظلہ کا جن کے مالک سرور تھے، مجھٹل زکاۃ مقرر کر کے بھیجا تھا، مالک نے زکاۃ جمع کی، لیکن جب ان کو رسول اللہ کی وفات کی خبر ملی تو انھوں نے زکاۃ کے اونٹ چٹ لئے تھے ان کو تو دے، اس لئے، ان کا نام جنوں دوٹانے والا پڑ گیا، انھوں نے بنو حنظلہ کو جمع کر کے کہا: اس شخص دریںوں، شر کا انتقال ہو گیا ہے، اگر قریش میں اس کا کوئی جانشین ہوا تو ہم اس کو تسلیم کر لیں گے بشرطیکہ وہ ہم سے خود کو تسلیم کرانا چاہے اور پچھلی زکاۃ طلب نہ کرے، تم اپنی دولت انعام کو کیوں دو، تم خود اس کے زیادہ مستحق اور اہل ہو، یہ تقریر شکر قبیلہ کے کثر لوگ خوشی خوشی اس کے مثبت ہو گئے۔

یہ دیکھ کر ابن تغلب جو نبی یہ بوٹ کے یڈر تھے کھڑے ہوئے اور کہا: صاحبو! آپ کی یہ خام خیالی ہے، اگر آپ چاہیں کہ ایک طرف زکاۃ واپس لے لیں ورنہ دوسری طرف خدا اپنی عسائیوں سے آپ کو نوازتا رہے، آپ مصیبتیں میں اور خدا آپ کو خیر دعائیت سے رکھے، آپ کفر کو اپنا شعار بنائیں اور اسلام کے امن سے مستفید ہوتے رہیں، آپ نے اپنی درست کا بہت تھوڑا حصہ الگ کیا ہے، زکاۃ میں اخذ کا حکم مانئے اور مالک کے مشورہ پر عمل نہ کیجئے، یہ سن کر مالک کھڑے ہوئے اور کہا: صاحبو! میں نے بطور کرامت شفقت آپ کی زکاۃ بوٹائی ہے، یہ لوگ برابر کھڑے ہوتے رہیں گے جو میرے زکاۃ واپس کرنے اور آپ کی زکاۃ واپس لینے کی خدمت کریں گے، یہ لوگ نہ تو مجھے نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ آپ کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں، بخدا نہ تو مجھے اپنا مال آپ کی نسبت زیادہ پیارا ہے ورنہ میں آپ کی نسبت موت سے زیادہ گھبراتا ہوں، اور ہر دلی حمد کے

وقت اگر میں ٹھہریں تو میں آپ کو دشمن کے سامنے کر کے چھپ نہیں جاؤں گا اور میں اگر  
خطہ کے وقت بھاگ جاؤں تو میرے سر آپ سے زیادہ تیز بھی نہیں دوڑیں گے۔ یہ تقریر  
کام کر گئی ان کے قید بنو خذلہ نے ان کو مٹایا اور اپنا معاملہ ان کے سپرد کر دیا اور کہا :  
آپ کی جنگ ہماری جنگ ہے اور آپ کی صلح ہماری صلح انھوں نے زکاتہ و ایس لے لی  
لیکن ان کے بارے میں خدا کا جو حکم تھا وہ پورا ہو کر با مالک نے اس موقع پر یہ شعر کہے :-

وقال رجال مالک لہ لیس

وقال رجال مکدہ الیوم مالک

اور کچھ کہتے ہیں کہ اس کی باتیں درست نہیں

کچھ لوگوں نے کہا آج مالک نے بالکل ٹھیک بات

فلما اخطر ایا فی المعاد ولا البد

فقلت دعونی لا ابالا بیکم

میرا خطر عمل نہ شرارت میں غلط تھا نہ اب ہے

فرق ثانی سے میں نے کہا تمہارا دامن میرے پیچھے نہیں

ولا نا خطر فی ما یحیی بہ عند

وقلت خذوا اموالکم غیر خائف

میں نے ان سے کہا بے دھڑک ہو کر اور بنام سے نکل کر کے اپنا مال لے لو۔

اطعنا وقمنا الدین دین محمد

فان قام باراً من المہوف قاتل

تو ہم اس کی اطاعت کریں اور کہیں محمد کا دین ہی سچا

اگر محمد کا کوئی جانشین ہو جس کا دھڑکا ہے

اشعار کا جب بیکرٹ ورسنوں کو علم ہو تو ان کو مالک پر بہت غصہ آیا اور خدا بن

دینڈے عبد کبر اگر مالک ان سے باتھ لگائے تو وہ ضرور ان کو قتل کر دیں گے اور ان کے سر کا

چوہا بنا کر اس پر ہانڈی چڑھائیں گے نہ کہ بھجوا دے تب مالک اور ان کی قوم کے ایک

گروہ کو پکڑ کر لایا تو دستہ کے کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم نے اذان دی تو انھوں نے مالک اور ان

کے ساتھیوں نے بھی دی ہم نے اقامت پڑھی تو انھوں نے بھی پڑھی ہم نے نماز ادا کی تو

انھوں نے بھی کی ہو کر صدیق کی فائدہ کو بدیت تھی کہ جب کسی گھوڑے اذان کی آواز سنو تو اس

کو کوئی ضرر نہ پہنچا جب تک اس سے یہ پوچھ لو کہ سدم کی کیا بات تم کو نا پسند ہے در تم کی

چاہتے ہو اور جس گھر سے تم اذان کی آواز سنو اس پر حملہ کر دینا نہ رہے جو نہ کو قتل کر دینا نہ

چاہتے ہو اور جس گھر سے تم اذان کی آواز سنو اس پر حملہ کر دینا نہ رہے جو نہ کو قتل کر دینا نہ

چاہتے ہو اور جس گھر سے تم اذان کی آواز سنو اس پر حملہ کر دینا نہ رہے جو نہ کو قتل کر دینا نہ

چاہتے ہو اور جس گھر سے تم اذان کی آواز سنو اس پر حملہ کر دینا نہ رہے جو نہ کو قتل کر دینا نہ

چاہتے ہو اور جس گھر سے تم اذان کی آواز سنو اس پر حملہ کر دینا نہ رہے جو نہ کو قتل کر دینا نہ

چاہتے ہو اور جس گھر سے تم اذان کی آواز سنو اس پر حملہ کر دینا نہ رہے جو نہ کو قتل کر دینا نہ

چاہتے ہو اور جس گھر سے تم اذان کی آواز سنو اس پر حملہ کر دینا نہ رہے جو نہ کو قتل کر دینا نہ

چاہتے ہو اور جس گھر سے تم اذان کی آواز سنو اس پر حملہ کر دینا نہ رہے جو نہ کو قتل کر دینا نہ

چاہتے ہو اور جس گھر سے تم اذان کی آواز سنو اس پر حملہ کر دینا نہ رہے جو نہ کو قتل کر دینا نہ



جلادینا، دستہ کے کچھ لوگوں نے کہا کہ مالک ورن کے ساتھی مسلمان نہیں ہیں، کیونکہ انھوں نے مالک اور ساتھیوں کو نہ تو اذان دیتے سنا نہ تکبیر کہتے، اور یہ کہ ان کو قتل کرنا اور ان کے بال بچوں کو غلام بنانا درست ہے، خود فائدہ کی بھی ان کے بارے میں یہی رائے تھی، بوقتاً وہ انھاری بیٹی میں خالہ کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا تم ان لوگوں کو قتل کر دو گے تو انھوں نے کہا ہاں میں نے کہا: بخدا تمھارے لئے ان کا قتل کرنا جائز نہیں، وہ مسلمان ہیں اس لئے ہم ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتے، میں تمھاری رائے سے متفق نہیں ہوں، خالہ نے ان کو قتل کر دیا، میں جلدی جلدی ابو بکرؓ کے پاس دینے گیا، ان کو مالک کے قتل کی خبر دی اور کہا کہ نہ لے بڑا سنگین کام کیا ہے، عمر اس معاملہ میں میرے ہم نوا تھے، انھوں نے بھی نہ لے کے اس فعل کی مذمت کی اور کہا کہ خالہ کو سنگسار کیجئے وہ اسی سزا کے مستحق ہیں، ابو بکرؓ: بخدا میں تو یہ کر نہیں سکتا، خالہ سے اجتہاد ہی قطعی ہوئی ہے۔

یعقوب بن محمد زہری درود قدی نے مالک بن نویرہ کے قتل سے متعلق مذکورہ بیان سے مختلف بیانات پیش کئے ہیں جن کو میں نظر انداز کرتا ہوں، ان میں سے ایک میں ہے کہ خالہ نے اپنے عہد کے مطابق مالک کے سر کا چوڑھا بنایا، جب کہ ہم نے پہلے ذکر کیا، ان کے سر پر عید گھسنے والے تھے لوگوں نے بانوں میں آگ لگا کر پھونکا تو ہانڈی گرم ہو گئی، آگ سر کی کھال تک نہ پہنچی، خالہ جب دینے آئے تو ابو بکرؓ نے مالک بن نویرہ کے قتل پر جن کے اسد مہ کی بوقتاً وہ دینے نے شہادت دی تھی ان کو سخت دست کہا، نہ لڈٹ پنے کے کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں نے مالک کی زبان سے ایسی باتیں سنیں جن سے ان کو سزائے موت دینا جائز ہو گیا، ابو بکرؓ نے ان کی صفائی قبول کی۔ متھم بن نویرہ نے اپنے بھائی مالک کے، تم میں بہت سے قصیدے کہے جن میں یہ قصیدہ اس غور پر مشہور ہے جس کے دو شعر یہ ہیں۔

وَمَا كُنَّا فِي حَبِيبَةٍ حَقِيصَةٍ      مِنْ لَدُنْ حَنِي قَبْلِ لَنْ تَصِدَّ عَا

لَمَّا تَفَرَّقَا كَأَنِّي بِمَا لَحِقَا      حِينَ حَتَا      لَمَرِّكَ لَيْلَةً مَعَا

کہا جاتا ہے کہ عمر بن خطابؓ نے متم بن نویرہ سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میں بھی تمہاری طرح اپنے بھائی زیدؓ کے (جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے) مرثیے کہتا، متم نے کہا: ابو حفص اگر میں جانتا کہ میرے بھائی کا ٹھکانہ (مراد جنت) وہی ہے جو تمہارے بھائی کا ہے تب تو ان کے مرثیے کہتا ہی نہیں: "غر فاروقیہ سن کر پھڑک گئے اور بولے: "جیسی میرے بھائی کی تمہارے تغزیت کی سچ تک کسی نے نہیں کی!"

### مسئلہ کذاب اور اہل یمامہ کے ارتداد کا ذکر

رافع بن خدیج: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو عرب قبیلے آئے ان میں سے زیادہ سخت دل اور مدام سے کم سے کم متاثر ہونے والا قبیلہ بنو ضیفہ کا تھا۔ یہ سلسلہ کے وفد کا حال پہلے ذکر رسول اللہ میں گذر چکا ہے، جب وفد کے لوگوں نے بتایا کہ ہم نے یہ کو اپنے خیموں کی نگرانی کے لئے پیچھے چھوڑ دیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ یہاں تم سے برا نہ رہتا،" ۲۵۱ ابن عباسؓ راوی ہیں کہ جب سیدہ اپنی قوم بنو ضیفہ کے ساتھ رسول اللہ کی پاس آیا تو اس نے کہا: "اگر محمدؐ اپنے بعد خلافت مجھے دیدیں تو میں ان کے کہنے پر چلوں،" وہ رسول اللہ سے ملنے آیا۔ ثابت بن قیس بن شماسؓ آپ کے پاس تھے اور آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک ٹکڑی تھی مسئلہ پاس آکر کھڑا ہو، تو رسول اللہ نے فرمایا: "اگر تم آگے بڑھے تو تم پر خدا کی رپڑے گی اور پیچھے لوٹے تو خدا تمہاری اینٹ سے اینٹ بی دے گا، میں تم کو دیوبند میں رہا ہوں جیسا میں نے تم کو خواب میں دیکھ دیا تھا، اگر تم مجھ سے کھجور کی یہ ٹکڑی بھی مانگو تو میں نزدیک اور یہاں بت تمہارے سوالات کا جواب دے گا: بن عباسؓ کہتے ہیں میں نے ابو ہریرہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے من قول کا مفہوم پوچھا: "میں تم کو دیوبند میں رہا ہوں جیسا میں نے تم کو دیکھا تھا، تو انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ دو سونے کے کمرے میرے ہاتھ میں ہیں، میں نے ان پر پھوک ماری تو وہ اڑ گئے، ان میں سے ایک یمامہ میں گرا اور دوسرا

میں "رسول اللہ سے پوچھا گیا کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے تو انھوں نے کہا: کچھ دن بعد دو چھوٹے نبوت کا دعویٰ کریں گے" زمین میں اسود غسی اور یمامہ میں سیلہ

جب سیلہ اپنی قوم کے ساتھ یمامہ لوٹا تو وہ اسلام سے منحرف ہو گیا اور نبوت میں رسول اللہ کا شریک بن بیٹھا اور اس وفد سے جو اس کے ساتھ مدینہ گیا تھا کہا: جب تم نے میرا محمد سے ذکر کیا کہ ہم تمہیں کی نگرانی کئے لئے اُس کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں تو انھوں نے نہ کہا تھا کہ "وہ تم سے برا نہ رہتا" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ محمد کو معلوم تھا کہ مجھے نبوت میں ان کا شریک بنا دیا گیا ہے کچھ عرصہ بعد سیلہ نے رسول اللہ کو یہ مراسلہ بھیجا:-

"سیلہ (۱) رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام: مجھے آپ کے ساتھ نبوت میں شریک کیا گیا ہے یعنی خدا کی طرف سے آدھی زمین ہماری ہے اور آدھی قریش کی لیکن قریش حق مار لوگ ہیں" سیلہ کے دو سفیر ریخو لے کر رسول اللہ کے پاس آئے مخاطب پڑھ کر آپ نے ان سے پوچھا: نبوت کے معاملہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو وہ بولے: جو سیلہ کی رائے وہی ہماری رائے "رسول اللہ! اگر سفیروں کا مارنا جائز ہوتا تو میں تمہیں قتل کر دیتا" رسول اللہ نے سیلہ کو یہ جواب دیا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے سیلہ کذاب کو واضح ہو کہ زمین کا مالک خدا ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ در آخرت کی سرخروئی خدا ترسوں کے لئے ہے۔" ابن اسحاق: یہ سننے کے آخر کا واقعہ ہے، دوسرے سورخ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اُس وقت پیش آیا جب رسول اللہ حجۃ الوداع پر آخری حج کر کے لوٹے اور مرض موت میں مبتلا ہوئے واللہ تعالیٰ اعلم

## رہنمائے قرآن

اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت کو سمجھنے کے لئے اپنے ذہن کی بالکل جدید کتاب ہے جو خاص طور پر غیر مسلم یورپین اور انگریز نئی تعلیم یافتہ صحابہ کے لئے تھی بنی ہے۔  
جدید ایڈیشن۔ قیمت ایک روپیہ



# مصحف

رجب نثار احمد صاحب فاروقی یونیورسٹی لاہور دہلی

(۵)

بہ سوں خود بخود پیدا ہوا ہے کہ جب مولوی عبد القادر غلین راہبوری خود مصحف سے جا کر ملے ہیں اور ان سے اپنی ملاقات کا حال روزنامے میں لکھ رہے ہیں تو ان کی حیثیت شاہد عینی کی ہوئی پھر ان کی شہادت قبول کرنے میں تاثر کیوں ہو۔ اس کا ایک پہلو تو واقعی ہے جسے ہم گزشتہ صفحات میں پیش کر چکے ہیں اور دوسرا پہلو طنی و قیاسی یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ روزنامہ نگار کو تسبیح ہوا ہو، مصحفی نے اکبر پور ہی بتایا ہو اور تحریر کے وقت اسے یاد نہ رہا ہو۔ یا سہو قلم سے ایسا لکھ دیا ہو۔ یہ بات کچھ ایسی بعید بھی نہیں۔ بیشتر سفر نامے اور روزنامے ایسی غلطیوں سے معمور نظر آتے ہیں۔ مشہور عالم سیاح ابن بطوطہ جب ہندوستان آیا تھا اور بہاؤ کی سیر و سیاحت کرنے کے بعد اپنے وطن طنجہ کو واپس ہونے لگا تو اس کے تمام کاغذات اور سیاحت کی یادداشتیں ایک طوفانی حادثے میں دیا پڑ ہو گئی تھیں۔ مجبوراً اپنے وطن پہنچ کر محض حافظے پر اعتماد کر کے اس نے سفر نامہ مرتب کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ بعض عجیب و غریب قسم کی باتیں اس میں راہ پانگئی ہیں جو بیک نظر ہی غلط معلوم ہوتی ہیں۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ مولوی عبد القادر غلین سیدنی تھے اور سیر و سیاحت ان کا خاص شغف تھا اور وہ سب سے اور وہاں کے سر رہا اور وہاں کے لوگوں سے وہاں واقف نہ ہوں گے خصوصاً ایسی صورت میں کہ وہ غالباً ۱۸۰۳ء کے ملک جب امر وہہ کے قوت میں بھی رہے تھے۔ اور اس زمانے میں امر وہہ کی کوتوالی متحدہ چوک میں تھی جو متحدہ کالی پٹری سے بالکل متصل ہے۔ درجہ انصحفی اور

اُن کے خاندان کی سکونت بتائی جاتی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مصحفی نے قصداً اپنے وطن کو ان پر ظاہر نہ کیا ہوگا۔ اس کے دو اسباب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ وہ کوئی عالی نسب انسان نہیں تھے اور کم از کم مصحفی کے زمانے میں نسی ایاز کی بڑی ہیبت تھی۔ دوسری بات یہ کہ عمیق کی ملاقات سے پہلے ”مصر کے مصحفی و انشاء“ ہو چکا تھا اور وہ اپنے کلام کو مستند ظاہر کرنے کے لئے اپنے دہلوی ہونے کا تذکرہ جگہ جگہ غز کے ساتھ کرتے رہتے تھے۔ شاید اسی لئے انھوں نے اپنا مولد مخفی رکھا ہوگا۔

۵۔ امروہہ | اکبر نور سے مصحفی کے تعلق کی وضاحت پہلے کر دی گئی۔ ثم گڑھ (یا بلجھ گڑھ) کے بارے میں مولوی عبدالقادر کے بیان کے سوا اور کوئی خارجی یا داخلی شہادت ملتی نہیں۔ اب امروہے کے مولد مسکن ہونے کا ثبوت باقی رہ جاتا ہے۔ اس سلسلے کی بھی کچھ شہادتیں ادھر گزر چکی ہیں، جن میں خود مصحفی کے بیانات بھی ہیں جن سے ان کی سکونت امروہہ کا جاں کھلتا ہے۔ دوسری شہادت سید اصغر حسین نقوی مولف ”تاریخ اصغری“ کی ہے۔ جنھوں نے محلہ کانی پٹری کے ذیل میں ولی محمد اور مصحفی کا تذکرہ کیا ہے۔ تیسری قریب الہد شہادت سید آل حسن مولودی امروہوی کی ہے۔ ان کی مولفہ کتاب ”نخبۃ التواریخ“ میں امروہہ سے ثابت ہوئی تھی اور اب کیا ہے۔ اس میں انھوں نے ضمناً مصحفی کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

”و در شعرات و زمانہ خدمت بہ انی مصحفی بسیار نامدار در گذشتہ...“

جمع الفوائد کی عبارت، مصحفی کے کلام کی داخلی شہاد اور ان کے تذکروں کے تراجم سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصحفی کا خاندان امروہہ ہی میں آباد تھا۔ ان سب کی نسل منقطع ہو گئی اس لئے اب ان کے بارے میں تصدیق دشوار ہے۔

سادہ بی | چونکہ بیان موثر خوں تذکرہ نگاروں و بعض معتبر شاہدوں کا وہ ہے جس میں مصحفی کو

بائستہ دہلی، یا باشندہ منقولات دہلی کہا گیا ہے۔ ابوالقاسم میر قدرت اشرفاں قاسم دستونی

۱۲۴۶ھ نے اپنے تذکرہ مجموعہ غز در سال، بیف، میں ۱۲۰۱ھ و ۱۲۰۶ھ میں لکھا ہے :-

نہ تاریخ اصغری، ۳۹۔ آل حسن مولودی، نخبۃ التواریخ، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳

از مردم پر و نجات ست آتہ قریب روزگار پاک نہائے خود و زند و شعور و وار و حضرت دہلی شدہ  
نشود نہایاتہ۔۔۔

اس پر منشی امیر احمد علوی مرحوم کہتے ہیں کہ :

”میر قدرت اللہ سم دہلوی بھی مصحفی کے دوست تھے اور ان کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے  
اپنے ضخیم تذکرہ شعرا میں مصحفی کو ساکن امرتسر نہیں لکھتے بلکہ مردم پر و نجات سے قرار دیتے ہیں جس سے  
متصور باشندہ مفصلات دہلی بھی ہو سکتا ہے۔“

اس تاویل کے جواب میں اس کے سوا کیا کہا جائے کہ علوی صاحب یا تو ”پر و نجات“ کے معنی  
نہیں سمجھے یا انھیں یہ خبر نہیں کہ مفصلات دہلی کے حدود اس زمانے میں کہاں تک پھیلے ہوئے تھے  
خود مصحفی نے بھی جگہ جگہ دہلی پر اس طرح فخر کیا ہے، گویا یہ ان کا وطن ہے۔

دلی کہیں ہیں جس کو زمانے میں مصحفی میں رہنے والا ہوں اسی اجڑے دیار کا

یا ہے

بعضوں کا گمان یہ ہے کہ ہم بھی زبان دہلی ہیں دلی نہیں دیکھی ہے زبان دہلی یہ کہاں ہیں  
وغیرہ۔

اس میں شک نہیں کہ انھوں نے دہلی کی گلیوں میں بچوں یا حتیٰ اپنی جوانی کھوئی تھی۔  
اور عمر عزیز کے تقریباً ۱۲-۱۴ سال وہاں گزارے تھے۔ وہاں کے اہل کار، صوفیاء، شعراء،  
علماء و فضلاء کی صحبت میں بیٹھے تھے۔ شعر و سخن کے چرچے سنے تھے اور اپنی یک زمانہ ن کی پوری  
زندگی میں یہاں ہی جب وہ دہلی میں ”نسے قنعت“ لگا کر وہ جمعے سے اس طرح بیٹھ سب کہہ  
”ہرگز بہشت کا شوق نہ تھا جس قدر حد و میرات پر نہ کس رفت۔“

پس اگر وہ دہلی کو اپنا وطن سمجھیں، اس سے تعین نہ کرنا چاہیں، اور اس مہر زمین سے

نہ قاسم مجبورہ لغز جلد ۲ / ۸۹-۹۰ ۱۹۳۲ء تک حصہ ۳۵ شمارہ مصحفی نمبر ۱۹۳۹ء

پانچواں صفحہ: تذکرہ ہندی / ۲۲۱



اپنی دہلی کی کو سرما یہ فخر جانیں تو یہ کچھ ایسا نامناسب نہیں۔ مگر اس سے لازماً یہ نتیجہ نہیں نکلا کہ دہلی اُن کا وطن اور مسقط الرأس بھی ہے۔

زمانہ پیامِ امروہہ مصطفیٰ کے اپنے بیانات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اُن کی کتب نشینی کا بہتر ذی زمانہ امروہہ میں ہی گذر۔ دوسرے معتبر تذکرہ نگاروں نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ لکھتے ہیں:

”ز غفون جوانی بہ جہاں آباد، طرح اقامت انگشت“

اسی طرح قدرتِ استادِ قاسم، مجموعہ نغمہ میں یہ تصریح کرتے ہیں کہ:

”در بدو شعور وارد حضرت دہلی شد، نشو و نما یافت۔“

کریم الدین بھی یہی لکھتے ہیں کہ:

”غفونِ شباب میں دریاں شاہ جہاں آباد کے آئے، اسی جہاں سے یقین ہو کر یہاں کے لوگوں سے ملاقات پیدا کی۔“

اور نتائج نے بھی یہی روایت کی ہے:

”مفرداتِ جوانی میں دہلی گئے۔“

اس طرح اُن کا اُن شعور تک مروہہ میں رہنا ثابت ہے۔ بعض شعراء سے انھوں نے اپنی ملاقات کاجاں بھی لکھا ہے جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ دہلی آنے سے پہلے ہی ان کی شعر گوئی کا آغاز ہو گیا تھا۔ اور بعض تذکرہ نگاروں کے بیان سے یہ جو مترشح ہوتا ہے کہ دہلی ہی میں شعورِ شاعری کا جبرجاء پیدا کرو، غوں سرئی کی حرفِ راغب ہوئے یہ قہراً غلط ہے۔ دہلی کے ایک شاعر محترم خاں تھے۔ محترم غن کا تخلص تھا قومِ کنہوہ سے تعلق رکھتے تھے اُن کے بیان میں لکھا ہے:

”تخلص سن زعمدہ امتش بودہ فقیر اور ادرا تہدائے شاعری خود در قصبہ امروہہ دیدہ بود۔“

لے شیفتہ محترم بنوہ، لے مجموعہ نغمہ جلد ۱/۸۵، لے کریم الدین، حقائقِ شعراء، ۲۵۱/ لے نتائج: سخن شعراء، ۴۴ لے مصطفیٰ، عقد ثریا، ۵۴۔

اسی طرح میر عبد الرسول نشانہ کبر آباد کے رہنے والے اور میر تقی میر کے شاگرد تھے۔ میر نے لکھا ہے :  
 "از بارانِ فقر موقوف است چنانچہ مشورتِ من می گوید" <sup>۱۱۵۷</sup>

یہ قادریہ سلسلہ میں بہت بھی تھے۔ "ذہبی کے قیام میں ساداتِ امروہہ، بالخصوص سید بدایہ محمد بن سید منور  
 (ساکن محلہ لکڑہ) سے مریم، تھارویگا گت پید ہو گئے تھے۔ اسی تعلق سے امروہہ چلے گئے اور پھر یہاں  
 سے باہر نکلے" <sup>۱۱۵۸</sup>

معصوفی نے ان سے پی ملاقاتوں کا جاں لکھا ہے :

نیز اور اور اتہدائے شاعری در قبضہ امروہہ دیدہ بود، اکثر بعد ہفتہ و عشرہ اوقات می شد

و در تذکرہ شریباں می آمد۔ از معاہدن میر و مرزاں بحر کا را و با فصاحت و بلاغت

دیش - عمرش تخمیناً قریب شصت خوابہ بود۔ حال معلوم نیست کہ زندہ است یا مردہ ... <sup>۱۱۵۹</sup>

نشانہ کے تذکرے میں قائم چاند پوری نے لکھا ہے :

ذریں یاقہ سابقہ شاعری ساداتِ نجی بہرینِ امروہہ رفت <sup>۱۱۶۰</sup>

نظم نے پناذہ تقریباً ۱۱۵۷ء میں شروع کیا، اور پہلی بار اس کا اتمام ۱۱۶۸ء

۵۴۰ھ میں ہوا، گو اس میں خاتمہ ۱۱۶۹ء تک ہوتے رہے <sup>۱۱۶۱</sup>

میر اپنا تذکرہ ۱۱۶۵ء میں مکمل کرتے ہیں اور اس وقت نشانہ کے امروہہ جانے کا ذکر نہیں کرتے۔

اس سے ہر گز ناچیز تجربہ ہوتا ہے کہ نشانہ نے امروہہ کا یہ سفر ۱۱۶۵ء اور ۱۱۶۸ء کے درمیان کسی سال

میں کیا ہو گا۔ جسے قائم ذریں یاقہ سے جبراً ہے۔

نشانہ کے بعد شاہ عبد الرسول نشانہ سید بدایہ محمد کی بنانی ہوئی مسجد کے گوشہ شمال و مشرق

میں دفن ہوئے اس پر بدایہ محمد نے بہت خوشنما مقبرہ تعمیر کرایا تھا۔ اس مسجد کی جامعہ دکانف نامہ

۱۱۶۸ء کو لکھا گیا۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نشانہ جو سی مسجد کے ایک گوشے میں دفن ہیں

۱۱۶۸ء کے بعد ۱۱۷۰ء میں رہے ہوں گے۔ تذکرہ کبریا ۱۱۷۰ء میں لکھی۔ بندی ۱۱۷۰ء میں لکھی۔

۱۱۷۰ء (۱۷۶۱ء) تک تفصیل ملاحظہ ہو۔ یہاں یہ دستور فصاحت ۱۱۷۰ء، ۱۱۷۱ء۔

۱۸۹۱ء کے بعد ہی راجی ملک عدم ہوئے۔ اور مصحفی سے ان کی ملاقات کا یہی زمانہ ہے جب کہ مصحفی کی عمر ۱۸- اور ۲۰ سال کے درمیان رہی ہوگی۔ ۱۸۹۲ء تک مصحفی امر وہمہ کو خیر باد کہہ چکے تھے۔

نثار کے علاوہ، مصحفی نے "شاہ عالم پرزادہ کا ذکر بھی کیا ہے، لکھتے ہیں:-

"شاہ عالم پرزادہ، مخزون تخلص، ساکن قصبہ امر وہمہ۔ درایہ مفید فقیر مکتب نشین بود، اور دراصل شہرت بہت عری داشت و در مایہ محترم مرثیہ و سلام یزعی گفت دی خواند۔"

اس عبارت سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے کہ مصحفی کی مکتب نشینی کا زمانہ امر وہمہ میں گذرا اور انھیں بدوشہور ہی سے شعروشاعری کا چسکا لگا ہوا تھا۔ مخزون کے تین شعر بھی انھوں نے نقل کئے ہیں جو اس زمانے سے حافظے میں محفوظ تھے۔ مخزون ہی سے انھوں نے گوہری بدایونی کے دو شعر سنے ہوں گے وہ تذکرے میں نقل کئے ہیں اور لکھا ہے:

"دو شعر شہ کہ زبانی شاہ عالم پرزادہ در عالم طفولیت شنیدہ بودم ایاد است۔"

غرض، داخلی و خارجی شہادتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مصحفی "سن شعور" کو پنپنے کے بعد وہاں آئے تھے۔ دوران کی تعلیم و تربیت کا ابتدائی زمانہ امر وہمہ ہی میں گذرا۔ قاضی عبدالودود صاحب کا یہ بیان ہم نے پہلے بھی نقل کیا ہے کہ "وہ کم از کم پچیس برس کی عمر میں وہاں پنپے ہیں۔" قدرت اللہ خاں قاسم اور شیخہ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ "ان کا ساں پیدائش ۱۸۸۵ء تسلیم کیا جائے تو امر وہمہ سے رخصت ہونے کا زمانہ ۱۸۹۲ء ہوتا ہے۔ دوران حاکمہ ۱۸۹۵ء میں مصحفی کٹیر میں موجود تھے۔ اندر میں صورت یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ وہ ۱۸۹۲-۱۸۹۳ء کی عمر میں ۱۸۹۲ء کے مابین امر وہمہ سے ترک وطن کر کے نکلے۔ اور یہ نکلے کہ پھر بھی وہاں جانا نصیب نہ ہوا۔ یہ

اے مصحفی نہ دیکھا۔ دئے وطن پھر آ کر

شاید کہ چٹنگا تو، اے یار گھر سے نکلا

تعلیم و تربیت | یہ ضرور ہے کہ جب میں مصحفی کو باقاعدہ تحصیل علم کا موقع نہیں ملا، اور مکتب نشینی کا

۱۹ ہندی، ۲۰۰۰ء ۱۵ یضاً ۹۸ء ۱۵ مانتہر حشہ۔



جو زمانہ انھوں نے اپنے وطن میں گزارا اس میں رواجِ زمانہ کے مطابق فارسی و عربی میں نصاب کی تبدیلی کتابیں ہی پڑھیں ہوں گی اور اسی دور کو انھوں نے ”ایامِ مکتبِ نشینی“ سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں وہ شعر کہتے تھے اور اساتذہ کے شعر ذوق و شوق سے سنتے تھے، انھیں حافظے میں محفوظ بھی رکھ سکتے تھے۔ مکتبِ نشینی کے اسی زمانے میں ان کی ملاقاتیں محترمہ خاں محترمہ، میر عبد الرسول نثار، شاہ عالم محزوز وغیرہ سے ہوتی تھیں اور ان میں شعر و شاعری کا بھی چرچا ہو جاتا تھا۔ کسی بالکل بے استعداد کہ سواد اور طفلِ مکتب کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ نثار جیسے اساتذہ سے ملے تو شعر و سخن کی محفل بھی گرم ہو۔ اس لئے بجا طور پر قیاس یہ کہنا ہے کہ عربی کی کمر اور فارسی کی بیشتر شد بد انھیں امر وہ ہے ہی میں حاصل ہو گئی ہوگی۔ دہلی آنے کے بعد انھوں نے جو کچھ پڑھا اور اپنے مبلغِ علم میں اضافہ کیا اس کی تفصیل تو ہمیں تذکرہ میں سے معلوم ہو جاتی ہے اور وہ آگے درج بھی ہوگی، لیکن قیامِ امر وہ کہ زمانے کی علمی تحفیں اور درسی کتب کی تفصیل کا حال کچھ نہیں کھلتا۔

شہزادہ کا آغاز | اوپر بیان کی گئی روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے ترکِ وطن سے پہلے ہی شاعری شروع کر دی تھی لیکن کب شروع کی، اس کا تعین اور تحقیق بہت دشوار ہے۔ یہاں بھی قیاس ہی کچھ رہبری کرتا ہے کہ اگر ہم عبد الرسول نثار کا سالِ وفات ۱۱۸۱ھ تسلیم کر لیں تو اس سال سے پہلے ہی مصحفی کی اُن سے ملاقاتیں رہی ہوں گی۔ اور اندازیں صورت یہ حکم لگایا جاسکتا ہے کہ نثار ۱۱۷۵ھ میں ۱۷ برس کی عمر میں وہ شعر موزوں کرنے لگے تھے۔ اور زیادہ سے زیادہ یہی عمر کسی شخص کی ”مکتبِ نشینی“ کی ہو سکتی ہے۔

۱۱۸۱ھ شہیدِ زور، میر و مرزا ست پنچہ گو معلوم می شود۔ و شعر از دوازده مکتب نشینی یہ دو ارم۔ از دست :

گئے برباد پنچہ مال و فریاد یا قسمت  
بہرِ بخت چوئی تب ہم ہوئے آزاد یا قسمت  
شہیدِ آخرِ وقت رہا ہمیں جسرت میں جی دینا  
بارے سر پر آکر پھر گیا جلد و یا قسمت

تندرست معنیٰ نے صراحتہً تو یہی، بھول کر بھی اپنے استاد کا نام نہیں لکھا، جس سے ابتدا میں کلام پر اصلاح لی ہوگی۔ لیکن ایک بیان میں ایسا اشارہ مل جاتا ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ انھوں نے ابتدائی کلام پر امر وہم کے کسی استاد سے مشورہ کیا تھا۔ سید محمد زماں، زمانہ تخلص امرہہ کے سادات عالی تبار میں تھے معنیٰ نے لکھا ہے کہ دنیا کی بے وفائی پر نظر کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور ایک باغ میں پڑے رہتے تھے:

”غیر ہر استاد خود روزے در عالم مکتب نشینی، ابتدا کے شوق موزونی پر صحبت

(باقی)

ایشاں رسید و بود“

لہ تذکرہ ہندی / ۱۱۰۔

## تاریخ اسلام پر ایک نظر

یہ اسلامی تاریخ کے مختلف دوروں کے تمام ضروری واقعات و حالات کا نہایت جامع اور مکمل خاکہ ہے جس کی ترتیب میں تاریخ نویسی کے جدید تقانوں کو سامنے رکھا گیا ہے۔ طرز بیان نہایت ہی دلنشین اور دلپذیر ہے۔

تاریخ اسلام پر علماء اسلام نے اگرچہ عربی، فارسی اور اردو و ہندی زبانوں میں بڑی بڑی محققانہ کتابیں لکھی ہیں لیکن اس زمانہ کے انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے یہ ایسی جامع اور مختصر تاریخ کی شدید ضرورت تھی جس میں نہ صرف مختصر صلح اور خلفائے راشدین کے سوانح یا سیرت کے ساتھ خلافت نبویہ و امت خلافت نبویہ عباسیہ خلفائے فاطمیہ، عثمانی سلاطین اور دیگر مسلم بادشاہوں کے حالات و درجہ ہوں بلکہ اس میں اسلامی معاشرت و تمدن اور مسلمانوں کی شاندار علمی خدمات کا بھی موثر انداز میں ذکر ہو اور تاریخی حقائق کے نتائج پر بھی مبہرانہ نظر ڈالی گئی ہو۔ اس کتاب سے یہ کمی پوری ہو گئی ہے۔ تاریخ اسلام پر ایک تحقیقی اور نفیس کتاب سامنے آگئی ہے۔ صفحہ ۵۶۸، اعلیٰ درجہ کا کاغذ، عمدہ طباعت و کتابت، سائر نہایت موزوں اور خوبصورت۔ قیمت چھ روپے مجلد چھ روپے آٹھ آنے۔

# لکھنؤ

## عبدالوہید

(خان بہادر سید اشرف حسین مرحوم)

خان بہادر سید اشرف حسین ساکن آگرہ، دہلی میں محکمہ آثار قدیمہ کے ایک ممتاز اور اعلیٰ افسر تھے اور گورنمنٹ سروسٹ ہونے کے باوجود علوم اسلامی علی الخصوص تاریخ کا نہایت عمدہ اور صاف ستھرا انداز رکھتے تھے، چنانچہ برہان میں بھی مرحوم کے بعض بلند پایہ تاریخی مضامین شایع ہو چکے ہیں، یوں بھی نہایت متدین اور حسن اخلاق و کردار کا نمونہ تھے۔

۲۷ دسمبر ۱۹۵۸ء کو دہلی بی میں انتقال ہوا اور درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں مدفون ہیں۔ بطور تفتیش شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، زیر نظر نعت جس میں مرحوم کے اثرات قبلی کا عکس پوری طرح جھلک رہا ہے مرحوم کی یاد میں تبرکات شائق کی جارہی ہے۔ (برہان)

دیم نگارے را بہ فرازے	راز حقیقت، رو بہ مجازے
ردے مہینش، ماہ تہاے	چشم یاسہش، محشر طرازے
لوح جہینش، تفسیر لکھی	زلف خیدہ، پیچیدہ رازے
محراب ابرو، محراب کعبہ	کاندز فرشتہ کردہ نمازے
جلوہ اش بزاہد خور، تختی	ذاتش بتاں خود کار یا نئے
از رعب حسش لرزوں دیو عالم	فیض تبسم عاجز نوازے
گرددش ستارہ حجم غیرے	تاں ولرزہاں با سوز سازے
رقعہ ز خود من کردہ تماشہ	تاہ سوئے من دیدہ ہنارے
آہ خیالم خلاق عالم	بشد حسین تر از ہر مجازے



گفتا کہ کشتا چشم بصیرت  
رفتم کہ عالم چشمم بیایش  
پادشہ گفتہ "چہ خواہی  
گفتم کہ ہستی اسے ماہ خوبی  
گفتم کہ پیری خوں جان جانان  
گفتم کہ میرم از سوز ہجران  
گفتم "بہارم خواب از سر خود  
گفتم ز دروت نالہ بر آید  
گفتہ "توئی بہ گفتا "نیستم  
گفتم "شیع محمود ہستی  
ادہم حقیقت ادہم مجاز سے  
باعد خلوصے باصد نیاز سے  
لے مرد مومن و پاک باز سے  
گفتا "مدانی بندہ نواز سے  
گفتا "نہادالہ نیست ناز سے  
گفتا "مر عاشق لازم نیاز سے  
گفتا "ایک اون ناز سے  
گفتا "بہارک سوزے دسان سے  
گفتم "چہ عظمت گفتا "جہاز سے  
گفتا "کہ آنم و اشرف ایاں سے

گفتم کہ اشرف را سر بہ پدی  
گفتا کہ آہے شد سر فران سے

## غزل

جناب سعادت نظیر ایںم۔ اے

آج جہاں دنیا دارا فل زنداں ہوں گے  
طلعت شب میں بڑھیں بے کے جو امید سحر  
دار پر کھینچے ہیں، کھینچے دیں مظلوموں کو  
ذوق حق، ذوق نظر، ذوق عمل، ذوق لقیں  
روشنی "تیرہ کسک" مہر تبسم پرور  
جن سے وابستہ ہے انوہم کی تقدیر نظیر  
کل وہی کنسی تاریخ کا عنوان ہوں گے  
مشعل راہ تجس وہی انسان ہوں گے  
اور بھی جو ہر کردار نمایاں ہوں گے  
کل فروغ بشریت کے یہ ساماں ہوں گے  
اب یہی بیج دل افزا کے عنوان ہوں گے  
مرویدن عمل ایسے ہی انسان ہوں گے

## تہم

خیرالجالس : مرتبہ :- جناب غلیق احمد صاحب نظامی ریڈر شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ  
تذلیع کلاں، ضخامت ۶، ۲ صفحات، ٹائپ روشن اور علی قیمت مجدد درج نہیں شائع  
کردہ شعبہ تاریخ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔

ہندوستان کے صوفیائے کرام پر تحقیقی کام کا جو سلسلہ جناب غلیق احمد صاحب نظامی نے شروع کر رکھا  
اور جس کے لئے انھوں نے اپنی زندگی وقف کر دی ہے یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس میں  
حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے وہ تمام مخطوطات کچھ ہیں جن کو آپ نے وقتاً فوقتاً مختلف مجالس  
میں ارشاد فرمایا۔ درجن کو حضرت نظام الدین اویار کے ایک مرید مولانا حمید قلندر نے قلمبند کر کے  
پھر خود حضرت چراغ دہلوی کو دکھا کر ان کی تصدیق بھی کرائی تھی یہ مخطوطات کیا ہیں؟ علم و حکمت،  
رموز شریعت و طریقت، اسرار معرفت و موعظت کا گنبد ہیں جن میں بزرگوں کی حکایات، قرآن و حدیث  
سے متعلق عجیب و غریب نکات اور بڑی بصیرت افزا و سبق آموز باتیں ہیں، اگرچہ قرون وسطیٰ کے  
صوفیاء و مصنفین نے اس کتاب سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے لیکن عجیب بات یہ کہ اسکے باوجود اس  
کتاب کے مخطوطے صرف تین ہی پائے جاتے ہیں۔ یہ ترتیب نے انھیں تین مخطوطات کی بنیاد پر اس کو  
بڑی قابلیت اور دیدہ وری سے ڈٹا رکھا ہے۔ اصل کتاب جو فارسی زبان میں ہے دو سو نئے صفحات پر  
ختم ہو جاتی ہے اس کے بعد سترہ صفحات میں غیر معروف لفظ اور مصطلحات جو اس کتاب میں مستعمل  
ہوئے ہیں ان کی بڑی مفصل اور جامع فرہنگ ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی زبان میں ایک طویل مقدمہ  
ہے جس میں بڑی تحقیق اور بصیرت سے قرون وسطیٰ میں مخطوطات کی تدوین و ترتیب اور اس کی  
ہمیت خیرالجالس کا مخطوطات میں مرتبہ اس کے مخطوط نسخے اس کے علاوہ مشتملات و مباحث مولانا

حمید قلندر کا تعارف۔ ان سب پر گفتگو کرنے کے بعد صاحب موقوفات یعنی حضرت شیخ نصیر الدین جیرانج دہلوی کے حالات و سوانح اور ان سے متعلق مباحث پر اس تحقیق و ذوق نگاہی سے کلام کیا ہے کہ غالباً کوئی ناقد بچے نہیں پایا ہے اس طرح یہ کتاب علمی اور تحقیقی اعتبار سے بھی شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے جس پر نظامی صاحب ارباب علم و ذوق کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ شروع میں ڈاکٹر تارا چند کا پیش لفظ ہے جس میں انھوں نے مستشرقین یورپ جو تصوف پر کام کر رہے ہیں ان کے کام کا موازنہ لائق مرتب کے کام سے کیا ہے اور اس کو وقت کی ایک اہم ضرورت کی تکمیل بتایا ہے۔ امید ہے کہ ارباب ذوق اس کی قدر کریں گے اور مطالعہ سے شاد کام و محفوظ ہوں گے۔

ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی، توطیع خور، ضحامت

### شہلی ایک داستان

۲۶۸ صفحات، کتابت و طباعت بہتر، قیمت درج نہیں

پتہ:۔ مشرقی پاکستان میں۔ ڈاکٹر آرنلڈ نیو مارکیٹ، غنیم پور۔ ڈھاکہ۔

مغربی پاکستان میں:۔ ایچ۔ ایم سید کمپنی ناشران و، جیران کتب پاکستان

چوک کرچی۔

مورخ، شہلی پر متعدد چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں سب سے زیادہ ضخیم مستند و درجہ اول مورخ ناسد سید خان مدنی کی جہاں شہلی ہے، لیکن ان کتابوں میں تاریخ زیادہ ہے اور تنقید کم ضرورت بھی کہ مولانا کی جامع، الصفات شخصیت کا جائزہ ایک نقاد کے نقطہ نظر سے لیا جاتا اور ان چیزوں پر روشنی ڈالی جاتی جو مولانا کی انفرادی خصوصیات میں درجن کو ان کی شخصیت کے عناصر ترکیبی سمجھا جاسکتا ہے ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی نے سی ضرورت کے پیش نظر یہ کتاب لکھی ہے جس پر ان کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی طرف سے اردو میں ڈاکٹریٹ ہے اس کتاب میں پہلے مولانا کے ذاتی حالات و سوانح لکھے ہیں پھر اس وقت تک روزنامہ کا جو کچھ سراہا تھا اس کا جائزہ لیا ہے اور اس کے بعد مختلف ابواب میں مولانا کی مختلف حیثیتوں پر یعنی بحیثیت مؤرخ، مفکر، شاعر اور انشا پر و زان، قاری و مہر، انیسویں صدی کی روز بروز دست شخصیتیں کے زیر عنوان سرسید اور



دوہوں کا یکجائی مطلق ہے۔ شبلی پر موافق اور مخالف دونوں طرف کی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن  
 ابن معین نے اس کتاب میں کسی قسم کی جانب داری کے بغیر بالکل ایک نفاذ کی حیثیت سے گفتگو کی ہے۔  
 جس میں خود شبلی اور ان کے بعض نفاذ دونوں ہی معرض بحث میں آگئے ہیں جو کچھ لکھا ہے کافی مطالعہ  
 اور غور و خوض کے بعد بڑی سنجیدگی اور متانت سے لکھا ہے۔ زبان صاف ستھری اور اندر زبان سلجھا ہوا ہے۔  
 رد و دہ کے طلب کو اس کا مطلق ضرور کرنا چاہیے۔

از: ۱۔ محترمہ صاحبہ عبد حسین۔ تقطیع خورد و خوراک، صفحہ ۲، صفحہ ۳، کتابت  
 دہلی عت بہتر۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔ پتہ: ۱۔ رائے صاحب، رام دیال  
 اگر والا، کٹرہ، آلا آباد۔ ۲۔

محترمہ صاحبہ عبد حسین اردو زبان کی، مور دیکھ و مفسرہ میں، موصوفہ نے اسلامی تاریخ کے  
 ابتدائی عہد و خصوصاً واقعہ اکبریا کے مختلف پہلوؤں سے متعلق وقت و وقت جو مہیا میں لکھے تھے اور  
 جس میں سے کئی بعض رسوں میں شائع بھی ہو چکے ہیں یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے۔ حالات و واقعات  
 تو وہی ہیں جس کو ہر پڑھا لکھا مسدوں ہوتا ہے لیکن ان کی تصویر کشی رنگ کے باوجود اس پر کاری  
 سے کی گئی ہے کہ پڑھنے والے کلمات نہ ہونا ناگزیر ہے اور یہ کہاں ہے زبان، اور اندر بیان کا اور  
 کسی واقعہ کی مختلف جزئیات کو چمکدہ سنسنی اور دید و داری کے ساتھ مرتب کر دینے کا۔ اس بنا پر  
 اس کتاب کے ”سک“ بڑھانے میں شبہ نہیں لیکن یہ گوہر وہ نہیں جو بطن صدف سے پیدا ہوتا اور  
 بہرہ بہرہ کے گوش و گردن کی زینت بنا ہے بلکہ یہ وہ گوہر ہستے آبدار میں جو کسی عابد شب زندہ دار  
 کی آنکھوں سے شب کے نیچے پہر میں بے ساختہ نیک پڑتے ہیں اور جن کو نریشے ایسے دامن  
 میں جن لیتے ہیں۔

زنجب کیمہ حمد باری۔ تقطیع متبرکات کتابت دہلی عت بہتر صفحہ ۲

۱۔ صفحہ ۲ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔ پتہ: ۱۔ کلیم کب ز پورہ

متبع حکیم

بازار، حمد آباد۔

جناب کلیم احمد آبادی اگرچہ نسبتاً کم مشہور لیکن بڑے پختہ کلام اور کثرتِ شاعر ہیں۔ احمد آباد جیسی جگہ میں رہ کر اس پایہ کا شاعر ہونا ان کے فطری شاعر ہونے کی دلیل ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب سوہن کا پہلا مجموعہ کلام ہے جس میں ان کے دورِ آخر کا کلام درج ہے جس میں جذبات کے ساتھ حکمت اور روایت کے ساتھ سوجھ بوجھ و حقیقت بیانی کا بڑا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ تعقل اور تفلسف کے ساتھ سوز و گداز بھی ہے۔ زبان صاف آہستہ اور رفتہ زروں ہے۔ شروع میں جناب اعجاز صدیقی اور پروفیسر نجیب اشرف ندوی جیسے افاضل کے مقدمے ہیں۔ یہ مجموعہ ہر صاحبِ ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے۔

## اسلام میں غلامی کی حقیقت

تالیف

مولانا سعید احمد ایم اے۔ مدیر بہان

یورپ کے ارباب علم نے اسلامی تعلیمات کو بدنام کرنے کے لئے جن حربوں سے کام لیا ہے ان میں سلیوری کا حربہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے علمی، تبلیغی حلقوں میں اس مسئلہ کا مخصوص طور پر چرچا رہتا ہے اور اس وجہ سے ہندوستان کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی اس سے اثر پذیر ہے۔ غلامی کے مسئلہ پر اسلامی نقطہ نظر کے تحت ایک محققانہ و پکا بحث دیکھنے کے لئے یہ کتاب پڑھنے کے لائق ہے۔ اس میں غلامی کی حقیقت اس کے اقتصادی، اخلاقی و نفسیاتی پہلوؤں پر بحث کرنے کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں کی خرید و فروخت کی حد تکب سے ہوئی، اسلام نے اس میں کیا کیا اصلاحیں کیں اور ان صلاحوں کے لئے ایک پر حکمت طریقہ اختیار کیا اسی کے ساتھ مشہور مصنفین یورپ کے بیانات اور یورپ کی ہلاکت خیز اجتماعی غلامی پر بھی بسوطِ مشہور کیا گیا ہے، ایسرا ایڈیشن، بڑا ساکر، ۲۶۰ صفحات، قیمت للعر مجید مصر (کتاب زیرِ طبع ہے)

# مکمل

جلد ۴۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ شمارہ ۴

## فہرست مضامین

۱۵۴	سید احمد کبر آبادی	نظرات
۱۹۷	مولانا محمد طفیل مدین حسنا دارالافتاء العظمیٰ دہلی	اسلام کا نظام امن و امان
۲۱۳	جناب ڈاکٹر خورشید احمد فاروقی صاحب استاد ادبیات عربی	تاریخ الردۃ
	دہلی یونیورسٹی دہلی	
۲۲۱	عابد رضا بیدار	آزادوں ایک صفائی
۲۴۹	جناب شہزاد احمد صاحب فاروقی دہلی یونیورسٹی دہلی	ذکر صفائی
	دہلی	
۲۵۳	جناب اتم نطفہ گمری	ادبیات - نواں
۲۵۴	(دس)	تجربہ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## نظر

پیشہ خیراتی قلعی کہ ملک کے مختلف صوبوں اور متعدد ماہرین تعلیم کے مطالبہ پر حکومت مذہب و اخلاق کی تعلیم کو یونیورسٹیوں میں رائج کرنے کے سوچ پر غور کر رہی ہے۔ اب اطلاعات ملی ہے کہ حکومت نے اس مسئلہ پر رپورٹ پیش کرنا کی غرض سے تین افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنادی ہے۔ یہ تو خوشی کی بات ہے کہ حکومت نے مذہب و اخلاق کی تعلیم کو سیکولرزم کے خلاف نہیں سمجھا، اور کسی نہ کسی درجہ میں اس نے بھی اس تعلیم کی اہمیت کو تسلیم کر لیا۔ لیکن جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اس موقع پر ہم یہ تجاویز ضروری سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک اخلاق اور مذہب دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ان کے خیال میں محض اخلاق کی اس تعلیم کی عملاً کوئی قیمت نہیں ہے جو مذہب سے الگ کر کے دی گئی ہو اور یہ صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دوسرے مذہب کے پیروکاروں کا حق بھی یہ ہے۔ اس بنا پر مذہب و اخلاق کی تعلیم کو رائج کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ مذہب و اس کے اخلاق کی تعلیم کا نصب و لوگوں سے بنوایا جائے جن کو اس مذہب کے لوگوں کا اعتماد حاصل ہو اور جو واقعی اس کے ہل ہوں پھر اس کا بھی اہتمام ہونا چاہئے کہ یونیورسٹیوں میں ہر مذہب کی تعلیم کے لئے ایسے اساتذہ کا انتخاب کیا جائے جو اس مذہب کی تعلیمات کا عملی نمونہ ہوں تاکہ تعلیم کے ساتھ ساتھ زندگی کا مذہبی ورع و عبادت کی کردار بھی طبعاً کو متاثر کرے اور اس طرح مذہب و اخلاق کی تعلیم سے خاطر خواہ نتائج پیدا ہوں۔ مذکورہ بات جو نیز کے علاوہ اگر حکومت نے کہیں یہ کیا کہ تمام مذہب و اس کے اخلاق متعلق ایک ہی نصاب، ایک ہی کتاب یا چند مشترکہ کتابیں تجویز کر دیں اور سب مذہب کی تعلیم کے لئے ایک ہی کتاب کو خواہ اس میں کتنے ہی نصاب لکھا ہو کافی سمجھ جائے تو ہم بھی اسے کہہ دیتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے یہ صورت حال ناقابل قبول ہوگی کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ تاریخ کی جو کتابیں آج کل اسکولوں میں پڑھائی جا رہی ہیں ان میں مسلمانوں کے ساتھ نصف نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے اگر سب مذہب کی تعلیم کا یکساں انتظام کیا گیا ہے تو خطرہ ہے

کہ اکثریت کے مذہب کی تعلیم کا عنصر غالب رہے گا اور پھر اسلام کی تھوڑی بہت جو کچھ بھی تعلیم ہوگی، غلبہ یہ ہے کہ وہ اپنی صحیح شکل و صورت میں نہیں ہوگی۔ یہ مسئلہ بڑا اہم ہے۔ حکومت کو اس پر تنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔

افسوس ہے کہ پہلے دنوں دیوان سید غنایت حسین صاحب کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم اجیر میں درگاہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے ہمارے نشین تھے۔ اس نسبت سے اگرچہ وہ بھونی تھے اور حنبلیہ، اچھوتوں کے ہندو کے صدر بھی تھے لیکن ابھی کے عام سجادہ نشینوں کے برخلاف شریعت کے احکام و آداب اور اتباع سنت کا حتیٰ الوسع بڑا لحاظ اور خیال رکھتے تھے خود بھی بڑے اچھے عالم تھے اور علماء کا احترام کرتے اور ان سے تعلقات رکھتے تھے۔ دیگاؤ ذکر کا سجادہ نشین ایک چھوٹی موٹی ریاست کا مطلق العنان دلی ہوتا ہے لیکن دیوان صاحب مرحوم فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کی قومی دلی معاملات سے بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ اخلاقی اعتبار سے بڑے خوش مزاج، شگفتہ صبح ہوتا صبح اور بڑے خلیق تھے ان کا دروازہ ہر جاہل و کفار کے لئے کھلا رہتا تھا۔ گفتگو بھی بڑی شیریں اور موثر ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کر و شکر و بخت نصیب کہے اور مدارج و مراتب بلند فرمائے۔ آمین۔

افسوس ہے پچھلے دنوں اردو زبان و ادب کی دو بڑی شخصیتیں بھی مجھ سے جد ہو گئیں۔ ایک چودھری محمد علی درود دی اور دوسرے عبد الحمید ملک۔ چودھری صاحب اردو کے نامور ادیب۔ نینتہ قلم و رکنہ مشق ان کا دیرینہ رشتہ ایک زمانہ میں ان کی تحریریں بڑی دلچسپی اور شوق سے پڑھی جاتی تھیں۔ زبان دانی کے ساتھ ان کی تحریر کا سب سے بڑا کم یہ تھا کہ ایک سے ایک بات یا خیال کو اس انداز سے لکھتے تھے کہ ذاتی سبب کو گف وانی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ "تائین بی بی" "لشکر" فقیر محمد علی شاہ ان کی مشہور تصنیفات میں۔ ان کے علاوہ متعدد ان کے دروچار اور کتابیں بھی ان کی یادگار ہیں۔ بطور بڑے ہنسوار زندہ دس اور نگاہ ان تھے۔ نصف دار ہونے کی وجہ سے زندگی بڑے عیش و آرام میں گزری تا آخر عمر میں خونِ حد کاں پر بڑا غم ہو گیا تھا۔ زمانہ تو خیر بہ نبی سے پڑھنے ہی گئے تھے اور حج بھی کرتے تھے مگر آخرت کے دوست نہیں رہتے تھے۔ اگرچہ خاندانی طور پر امامی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن تعصب ان میں نہ کو بھی نہ تھا اہل سنت و جماعت سے صلہ رکھتا تھا۔ کیا تہنہ لکھیں کہ طریقہ پر پڑھتے تھے اس سلسلہ میں فقیر مذہب کے نام سے منافقوں نے ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ خاندان بھی ایسا ہی اچھا ہوا۔ درختہ کو برادر پنجشنبہ درود شریف پڑھتے اور ان کے نام کا در در کرتے رہتے تھے ان کی زبان سے پہرہ گزری۔ امین۔ حیدر شاہ مرحوم۔

پنجاب نے اردو زبان و ادب کی جو شخصیتیں پیدا کی ہیں عبد المجید سائیک مرحوم کا نام ان حضرات کی صفِ اول میں تھا۔ انہوں نے منشی ذہل کر کے پی، اسے کیا تھا لیکن ذاتی مطبوعات اور شعروادب کے فطری ذوق کے باعث ادبی دنیا میں اس قدر شہرت حاصل کی کہ ایک زمانہ میں زمیندار اخبار میں ان کے نکاحات، درالغلاب اخبار میں ان کے نکاح و حوادث پنجاب میں گھر گھر بڑے شوق اور دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے۔ اور اخبار کھوتے ہی لوگ سب سے پہلے یہی چیزیں پڑھتے تھے۔ غلام رسول مہر کی طرح مرحوم بھی مولانا ظفر علی خاں کے خاص تربیت یافتہ تھے۔ اردو زبان کے محاورات و امثال پر بڑا عبور رکھتے تھے، اور اس وصفِ خاص میں استاد سے بھی سبقت لے گئے تھے انہوں نے فہرہ صاحب کے رفیق کی حیثیت سے اردو صحافت کا ایک ایسا معیار قائم کیا کہ آج بہت سے اخبارات انھیں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اردو زبان کے بلند پایہ ادیب، اور صحافی ہونے کے علاوہ بے تکلف و رتی البدیہ شاعر بھی کہتے تھے اور یہ غالباً مولانا ظفر علی خاں کی صحبت ہی کا فیض تھا۔ اب ادھر خیبر برسوں سے سنجیدہ تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ان کی دو کتابیں ذکر اقبال اور ہندوستانی سہانوں کی تاریخ لغات جس پر برہان میں تبصرہ بھی ہو چکا ہے بڑی اچھی کتابیں ہیں۔ جہاں مرحوم بھی بڑے خندہ چہیں خندہ و درخندہ شامل انسان تھے۔ مزاج میں اعتدال پسندی اور میاں روی تھی۔ یہاں تک کہ سیاست میں بھی ان کا مسلک معتدل ہی رہا۔ وہ اردو کے ان چند خوش نصیب اخبار نویسوں میں تھے جنہوں نے غصہ اپنے قلم سے شہرت بھی خوب حاصل کی اور دور رس بھی کافی کافی۔ حضراتِ االات و مولانا سید محمد نور شاہ صاحب انکسیریؒ سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے تھے اور اسی تعلق سے رانم، خروں کے ساتھ ہمیشہ بڑے غلوں اور محبت سے پیش آتے تھے۔ تقسیم کے بعد سے ان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن ان کے نام و پیام بہ اہل آئے رہے تھے۔ محبت اور تن و تلاش کے اعتبار سے اسی درجہ کے پوجی تھے۔ مثال ۴۴ برس کی عمر میں اچانک حرکتِ قلب کے بند ہو جانے سے ہو۔ ان کی وفات بے شبہ اردو زبان و ادب کا ایک سانحہ عظیم ہے۔ حق تعالیٰ مغفرت و بخشش کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔



# اسلام کا نظام امن و امان قل خطا اور اسکی روک تھام

(۲)

زار: مولانا محمد طغیر الدین صاحب دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

عوض مان | پوری دیت سواؤنٹ ہے، زخم کے کم و بیش کے اعتبار سے کسی زخم میں پوری دیت واجب ہوتی ہے اور کسی میں نصف، اور کسی میں اس سے بھی کم، حدیث میں تفصیل جو کہ یہاں سے معلوم ہوتا ہے، کہ سواؤنٹ چارہمی جودیت میں بیان کی گئی ہے، وہ اس زخم میں سواؤنٹ کی ہی قیمت کا حساب لگا کر بیان کی گئی، وہ نہ دراصل دیت کی بنیاد اؤنٹ پر ہے، بلکہ فقہاء نے متعین کر دیا ہے، کہ ویت اگر اؤنٹ سے دے، تو سواؤنٹ سے، اور سونے سے دے، تو ایک ہزار اشرفی بنے اور چاندی سے ادا کرے تو دس ہزار درہم ہے اور گائے بیل سے دے، تو دس سو گائے بیل ہے، بکری سے ادا کرے، تو ایک ہزار بکری ہے اور بٹوے سے ادا کرنا چاہتے، تو دس سو بٹوے ہیں، اس طرح کہ ہر جوڑے میں دو پکڑے ہوں، زار اور چادر، اپنی پختہ فقہاء لکھتے ہیں۔

ومن لعین الف دینار ومن الورق	سونے سے دیت ہزار دینار ہے اور چاندی سے
عنقود، لاف درھم ... دقار	دس ہزار درہم ... اور صاجین نے بکری چیرا
منہا ومن ابقر ما ابقرت ومن الغنم	سب بھی اور نیز گائے سے دس سو گائے، و بکری
الف شاة ومن المحلل ما شاة بکر	سے ایک بکری، و بکری دس سو بٹوے
حمة ثوبان و قدوری کتاب الہدایت	کہ ہر جوڑے میں دو پکڑے ہوں۔

لے دیجئے قیسر الوصول ص ۱۱۱۔

ایک انگلی کا عوض مالی | ہاں فور کو اگر نظر انداز کر دیا جائے کہ اس کی قیمت مختلف ہوتی ہے سونا چاندی جس کو  
نشان کا درجہ حاصل ہے اسے پیش نظر رکھا جائے اور انسانی اعضا کی قیمت لگائی جائے تو ایک انگلی کی قیمت  
درخواہ چھوٹی ہو خواہ بڑی جو بحریم پر عام کی گئی ہے سواشرنی یا ایک ہزار درہم ہوئی سواشرنی کی قیمت آج کل کے  
سکہ کے اعتبار سے بہت کافی ہوگی اس لئے کہ سونا کافی گراں ہے۔ ہاں درہم تو ایک ہزار درہم کی قیمت بھی کم از  
کم پانچ سو روپے ہوگی۔

عوض مالی حکومت | پھر یہ روپے حکومت کے خزانے میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ یہ مجرد کوٹیس گئے دیت  
کے بجائے زخمی کو | کی رقم اسلام خواہ جان کی ہو خواہ عضو کی مجرد یا استغول کے در تیا خود اس کو  
دلاتا ہے۔

مخصوص اعضاء کی قیمت | مخصوص اعضاء میں سے ہر ایک کی قیمت جان کے برابر رکھی ہے کہ اس کے نقصان  
جان کے برابر متعین | سے آدمی کے جمال دکاں میں بڑا فرق آتا ہے اور آدمی کی غلط کا تقاضا بھی  
کرنے کی وجہ | ہے کہ اس کے مخصوص اعضاء کو اہمیت دی جائے۔

دارہ صحت فی الاطراف اندہ اذا فوت | اور اعضاء اہل یہ کہ جب اس کی صحت  
جس منفعتہ علی الکمال اذ ازال | بالکل ختم کر دی گئی اور اس موزونیت اور  
جمالاً مقصودانی الادی علی الکمال | خوبصورتی کا بالکل زوال کر دیا گیا جو آدمی میں  
بجب کل الدیۃ لا تلافی النفس من | مقصود ہے تو ایسی صورت میں پوری دیت  
وجہ وہو ملحق بالامتلان من کل | وجہ ہوگی کہ جان کا ضائع کرنا خواہ کسی  
وجہ تعظیماً لا آدمی | اعتبار سے ہو آدمی کی تنظیم کے پیش نظر پورے  
دفعہ القدر یکشر ری ج ۴۷۲۱ | کے کام میں ہے۔

اور اس سے بڑھ کر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مخصوص اعضاء کی یہی سزا بیان فرمائی ہے۔  
اگر اسلام کی بیان کردہ سزا عام کر دی جائے تو غیر ممکن ہے کہ قتل و خون و ظلم و جور کا دروازہ ہمیشہ کھلے  
بند نہ ہو جائے۔ اور امن و امان پورے طور پر قائم نہ ہو جائے۔

قوانین دیگر ادیان | اسلامی قانون کی بقدر ضرورت تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں، میں نے عرض کیا تھا کہ یہ قانون افراط و تفریط سے پاک اور مستدل ہے، اس میں یہ موسوی قانون کی تختی ہے اور نہ عیسوی قانون کی سی ضرورت سے زیادہ نرمی۔

موسوی قانون | موسوی قانون کا ایک حصہ آپ فہنی طور پر پڑھ چکے ہیں جس کی طرٹ قرآن پاک میں اشارہ کیا ہے، بقدر ضرورت تفصیل یہاں ملاحظہ فرمائیں۔

”اور وہ جو نہ کو مار ڈالے، سو مار ڈال جائے گا۔۔۔ اور اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگائے، سو جیسا کرے گا، ویسا ہی پیسے گا، توڑنے کے بدلے توڑ، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت، جیسا کوئی کسی کو نقصان کرے، اس سے ویسا ہی کیا جائے“ (پہلا عہد نامہ کتاب جبار، باب ۲۴) ”جو کوئی کسی کو مارے اور وہ مر جائے، تو وہ اسے قتل کیا جائے“ (دوینا کتاب الخروج، باب ۲۱)۔۔۔۔۔ اور اگر وہ اس صدمے سے ہلکا ہو جائے، تو تو جگہ کے بدلے جان سے اور آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ پاؤں کے بدلے پاؤں، جلائے جان، زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ، دوینا ”تو تم اس سے وہ سلوک کیجو جو اس نے چاہا“ کہ اپنے بھائی سے کیسے، تو اس طرح برائی کو اپنے درمیان سے ہٹا کیجئے، کہ باقی لوگ سنیں اور بدبختی میں، اور آگے کو تمہارے درمیان ایسی شرارت پھرنے کریں، اور تیری، کچھ مروت نہ کرے کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ، اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہو گا۔“ (پہلا عہد نامہ

کتاب اسٹیف، باب ۱۱، آیات ۱۹-۲۰-۲۱-۲۲)

عیسوی قانون | اب اس کے متعلق میں عیسوی قانون ملاحظہ کریں، کہ کس طرح اس کے بالکل ضد ہے۔  
”تم سن چکے ہو کہ کیا ہے، تم نے آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت، یہ میں نہیں کہتا، میں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ کرنا، یہ جو تمہارے دوست گویا، یہ جو تمہارے دوست، یہ جو تمہاری ساری طرف پھیر دے، اور اگر کوئی چاہے کہ تم پر ہاتھ کرے، تو یہی تم سے کرتے تو بھی سے



ہیں دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بے گار لے جائے، تو اس کے ساتھ دو کوس چل جا۔

جو کوئی تجھ سے مانگے اسے دے، ریا عہد نامہ مسیحی کی انجیل باب ۱۵

اسلامی قانون کا موازنہ خلاصہ ہوا

(۱) تو ریت جو مذکورہ تینوں کتابوں میں مسکے پیسے کی ہے تشدد اور قتل کے جواب میں تشدد اور قتل کو

لازم قرار دیتی ہے اور تاکید کرتی ہے "تیری آنکھ مروت نہ کرے" اور ظالم کو سزا دے۔

(۲) انجیل جو تورات کے بعد کی کتاب ہے، اس میں تشدد اور قتل کی بالکل اجازت نہیں دی گئی ہے

خواہ کچھ ہو جائے، ہر صورت میں عفو و درگزر سے کام لینے کا حکم کیا گیا ہے اور قاتل اور مجرم کو آزاد دی بخشش گئی ہے۔

(۳) قرآن پاک جو سب سے آخری کتاب ہے، تشدد کے جواب میں تشدد کو لازم قرار دیتی ہے اگر ساتھ

ہی عفو و درگزر کی بھی اجازت دیتی ہے، مگر یا موسوی قانون میں قصاص ہے، اور عفو بالکل نہیں، عیسوی

قانون میں صرف عفو ہی عفو ہے قصاص نہیں، اور اسلامی قانون میں قصاص بھی ہے، اور عفو و درگزر

کی اجازت بھی۔

موسوی قانون ایک انتہا پر تھا اور عیسوی دوسری انتہا پر اور اسلامی قانون

دونوں کے بیچ بیچ مستقل اور درمیانہ، نہ موسوی قانون کی طرح ہلاکی سختی کہ

سختی و نرمی کے درمیان  
اعتدال کی راہ

جس سے انسان گھبرا اٹھے اور نہ عیسوی قانون کی سی ضرورت سے زیادہ نرمی کہ مجرم شیر بن جائے، اور ملک

کا امن و امان فارت ہو جائے۔

تورات کے احکام کو جو ہم سراہ سکتے ہیں اور یہ ان کا دستور العمل بن سکتے ہیں، انجیل کے احکام

صرف خواص ان خواص کا حصہ ہو سکتے ہیں اور وہی اس پر عمل کر سکتے ہیں، لیکن قرآن مجید کے احکام ایسے

روشن و ندریں، جو ہر شخص کے لئے قابل قبول ہو سکتے ہیں، خواہ اس کا تعلق عوام سے ہو، خواہ خواص سے

قانون کی ہر گہری اور یقین کیجئے کہ امن و امان ایسے ہی قانون سے قائم رہ سکتا ہے جس میں سارے پہلوؤں

کی رعایت ہو، جو نہ خدا کے حق کو نظر انداز کرتا ہو نہ دُشمنانِ مظلوم کے جذبات و ضروریات سے چشم پوشی کرتا ہو

اور نہ ملک و قوم اور مقتول کے تعلقات کو پس پشت ڈالتا ہو جس میں عوام کے جوش اور جذبہ انتقام کا بھی کمی نہ ہو۔ اور ساتھ ہی خواص کی دھراندریشی اور باریک بینی کا بھی پاس ہو جس سے غلبت پسند بھی مطمئن ہو جائے اور دھراندریش کی بھی تسکین خاطر میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔ اور اسی طرح نہ حکومت کے اختیار کو بھی ٹھیس لگے اور نہ دربار مقتول کے اختیار کا مسئلہ محذوش ہونے پائے۔

اسلامی قانون پرچہ ایسا ہی ہے اس میں جس قدر غور کیجئے گھرنا ہی جھلے گا اور ایسا کیوں نہ ہو کہ یہ آخری قانون ہے جس میں کبھی تبدیلی کا کوئی حق نہیں اور جس کا منشا ہی ہے دنیا میں امن و امان قائم کرنا، کھوئے ہوئے سکون کو واپس لانا اور منتشر انسانی آبادی کو یک لڑی میں پرونا۔

اسلام اور انسانی | اسلامی اور انسانی قوانین میں کتنا عظیم اثران فرق ہے اور تاج کے تبار سے  
قوانین میں تفاوت | دونوں میں کس قدر تفاوت ہے اس کا اندازہ اس برٹش لاسے لگائیے جو دنیا کی ایک بڑی مہذب، شائستہ اور تعلیم یافتہ قوم کی دماغی اپج اور تجربہ کا نتیجہ ہے اور جسے ہندوستان میں انھوں نے رائج کیا تھا اور جواب تک کسی نہ کسی شکل میں رائج ہے۔

اسلامی قانون | قتل عمد کے سلسلہ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلام کا ابدی قانون یہ ہے کہ خون کا بدلہ خون ہے جو دلی مقتول اپنے ہاتھ سے کرے گا یا اس کے حکم سے کوئی دوسرا لیکن ساتھ ہی دلی مقتول اس سزا کے حامل کرنے پر مجبور نہیں ہیں بلکہ ان کو اختیار ہے کہ قاتل کو قتل کر ڈالیں یا اپنی خوشی سے قتل کے عوض دیت دلی عوض یا سیرجان بخشی کر دیں یا بالکل معاف کر دیں یعنی نہ قاتل کو قتل کریں اور نہ دیت قبول کریں یہ ایک بات ہے کہ اسلام میں قصاص کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ آئندہ اس کا مکمل سداد ہو سکے۔

قتل خطائے سلسلہ میں اسلامی قانون یہ ہے کہ قاتل ایک غلام یا لوندمی کو آزاد کرے درمذہب کو دیا اور اس کے اہل خاندان میں کر دیت اور کریں یعنی سوائسٹ یہ ایک ہزار شرفی یا اس ہزار درجہ بغیر  
دیر گزر چکی۔

اند و قانون | برٹش ر قتل عمد کے سلسلہ میں یہ ہے۔

”جو کوئی شخص قتل عمد کا مرتکب ہو اس کو سزا موت ہے جس کو ممبرانہ سے تھوڑی سی عافیت

اور وہ جرم مانے کا بھی مستوجب ہوگا۔ (مجموعہ تعزیرات ہند دفعہ ۳۰۲)

قتل خط کی سزا برٹش لاء میں یہ بیان کی گئی ہے

”جو کوئی ایسے قتل انسانی کا مرتکب ہو، جو قتل عمد کی حد کو نہ پہنچتا ہو، تو اس شخص کو جس دوام بعید

دریائے شور کی سزا دی جائے گی، یا دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی تیر کی سزا دی جائے گی جس کی

معاوضہ دس برس تک ہو سکتی ہے اور وہ جرم مانے کا بھی مستوجب ہوگا۔“ (دفعہ ۳۰۲)

انسانی قانون کی خامیاں | یہ دونوں سزائیں ایک اسلامی (خداوندی) دوسری انسانی (گورنمنٹی) آپ کے

سامنے ہیں غور سے پڑھیں اور فیصلہ کریں کہ دونوں میں کتنا فرق ہے۔

کون نہیں جانتا کہ قتل کی سزا اس لئے دی جاتی ہے کہ وارثانِ مقتول کا آدمی ضائع ہوا ہے جس سے

اس کا اتنا بڑا نقصان ہوا ہے کہ جس کی تلافی بظاہر نہیں ہو سکتی ہے، پھر اس کی وجہ سے قدرتی طور پر ان کے

دلوں میں انتقام کے جذبات پرورش پاتے ہیں، دوسری طرف ملک کے امن و امان میں اس سے خلل واقع

ہوا ہے جس کی وجہ سے بد امنی کے پھیلنے کا قوی اندیشہ ہے، سزا کے عمل میں لانے سے ایک طرف وارثانِ مقتول

کی دلبری ہوتی ہے ورنہ ان کے انتقامی جذبات کا قلع قمع ہوتا ہے، ساتھ ہی امن و امان کو مدد ملتی ہے اور ملک

کا نام نہ ہوتا ہے، مگر یہ کھلی حقیقت ہے کہ ملک بولتوں اس لئے ہے کہ ملک کی ایک قیمتی جان ضائع ہوتی ہے یعنی

ملک کا نقصان وارثانِ مقتول ہی کے واسطے ہے۔

ان حالت کے پیش نظر نہ پڑے گا کہ اسلامی قانون ہی افضل و مکمل ہے، کہ اس میں وارثانِ مقتول کی

دلبری کا پورا لحاظ نہ پاس ہے، ان کو اختیار دیا گیا ہے، تو قتل کو قتل کر کے اپنے دلوں کو ٹھنڈا کریں یا اپنی مصلحت

کے پیش نظر عوضِ معقول لے کر چھوڑ دیں۔

وارثانِ مقتول کو نظر انداز کر دینا | انسانی قانون میں ن مور کا بالکل لحاظ نہیں ہے، ایک تو فیصلہ وارثانِ مقتول

کی رائے پر نہیں ہے، جبکہ حکومت کے اختیار میں ہے کہ جرم کے ثبوت ہو جانے کے بعد یہ موت کی سزا دے،

یہ جس دوام میں، ورنہ مقتول کی دلبری کا کون سا لحاظ نہیں ہے، ایک تو آدمی کی تسکین اس کو خود بخود نجات دینے

سے جو ہوتی ہے، دوسری کے عد میں چھوڑ دینے سے نہیں ہوتی، دوسرے قتل کی روک تھام قتل ہی سے ہو سکتی



جس دوام سے نہیں تیسری چیز یہ کہ وارثانِ مقتول کی مرضی کا لحاظ نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کبھی وہ بچہ مصائب میں مبتلا ہو جائیں گے مثلاً ایک بوڑھے باپ یا کسی بہن بیوہ کے دو بیٹے لڑ پڑے، ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا، تو ایک لڑائی میں گیا، دوسرے کو حکومت نے پھانسی پر کھچوا دیا، یہ اس کی حمایت ہوئی اور اس کے جذبات کا پاس ہوا یا اس کی بے کسی میں اضافہ ہوا، اور اس کے رہے سہے سہارے کو ختم کیا گیا، اسلامی قانون میں یہ عیب نہیں ہے، اس میں بڑی لچک ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ بعض لوگ اپنی سادہ لوحی سے سوال کرتے ہیں، کہ عوض مالی ایسی سزا ہے کہ مالدار آدمی جس کا چاہیں گے خون کرانے پھر میں گئے اور دیت دے کر چھوٹ جائیں گے، لیکن یہ سمجھنا سراسر غلط ہے، یہ سوال اس وقت البتہ درست ہو سکتا ہے کہ دیت دیکر چھوٹ جانا قاتل کے اختیار میں رکھا جاتا، مگر یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ سارا اختیار وارثانِ مقتول کے ہاتھ میں رکھا گیا ہے، لہذا یہ سوال ہی غلط ہے۔

یہی نقص قتلِ خطا کی سزا میں بھی ہے کہ برٹش لارم میں اس پہلو کا بالکل لحاظ نہیں ہے، کہ قاتل کے قصود و ارادہ کو بالکل دخل نہیں ہے، اور جس دوام کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ ایک تو مقتول کے وارث کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا جس سے اس کی انشک ثنوتی ہوئی، دوسرے قاتل خطا کے بچوں کا سہارا جاتا رہا، بخلاف اس کے اسلامی قانون میں دونوں پہلو کی رعایت ہے کہ وارثانِ مقتول کی مقتول امداد بھی ہوگی، فتنہ و فساد کا دروازہ بھی بند ہو گیا، اور قاتل خطا چونکہ بے قصور ہے اس لئے اس کے بال بچوں کا سہارا بھی قائم رہا۔

اگر کسی کے ذہن میں یہ کھٹکے کہ کوئی ایسی غلطی در خط کا عادی ہو جائے گا تو اس سے ملک و قوم کا بیکہ نقصان ہوگا، اس سلسلہ میں گزشتہ ہے کہ اسلامی قانون میں اس کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ جو اس جرم کا تکرار کرے گا، حکومتِ وقت اس کو قتل کر سکتی ہے۔

اعضائے انتہائی کی نقصان یہی فرق انتہائی اعضا کے نقصان کی حد سزا بیان کی گئی ہے اس میں بھی ہے،

سینہ کی سزا

اسلامی قانون کی تنصیب اور پانچویں ہے کہ اسلامی قانون میں قتل کی طرح

کا حکم ہے یعنی مظلوم مجبور کو اختیار ہے کہ وہ خطا و جرم سے اس کے منہ سے یہ معنی نکالے کہ بددعا

پھوڑ دے، ناک کے بدلہ ناک تراش لے، کان کے بدلے میں کان کتر دے اور دانت کے بدلہ دانت توڑ دے۔ مختصر یہ کہ جس قسم کی اسے تکلیف پہنچی ہے نظام کو پہنچا سکتا ہے، لیکن ساتھ ہی وہ مالی عوض بھی قبول کر سکتا ہے۔ جس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے اور یہ عوض مالی بھی بہت معقول ہے، مگر اس کے مقابلہ میں انسانی قانون رہبرش لار کی خامیوں کا اندازہ لگائیں، قانون یہ ہے

”جو کوئی شخص بد شتمانی دینے کسی دوسرے شخص کے بالا راہ ضرر پہنچائے تو شخص مذکور کو دونوں قسموں میں کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی، جس کی سیاق و سباق برت مک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا جس کی مقدار مبلغ ایک ہزار روپیہ تک ہو سکتی ہے، یا دونوں قسم کی سزائیں دی جائیں گی؛

(دفعہ ۲۲۳)

خامیاں ہی خامیاں | اس دفعہ کی خامیوں کا اسلامی قانون کے مقابلہ میں اندازہ لگایا جائے، کہ یہاں بھی وہی نقص ہے، کہ مظلوم کو کوئی اختیار نہیں ہے، حالانکہ نقصان مظلوم کا ہوا ہے، جب تک اس کو اس باب میں اختیار نہیں دیا جائے، نفسیاتی طور پر اس کی تسکین جیسا چاہئے نہیں ہو سکتی، پھر یہاں اس کا قطعاً اختیار نہیں ہے کہ قانون میں کوئی گنجائش نہیں ہے کہ قصاص کی صورت سے دانت کے بدلے میں دانت توڑ سکے، آنکھ کے بدلے میں آنکھ پھوڑ سکے یا اس کے جس عضو کو تکلیف پہنچائی ہے، وہ بھی پہنچا سکے، ہر طرف قید کی سزا ہے، یا جرمانے کی، حالانکہ جرموں کو رد کرنے میں قصاص جتنا کام کر سکتا ہے، کوئی چیز کام نہیں کر سکتی، ظالم کی حوصلہ شکنی کا نفسیاتی طریقہ وہی ہے جس کی گنجائش اسلامی قانون میں ہے، ایک آدمی کسی کی آنکھ پھوڑ کر خوش ہو سکتا ہے کہ یہ دھم سے زیادہ ہمیں قید یا جرمانے کی سزا ہوگی، مظلوم کی ہمیشہ کے لئے آنکھ لگے گی، مگر جب ظالم کو معلوم ہوگا کہ آنکھ کے بدلے میں اس کی آنکھ بھی پھوڑی جائے گی، تو پھر اس کی جرأت نہیں ہو سکتی کہ اس طرح کا جرم کر سکے اس وقت اور بھی کہ سزا کا معاملہ مظلوم کے اختیار میں ہوگا۔

یہ منظمہ کی حمایت کا تقاضا تھا کہ اس کو اختیار دیا جاتا، اور مالی معاوضہ اسی کو ملتا، نہ کہ حکومت وقت کے اختیار میں ہو۔ در مالی معاوضہ اس کے خزانہ میں داخل کیا جائے، سوچئے تو سہی کہ ظالم کے قیدیوں ڈالے جانے سے مظلوم کا کیا فائدہ ہوگا۔

انسانی قانون میں شعلی مہر | پھر یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ قید اور جرمانہ کی حد اور مقدار معین نہیں کی گئی ہے بلکہ اسے عدالت کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے حالانکہ حکم مختلف مزاج کا ہوتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ نہ تو امن و امان کی بحالی میں اس قانون سے حسبِ رنج و مد و پہنچ سکتی ہے اور نہ مظلوم کی حفاظت ہوئی جیسا چاہیے تھا۔ اس وقت میں نے صرف ایک قسم کے انسانی قانون کو پیش کیا ہے جتنے انسانی قوانین ہوں گے خواہ کسی ملک کے ہوں ان میں اسی طرح کے بے انتہا نفعائیں ہوں گے۔

درمیان میں انسانی قانون کی خامیوں کا اندازہ لگانے کے لئے یہ بحث آگئی، در نہ بحث یہ ہو رہی تھی کہ اسلام نے انسانی اعضاء کی حفاظت کا بھی بہت ہی محکم اصول وضع کیا ہے، اور اس طرح امن و امان کے دشمنوں پر کڑی نگرانی قائم کی ہے۔

بہر حال جن اعضاء انسانی میں مائیت کہن ہے اس میں قصاص ہے، دیت اور جن اعضاء انسانی کو اس طرح تکلیف پہنچائی جائے کہ برابر بدلہ لیا جانا ممکن نہ ہو بلکہ زیادتی کا اندیشہ ہو، اس کی سزا میں صرف دیت ہے اور بعض صورتوں میں حکومت عدل۔

اعضاء انسانی کو نقصان | تفصیل سے میں نے قصداً گریز کیا ہے، کتب فقہ میں پوری تفصیل موجود ہے اور اگر پہنچانے کے سلسلہ کی حد میں | زندگی نے وفا کی تو انشاء اللہ کبھی ضروری تفصیل پیش کی جائے گی، اس وقت چند احادیث پیش کر کے اس بحث کو ختم کر دینا ہے۔

حضرت زید بن ثابتؓ کا بیان ہے کہ وہ آنکھ جیسے کسی نے نقصان پہنچایا جس سے اس کی روشنی جاتی رہی مگر اپنی جگہ وہ بدستور قائم رہی، تو اس کی دیت سو دینا رہے۔

ابن السبیب فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے چوہر میں دو دو انٹ کا فیصلہ کیا، اور حضرت معاذؓ نے پانچ انٹ دیت میں عائد کیے۔

حضرت عمر بن شعیب راوی ہیں۔

قاضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ترجمہ

لے تیسرا اصول مآء عن ایک مآء ایضاً۔



فی العین العوراء السادة لمكانها اذا  
 طمست بثلاث ديتھا وفي اليد الثلاث  
 اذا قطعت بثلاث ديتھا والعین السودا  
 اذا نزعتم بثلاث ديتھا۔  
 کان فیہ لکما۔

(تیسرا اصول ص ۱۸)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں لڑ پڑیں، ایک نے دوسرے کو پتھر اٹھا کر دے مارا جس سے وہ مر گئی اور اس کے ساتھ اس کے پیٹ کا بچہ بھی، جب یہ مقدمہ دربار نبوی میں پیش ہوا، تو آپ نے عورت کی دیت کا فیصلہ فرمایا اور جنین و پیٹ کا بچہ کی دیت میں فرمایا کہ ایک غلام یا نوٹھی آزاد کرے۔  
 کتب حدیث میں اس طرح کے بے شمار واقعات اور اس کی سزائیں منقول ہیں، یہاں تمام کا نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں ہے۔ بقدر ضرورت بحث پیش کر دی گئی۔

**جند جنایات** اگر کوئی جانوروں کا جھنڈے چلے اور اس کی وجہ سے کوئی آدمی روند ا جائے اس کی ضمان کھینچنے والے اور پیچھے سے ہانکنے والے پر عائد ہوگی۔

اگر کوئی کسی کو قتل پر مجبور کرے اور وہ قتل کر ڈالے، تو اس کا عظم فرماتے ہیں کہ جس نے دباؤ ڈالا ہے اور حکم دہندہ کے درجہ میں ہے اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

اگر کوئی کسی کو کوڑا، لات، یا طمانچہ مارے اور وہ مر جائے، تو اس پر موت واجب ہوگی، قصاص عائد نہ ہوگا۔

گویا یہ ہورت قتل خطا میں یعنی شہد عید میں داخل ہے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من تطبیب دلو یعلم منہ طب فجو  
 جرح شخص بہ تکلف، حبیب بن جاسے کا لاکھ سے  
 ضامن زواہ ابوداؤد والنسائی  
 طب کا علم نہیں آتا، وہ ضامن ہے۔

(مشکوٰۃ باب اللیث)

۱۳ تیسرا اصول ص ۱۸ سے لے کر ص ۱۹ تک جنایات کے ایضاً۔

ان جزئیات پر نگاہ رکھتے ہوئے ماننا پڑتا ہے کہ اسلام نے انسانی جان کے احترام کی جو سی پلٹ کی ہے، وہ اسی کا حصہ ہے اور اس طرح امن و امان کی فضا جس طرح پیدا کی ہے، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔

ایسا مقتول جس کے قاتل کا تہ نہ ہو

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص مقتول خون میں لٹھرا ہوا ملتا ہے، یا ایسی حالت میں ملتا ہے کہ اس کی صورت گواہی دیتی ہے کہ کسی انسان نے اسے جان سے مار کر پھینک ڈالا ہے، مگر اس کے قاتل کا پتہ نہیں چلتا ہے، اگر یہ لاش سالم ہے، یا نصف سے زیادہ ہے اور وہ آبادی میں یا آبادی سے اتنی دوری پر ملی ہے کہ اگر زور سے آدمی چیخے تو اس کی آواز یہاں تک پہنچ سکتی ہے تو اسلام ایسی انسانی جان کو ضائع نہیں ہونے دیتا، بلکہ اس کی ذمہ داری اس آبادی پر ڈالتا ہے، اور وہاں کے باشندوں کا فرض یہ قرار دیتا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کریں، تاکہ اس طرح کے واقعات کا اعادہ نہ ہونے پائے، مقتول کے ورثاں کے مطالبہ پر حکومت واقعات کی تحقیق کرے گی، اگر قاتل کا پتہ چل گیا، تب تو ٹھیک ہے زور نہ اس آبادی کے باشندوں میں سے بچاؤ آدمیوں سے قسم لی جائے گی، اس طرح سے کہ ان میں سے ہر ایک قسم کھائے گا، کہ خدا کی قسم میں نے اس کو نہ قتل کیا ہے اور نہ اس کے قاتل کا مجھے علم ہے اور ان بچاؤ آدمیوں کا انتخاب دلی مقتول کرے گا، اگر یہ بچاؤ آدمی قسم کھا چکیں گے تو ان پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا جسے شریعت کی اصطلاح میں "تسامت" سے تعبیر کرتے ہیں، فقہاء لکھتے ہیں :-

ہی فی الشریعة، یمان یقسم بجاہل

محلۃ اوداس او موضع خارج من محلی

او قریۃ قریب منہ بحیث یسمع صوتہ

منہ فاو جلد فی شئ منہ قلیل بلہ

اثر یعلم من قتلہ یقول کل واحد باللہ

ما قتلت ولا علمت نہ قتلہ

رفقہ بقدر جہدہ

اور اس کے قاتل کو جہدہ ہوگا جس سے ہر ایک

قاتل معلوم نہ ہونے کی صورت میں سزا

کتاب حدیث میں ”باب القسامۃ“ کے عنوان سے ایک مستقل باب قائم کیا گیا ہے، اور اس میں اس باب سے تعلق ساری حدیثیں جمع کی گئی ہیں، عبداللہ بن عباسؓ

کا بیان حدیث میں مذکور ہے کہ قسامت کا یہ طریقہ جاہلیت میں بھی رائج تھا۔ اور پھر حدیث میں ایک انصاری صحابی کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے باقی رکھا،

وعن رجل من الانصار ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اقر القسامۃ على ما كانت في الجاهلية وقضى بها رسول الله صلى الله عليه وسلم بين ما من الا انصار في قتل اعداء على اليهود رد لا مسلم وبلوغ الملامم دعوی کیا۔

ایک انصاری سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قسامت کو اس طریقہ پر برقرار رکھا جو جاہلیت میں تھا، اور اسی کے مطابق انصاریوں میں اس مقول کے متفقین پیدا کیے، انھوں نے یہودیہ

عبدالنبی کا واقعہ مذکور ہے کہ عبداللہ بن سہل اور مجیبہ بن مسعود خیرائے یہاں اگر نکلتا میں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، عبداللہ بن سہل کو کسی نے قتل کر ڈالا، جب یہ مقدمہ خدمت نبوی میں پیش ہوا، تو آپؐ نے فرمایا کہ قسم کھائے، ورنہ پھر یہودیہ خیر سے قسم لو، ان لوگوں نے کہا کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں اور یہودیہ سے قسم لینے کا کیا فائدہ، کہ یہ کافر ہیں، چنانچہ اس کی دیت خود آپؐ نے ادا کی، کہ خون رائگاں نہ جائے، اسی سلسلہ کی ایک دوسری روایت میں ہے، ایک انصاری خیر میں مقتول پائے گئے، یہ کیس جب آپؐ کی خدمت میں آیا، تو آپؐ نے فرمایا کہ دو گواہ ایسے ہیں، جو قاتل کے باب میں شہادت پیش کریں، اوہی مقتول نے جواب دیا،

قال يا رسول الله لم يكن ثم احد من مسلمين وانما هو يهودي وقد يجترأون على عظم من هذا۔

یا رسول اللہ وہاں کوئی مسلمان نہ تھا، اور وہ یہودیہ میں اس سے بڑی بات کی بھی جرأت رکھتے ہیں۔



یہ شکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

فاختاروا منہم خمسين فاستحلوا

ان میں سے پچاس کو منتخب کر دو اور ان سے

رہنکوارو

ان لوگوں نے اپا کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ آپ نے اپنے پاس سے دیت ادا کی،

جس آبادی میں زخمی ناش پائی گئی | اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اور دیت

دونوں کا فیصلہ کیا، چونکہ یہود کی قسم پر اعتماد نہیں تھا، اس لئے ادیار مقتول نے اس کا کوئی فائدہ نہیں

سمجھا، دوسری روایتوں میں اس کی بھی ہر راحت ہے کہ دیت کا بھی اس آبادی کے باشندوں پر فیصلہ کیا،

ابن المہلب راوی ہیں

اب النبی صلی اللہ علیہ وسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسمت کی ابتدا

بدایا یھود فی القسامۃ وجعل الد

عظیمہ و جرد القیل بین اظہر ہو

یہود سے فرما کر اور ان میں مقتول کے ہائیکل

دو سے اس پر دیت عائد کی۔

تکمیل فی القدر یکثری ج ۲۴۲

قسم اور دیت کا ثبوت | اسی طرح عبد اللہ ابن عباس کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر

کو لکھا، یہ مقتول تم میں پایا گیا ہے کیا صورت اختیار کی جائے؟ انہوں نے لکھا کہ اس طرح کا واقعہ نبی اسرائیل

میں پیش آیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر اس سلسلے میں حکم نازل فرمایا تھا، اگر آپ بھی نبی ہیں تو

یہ دورہ گارہ لم سے درخواست کیجئے، اس کے جواب میں آپ نے ان کو لکھ بھیجا

اللہ تعالیٰ ادا فی ان اختار منکم

خمسين رجلا فیحلفون باللہ ما قلنا

ولا علمنا له قاتلا، نو یغرمون

الدیۃ قالوا القد قضیت فینا

بائنا مرس ای بالوحی کذا ذکر الحد

اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ میں تم میں سے

پچاس آدمیوں کو چن لوں اور ان کو حلف

دوں، کہ وہ کہیں کہ مجھ انہم نے اس کو قتل کی

اور نہ اس کے قاتل کا میں علم ہے، پھر پردہ

عائد کی جائے یہ جواب شکر ان یہودیوں نے کہا

فی الکافی والبدائع وغیرہما ہا شہد اپنے ہم میں جی کے ذریعہ فیصلہ دیا۔

رتکلمہ فتح القدیر جلد ۳ ص ۳۴۶

مسئلہ قسامت کے فوائد | مسئلہ قسامت کا فائدہ یہ ہے کہ قتل اور خونریزی کو لوگ جگانہ سمجھیں اور خون مفت میں

ضائع نہ ہونے پائے ساتھ ہی جس پر خون کی تہمت لگی ہے وہ قصاص سے بری الذمہ ہو جائے۔

والحکمة ینبئنا العظیم الدماء وصیانہا اس میں حکمت یہ ہے کہ خون کی اہمیت اہا گر ہوتی

عن الادلہ اسر و خلاص المتہور بالقتل ہے اور روئے لگان ہونے سے محفوظ ہو جاتا ہے اور

عن القصاص یعنی شرح ہدایہ ج ۳ ص ۵۵۵ ساتھ ہی جو قتل کے ساتھ شہید نہ ہو چکا ہے

منزاع اتفاق | اسی وجہ سے اس مسئلہ میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے تفصیل میں البتہ تھوڑا اختلاف ہے حدیث قسامت

نقل کرنے کے بعد علامہ شوکانی لکھتے ہیں

فیہ دلیل علی مشروعیۃ القسامۃ فیہ اس حدیث میں قسامت کی مشروعیت پر دلیل ہے

ذہب جمہور الصحابۃ والتابعین والعلیٰ ذرا اس طرف تہور صحابہ اور تابعین اہل شام

من الجواز والشام والکوفۃ والیہ مختلف کوفہ اور ہجاز کے علما لگے ہیں وراں کا اس مسئلہ

لھو کلام فی الجملہ انما اختلفوا فی التفصیل میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ تفصیل

رئیل الاوطار جلد ۱ ص ۲۱۳ میں اختلاف ہے۔

اہل قریہ کی ذمہ داری | قسامت یعنی کسی مقتول کے پائے جانے پر محلہ یا آبادی والے سے قسم لینا اور پھر اس پر

دیت عائد کرنا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اہل قریہ اور اہل قریہ پر جان کی حفاظت ضروری ہے اور اگر کوئی کسی

کو قتل کرے تو اس کو بچا اور اس کی امداد کرنا ان لوگوں کا دینی فریضہ ہے تاکہ پھر اس طرح کا کوئی فتنہ پرورش

نہ پائے پائے۔

قسامت کے وجوب کی وجہ | قسامت میں جو الفاظ کہلوئے جاتے ہیں اس کا تعنا ہے کہ قاتل کو اگر کوئی جانتا ہو تو

اس کی حمایت میں کر اس کو چھپانے کی سعی نہ کرے مگر اس کو علی الاعیان ظاہر کر دے تاکہ وہ اپنے جرم کی سزا

پائے اور دوسرے لوگ اس تہمت سے محفوظ ہو جائیں۔

اور ان پر قسامت اس امید پر واجب کی گئی ہے کہ  
اس طرح قافلہ ظاہر ہو جائے پھر یہ کہ تمام اہل محلہ  
پر اس طرح کے فتنوں سے اپنے محلہ کی حفاظت ضرور  
ہے اس لئے کہ اپنے محلہ کی تدبیر کی ذمہ داری انہی  
لوگوں پر ہے اور اس طرح کا حادثہ اس سے پیش آیا  
کہ ان کی طرف سے حفاظت میں کوتاہی ہوئی اور  
انہوں نے اپنے پوتوں یا دوسرے ایسے غریبوں کا  
باتوئیں بکرا، لہذا اثر لیتے اسی وجہ سے ان پر  
قسامت اور دیت دونوں واجب کر دیں۔

واجب القسامۃ علیہم لوجاء ان  
یظہر القائل بعد الطریق شوعی  
کل اهل محلۃ حفظ محلہ عن مثل  
هذک المقتۃ لان التدبیر فی محلہ  
الیہم فانما هذک الحاد ثتہ وقعت  
لتقریط کان متبع فی الحفظ حیث  
تفاقلوا عن الاخذ علی ایدی السفیاء  
منہم وامن غیرہم فواجب الشرع  
القسامۃ والدیتہ علیہم لذلک۔

مبسوط جلد ۲۲ صفحہ ۱

اس سلسلہ کی اسی اہمیت اور اس کے گونا گویں فوائد کے پیش نظر قاضی عیاض فرماتے ہیں۔

حدیث القسامۃ اصل من اصول الشرع  
وقاعدۃ من احکام الدین و رکن من  
رکان معالیم البیاد و مرقاة حیدر ص ۳۱  
حدیث قسامت اصول شرع میں ایک اہل اور احکام  
دین میں ایک مستحکم قاعدہ ہے اور ساقی بندوں  
کے فائدے کے ارکان میں ایک قاعدہ ہے۔

اسلامی قانون کو نیچر | آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام نے انسانی جان کے احترام اور امن و امان کے قیام کے لئے  
کس قدر مستحکم قانون نافذ کیا ہے، کیا ان پر عمل پیرا ہونے کے بعد بھی کوئی اس شرع کا قہر پیش آ سکتا ہے جس سے  
ملک کا امن و امان ختم ہو جائے، طاقتور کمزور کو کچل ڈالیں اور کوئی پارٹی فتنہ بکھڑے اور خون ریزی کو ہوا دے  
سکے آپ یقین کریں اگر ایسی بات نہیں ہو سکتی ہے جب خون کسی دل میں، سدھ ضائع نہیں ہونے دیتا، اس کا  
تارک کسی نہ کسی پر میراں باندھ کر رہا ہے، قسامت کو جی چاہے اجتماعی جرماء فرار دے لیجئے، پھر جب اس سختی کے نتیجے  
باز پرس حکومت کی جانب سے ہوتی رہے اور قاتل کو چھپانے کی صورت میں سزا دی جائے، پھر دیت بھی وصول  
کی جائے اس کے بعد کس کی جہاں ہے کر غفلت کی زد میں نہ رہے، نہ اس کے حلقہ میں کوئی جان ضائع ہو جائے۔



نہرو اور بن پر زرداری | اگر کسی کشتی یا جہاز پر اس طرح کی کوئی لاش پائی جائے اور قاتل کا پتہ نہ چل سکے تو یہاں  
تسامت کشتی اور جہاز والوں پر عائد ہوگی یعنی جو لوگ اس کے اندر ہیں خواہ وہ سوار ہوں، طالع ہوں، یا علمہ،  
اگر جامع مسجد اور شارع عام پر اس طرح کی لاش پائی جائے تو چونکہ اس کی ذمہ داری حکومت پر ہے، اس لئے  
حکومت بہت المال سے دیت ادا کرے گی، اسی طرح قید خانہ و جیل میں پائی جائے، تو بھی حکومت کے خزانہ سے  
دیت ادا کی جائے گی، مگر اس کی نگرانی بھی حکومت کے اور پر ہے، رہداریہ باب التسماتہ،

دو آبادی کے درمیان | اگر دو آبادیوں کے درمیان کوئی ایسی زخمی لاش پائی جائے، اور تو قاتل کا علم نہ ہو سکے، تو  
زخمی لاش کا حکم | ان دونوں آبادیوں میں جو آبادی قریب پڑے اس پر قسامت کی ذمہ داری عائد ہوگی۔

حضرت ابوسعید کا بیان ہے۔

وجد قتل بین قریبتین فامیر البنی صلی اللہ علیہ وسلم  
فذا ع ما بین القریبتین الی الیہما کان اقرب  
فوجد اقرب الی احدہما فیشیر فکانی النظر الی  
مشیر البنی صلی اللہ علیہ وسلم فعملہ علی الذی کان  
اقرب۔ (لاحمد (جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۸۸)

ایک مقتول دو آبادیوں کے درمیان پایا گیا، تو حضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم حکم فرمایا کہ دونوں کو پابا جائے، ان میں سے کس  
قریب تر ہے چنانچہ ان میں سے ایک آبادی باشت بھر قریب  
پڑی، دوسری کا بیان ہے کہ گویا میں آپ کی باشت کو بھی دیکھ  
رہا ہوں، پھر قریب تر آبادی پر اس کی ذمہ داری عائد کی۔

کتب فقہ میں یہ مسئلہ مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے انسانی جان کی  
حفاظت کس کس طرح کی ہے اور ملک میں امن و امان کی اس کی نظر میں کتنی قدر قیمت ہے۔

اس دور میں جب دنیا میں جسکے ارزاں انسانی خون ہی ہے، اور سب سے بڑے وقت انسان ہی ہے اسلام  
کے ان قوانین کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کاش کہ اس باب اقتدار اپنے اپنے ملکوں میں ان قوانین  
کو نافذ کر کے ملک کو سکون کی دولت سے نوازنے کی سعی کرتے اور انسان کی جان کی قدر و قیمت بڑھاتے  
اور تمہید سے الگ ہو کر اسلام کے ان عالمگیر اور دوزد میں قوانین پر غور کرتے۔

موجودہ دور میں مختلف ملکوں میں اس سلسلہ کے جو قوانین نافذ ہیں، ان کی فراہمی کی فکر میں ہوں جن  
حضرات کو علم ہو، وہ خاکسار کو مطلع فرمائیں۔

# سایح الردۃ

رجب ڈاکٹر خورشید احمد فاروق صاحب استاد ادبیات عربی دہلی یونیورسٹی

(۴)

رسول اللہ کے بعد دشمن خدا کی گمراہی اور بدھمی اور اس گمراہی میں چند اہل خرد کو چھوڑ کر سارے بنو ضیفہ نے اس کا ساتھ دیا، ان کے لئے رجال بن عتفہ کی یہ شہادت جسے بڑا فتنہ ثابت ہوئی کہ رسول اللہ نے مسلمانوں کو خلافت میں شریک کر لیا ہے، رجال کا قصہ یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کے ایک دفعہ کے ساتھ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، قرآن پڑھا اور سنت سے واقفیت حاصل کی۔ ابن عمر ہمارے نظر میں وہ سارے دفعہ سے افضل تھا اس نے سورہ بقرہ اور آل عمران پڑھی اور ابی ذہب کے پاس تلاوت قرآن کے لئے جاتا تھا، وہ لوٹ کر آیا مہ گیا اور اس بات کی جھوٹی شہادت دی کہ رسول اللہ نے مسلمانوں کو خلافت میں شریک کر لیا ہے، رجال کی راست بازی اور حق گوئی مسلم بھی اس لئے اس کی یہ گواہی بنو ضیفہ کے لئے سب سے بڑا فتنہ ثابت ہوئی۔

رائع بن حریج رجال کا حضور و خشوع پابندی سے قرآن خوانی اور صلح کی طرف میلان جو دیکھتا حیرت میں رہ جاتا، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے رجال چند لوگوں کے ساتھ ہمارے پاس بیٹھا تھا، آپ نے فرمایا: "اس گروہ کا ایک فرد دوزخی ہے: میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو میرے سامنے ابو ہریرہ، ابو آرد، دوسری، طفیل بن عمرو دوسی اور رجال بن عتفہ یہ چار آدمی تھے، میں سب کو حیرت سے دیکھتا اور دل میں کہتا: یہ ہر نصیب کون ہے؟ رسول اللہ کی وفات پر بنو ضیفہ مرتد ہو گئے تو میں نے رجال کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ وہ بھی گمراہ ہو گیا، اور یہ کہ اس نے مسلمانوں کے حق میں شہادت دی کہ رسول اللہ نے اپنے بعد میں کو خلافت میں شریک

بنایا ہے۔ یہ سن کر میں نے کہا و اتھی رسول اللہ نے ٹھیک کہا تھا کہ اس جماعت کا ایک فرد روزِ خلی ہے؟ لوگوں نے زباناں کو کہتے سنا، دو منڈھے سینگوں سے لڑ رہے ہیں و محمد اور مسلمان ان میں ہیں اپنا فیڈھا زیادہ پسند ہے۔

ابنِ شکرہ کی پیامہ کے معزز اور ممتاز لوگوں میں تھا، وہ اسلام پر قائم تھا لیکن رد لے ہوئے حالات میں، اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھا، وہ رجال کا دوست تھا، اس نے ذیل کے شعر کہے جن کا پیامہ میں ایسا چرچا ہوا کہ عورت، بچہ، بچی سب کی زبان پر تھے۔

یا سعاد الفؤاد بنت أمثال      طال یلی بفتنة الرجال  
سعاد بن أمثال، میرے دل کی ملکہ      رجال کے قتل سے میری راتیں دراز ہو گئیں

یا نعا یا سعاد من فتنة الدهر      علیکو حفتة الدجاء  
سعاد، یہ فتنہ ہمارے لئے ایک بڑا حادثہ ہے      دجال کے فتنہ کی طرح  
ان دینی دین النبی و فی القوم رجال علی الهدی أمثالی

بلشبہ میرا دین وہی ہے جو محمد کا ہے      اور بنو ضیفہ میں مجھ جیسے کافی سلمان موجود ہیں  
أعظم القوم محکم بن طفیل و رجال لیسوا لنا برجال  
محکم بن طفیل نے بنو ضیفہ کو تباہ کر دیا      اور ایسے بڑے رجال جو ہمارے بڑے نہیں ہیں

منہ هو أمر هو مسيلة الیوم      فلن یرجعوا أخوی الیالی  
مسیلہ نے ان کا اقتدار و اختیار چھین لیا      اور وہ ہرگز بھی اس کو واپس نہ لے سکیں گے

ان تکتہ متتی علی فطرة الله حنیفا      لا ابا لی  
میں فطرۃ اللہ پر ایک خیف مسلمان کی طرح      مردوں تو مجھے موت کا کوئی خوف نہیں۔

ان شاعر کا علم جب مسیلہ محکم اور پیامہ کے اشراف کو ہوا تو انہوں نے ابنِ شکرہ کو گرفتار کرنا

چاہا، لیکن وہ بھاگ گیا اور خالد بن ولید سے جا ملا اور ان کو پیامہ کی صورت حال اور بنو ضیفہ کی عسکری کمزوریوں سے مطلع کیا۔



مومن کہتے ہیں کہ ایک خفی جو اسلام لایا اور پھر کافی عرصہ رسول اللہ کی صحبت سے مستفید ہو کر  
 مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کو رسول اللہ نے سیلہ کو لٹانے کے لیے پیام بھیجا، یہ شخص کہتا تھا کہ اگر سیلہ نے  
 کسی کی بات مانی تو میری ضرورت مانے گا وہ پیام جا کر سیلہ سے ملا اور کہا کہ محمد کی خواہش ہے کہ تم ان سے  
 ملاقات کرو، اگر تم گئے تو خوش خوش لوٹ کر آؤ گے خفی نے مالیف قلب کے لئے خوب چکنی چڑی  
 باتیں کیں، وہ سیلہ سے تنہائی میں ملا کرتا اور اس کو مدینہ چلنے کی ترغیب دیتا، جب وہ زیادہ پیچھے پڑا  
 تو سیلہ نے کہا کہ میں سوچا سمجھا ہوں، اس کے بعد اس نے رحل بن عوفہؓ اور اپنے دوسرے مشرکوں  
 سے صلاح کی تو سب نے جانے سے منع کیا اور کہا اگر تم گئے تو محمد تم کو مار ڈالیں گے، تم نے ان کی باتیں  
 نہیں سنیں، چنانچہ سیلہ نے خفی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خود چلنے سے انکار کر دیا،  
 لیکن اس کے ساتھ رسول اللہ سے گفتگو کے لئے اپنے دو معتمد بھیج دیئے۔ دونوں رسول اللہ کے پاس  
 آئے، ایک نے کلمہ شہادت پڑھا اور حضرت رسول اللہ کا نام یاد کیا: **شَهِدَ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ** اور جو  
 باتیں کرنا تھیں کیں، جب وہ فارغ ہوا تو دوسرے نے کلمہ شہادت پڑھا اور رسول اللہ کے نام کے ساتھ  
 سیلہ کا نام بھی یاد کیا: **شَهِدَ اَنْ مُحَمَّدًا وَسَيِّدَةً رَسُولَ اللّٰہِ** رسول اللہ نے کہا: تو جھوٹا ہے، سیلہ رسول نہیں  
 اس کو پکڑ کر قتل کر دو، صحابہ اس کی طرف چھپے اور اس کا لڑکھارہ کر گھیسٹنے لگے، اس کے ساتھی نے اس کا  
 پیکا پکڑ لیا اور کہنے لگا: رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان اس کو معاف کیجئے، صحابہ نے جب اس کو  
 چھوڑا تو اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور حضرت رسول اللہ کا نام یاد کیا، وہ اور اس کا ساتھی دونوں مسلمان  
 ہو گئے، رسول اللہ کے انتقال کے بعد وہ اپنے بال بچوں کے پاس پیام چلے گئے، مراد و عجب بات یہ ہے کہ  
 جس نے غلط کلمہ شہادت پڑھنے والے کا پیکا پکڑا تھا وہ فتنہ میں مبتلا ہوا اور سیلہ کے ساتھ لڑتا  
 ہوا مارا گیا، اور وہ جس کا پیکا پکڑا گیا تھا اسلام پر قائم رہا، اور خاندان کو جو حنیفہ کے عسکری رہا رہتا تھا،  
 رسول اللہ کے سیفر نے جسے انھوں نے سیلہ کے پاس بھیجا تھا ان کو اپنی چکنی چڑی باتوں کا حال بتایا  
 اور یہ کہ اگر جہاں ان کو نہ روکتا تو وہ آنے کے لئے تیار ہو گیا تھا، رسول اللہ نے فرمایا: خدا سیلہ کو قتل  
 کرے گا اور اس کے ساتھ جہاں کو بھی خدا نے ایسا ہی کیا اور ان دونوں کے بارے میں پند و عبرت پورا کر رکھا۔

مسیح نے اپنی گمراہی اور غدا پر بہان تراشی میں سجاح کی گمراہی بھی شامل کر لی، وہ بنو تمیم کی ایک عورت تھی اس کے قبیلہ نے اس کو نبی مان لیا تھا، اس نے وحی کا دعویٰ کیا، ایک موزن اور حاجب (داروہ) اور ایک منبر بھی بنوایا، اس کے ہم قبیلہ جب جمع ہوتے تو کہتے: سیاست و حکومت ان لوگوں کا حق ہے جو سجاح کے رشتہ دار ہوں، عطار دین حاجب بن زرارہ کہتا ہے:

ہماری نبی ایک عورت ہے جس کا ہم حکم بجالاتے ہیں جب کہ دوسرے لوگوں کے نبی مرد ہوتے ہیں۔ مدعی نبوت بننے کے کچھ عرصہ بعد سجاح، مسیلہ سے لڑنے نکل، اور اپنے ساتھ ان تیسویں کو بھی لے لیا جو اس کے ہم خیال تھے اور جن کی رائے تھی کہ سجاح، مسیلہ کی نسبت نبوت کا زیادہ مستحق ہے۔ جب سجاح، مسیلہ کے پاس آئی تو مسیلہ اس سے تنہائی میں ملا اور کہا: او نبوت کے بارے میں تنہائی میں باہم گفتگو کر لیں، اور دیکھیں ہم دونوں میں نبوت کا زیادہ اہل کون ہے۔ سجاح نے اس تجویز کو خوش آمدید کہا، اس کے بعد مورخوں نے مسیلہ کی سجاح کے ساتھ ایسی باتیں بیان کی ہیں جو نظر انداز کرنے کے قابل ہیں۔ ایک روایت ہے کہ جب خالد بن ولید نے باغی عربوں کی گمشدگی کی تو سجاح یہ سوچ کر کہ ملک عرب میں مسیلہ سے زیادہ طاقتور سردار اور بیمار سب سے زیادہ مخمور و مجذوم ہے، اس کے پاس پناہ لینے آئی، اس نے موزن شہتہ بن ربیع کو ہدایت کر دی کہ اذان میں مسیلہ کے نبی ہونے کی شہادت دیا کرے (اشہد ان مسیلہ رسول اللہ) جب اس کی مسیلہ سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا: میں نے سب کو چھوڑ کر صرف تم پر نظر ڈالی ہے اور تمہارا نام روشن کیا ہے حتیٰ کہ میرا موزن اذان میں بھی تمہارا نام لیتا ہے۔ اس کے بعد مسیلہ نے سجاح سے نبوت کے بارے میں خفیہ بات چیت کی جب مسیلہ مارا گیا تو خالد نے سجاح کو پکڑ لیا، سجاح مسلمان ہو گئی اور اپنے وطن لوٹ کر حب سابق زندگی گزارنے لگی۔

اپنے اس کذاب کے ہاتھوں بنو ضیفہ سخت آزمائش میں مبتلا ہوئے، وہ ان کے بیاروں کے لئے شفا کی اور ان کے نومولود بچوں کے لئے برکت دیکھ کر مرانی کی دعا کرتا تھا، اور ان کو اپنی ابد فریبوں سے قطعاً روکتا تھا۔ کچھ لوگ ایک نوزائیدہ بچہ کو اس کے پاس لے کر آئے، اس نے بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کدڑی پر خیزم ضربیں اس کے سر پر لگائیں، ایک اور شخص آیا اور کہا: ابو ثامہ! میں مالدار ہوں!

اس بچہ کے علاوہ میرا کوئی بچہ دوسال سے زیادہ زندہ نہیں رہتا۔ اس کی عمر اس وقت دس برس ہے۔ کل میرے ہاں ایک اور بچہ پیدا ہوا ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کے لئے عمر زاری کی دعا کریں۔“  
 سلسلہ میں تمھاری خواہش پوری کرادوں گا، پھر اس نے بتایا کہ (خدا نے) نوزائیدہ کی عمر چالیس سال منظور کی ہے اور وہی خوش خوش بڑا گھر بنچکر کیا دیکھتا ہے کہ بڑا لڑکا ایک کنویں میں گر چکا ہے اور چھوٹا نزع کے عالم میں ہے، شام ہوتے ہوتے دونوں مرجاتے ہیں، یہ دیکھ کر ان کی ماں کہتی ہے: بندہ بوٹھامہ کو خدا کے ہاں وہ منزلت حاصل نہیں جو محمد کو ہے،“ بنو حنیفہ نے ایک کنواں کھودا جس میں میٹھی پانی کا سوتا تھا، وہ سلسلہ کے پاس آئے اور درخواست کی کہ کنویں پر جا کر دعا کرے کہ وہ ان کے لئے باعثِ برکت ثابت ہو، سلسلہ نے کنویں میں تھوکا تو اس کا پانی کھاری ہو گیا۔

ابو بکر صدیقؓ نے خالد کو تائید کی تھی کہ بنو اسد اور غطفان نیز نورات مدینہ کے بانیوں سے فارغ ہو کر یمامہ کا رخ کریں، خالد نے ان پر فوج پائی تو کچھ ہائی مدینہ نکل بھاگے اور ابو بکر صدیقؓ سے درخواست کی کہ ہم سے بہت نیچے اور ہمیں امان دیکھئے۔ انھوں نے کہا: مجھ سے تمھاری بیعت درگھار سے میری امان یہ ہے کہ تم نہ مدینہ و نیند اور ان کی فوت سے پہلے جو نہ لہ جس جس کے بارے میں نکھیں گے کہ اس نے جنگ یمامہ میں شرکت کی، اس پر کوئی آپنا نہ آئے گی اور وہ اسلام کی امان میں رہے گا، جو ضرر ہی وہ غیر ضرروں کو یہ خبر پہنچا دیں، میرے پاس ست آدمی لہ کے پاس جاؤ،“ ابو بکر بن جہم کہتے ہیں کہ نورات مدینہ سے جو عرب لہ کے لشکر میں غم ہوئے وہی لوگ تھے جو جنگ یمامہ میں تین بار پیسا ہوئے اور مسلمانوں کو مصیبت میں ڈالا۔

شریک بن فزاری میں عیینہ بن حصین (فزاری) کی طرف سے جنگ بڑا ضمیر شریک تھا بھر تو فوج یزدی میرے شاہل میں ہوتی اور میں مسلمان ہو کر بوکر کے پاس آیا، انھوں نے مجھے حکم دیا کہ لہ کے پاس جاؤں اور ایک خط دیا جس کا مضمون تھا۔

”وانح ہو کہ تمھارا لڑکچہ تمھارا خط لکھتا ہے، جس میں تم نے بڑا ضمیر خدا کی عنایت کر دیا، فوج اور اسد و غطفان کی گوشمالی کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اب تمہارا سہ کی طرف پتہ قدمی کر رہے ہو جیسا کہ میں نے



تم کو ہدایت کی ہے، اللہ وحدہ لا شریک لہ سے ڈرتے رہو، اپنے ساتھی مسلمانوں کے ساتھ باپ کی طرح لطف و شفقت سے پیش آؤ۔ خالد بن ولیدؓ بنو مغیرہ کی نمکنت سے بچے رہنا، میں نے تمہیں سالار بنا کر اس شخص کی بات مالدی ہے جس کی بات کبھی نہیں مانی یعنی عمر بن خطابؓ، جب بنو حنیفہ کے پاس پہنچے تو تدبیر سے کام لیا، تم اب تک اُن جیسے دشمن سے مقابل نہیں ہوئے ہو، کیونکہ ان کا کل قبیلہ اول سے آخر تک تمہارے خلاف ہے، اور ان کا علاقہ بڑا بھی بہت ہے، جب تم وہاں پہنچو تو سارے معاملات کا انتظام خود کرنا، اپنے مہمنہ میسر و اور رسالوں پر مخلص افسر مقرر کرنا، رسول اللہ کے ترازو سے مشورہ کرنا اور ان کے احترام و منزلت کا پورا لحاظ رکھنا۔ جب بنو حنیفہ صغیر درست کر کے لڑنے کے لئے آدہ ہوں تو جیسے وہ لڑیں اسی طرح تم لڑنا، اگر وہ تیر چلائیں تو تم بھی تیر چلانا، اگر وہ نیزہ بازی کریں تو تم بھی نیزہ بازی کرنا، اور جب وہ توار سے لڑیں جس کے معنی میں یقینی موت، تو تم بھی توار سے لڑنا، اگر خدا تم کو فتح عطا کرے تو خبردار ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ نہ کرنا، ان کے زخمیوں کا کام تمام کرنا، ان میں جو بھاگ جائیں ان کا تعاقب کرنا، اور جو تھک رہے ہوں ان کو تھکا جائیں ان کو تھکا کر رکے گھاٹ مارنا، اور لگ میں جلادینا میری نبردباری کی خدشہ دہ نرمی نہ ہو، والسلام علیکم۔ یہ خط پڑھ کر خالدؓ نے کہا: سماعۃ ذہبت اچھا نہیں حکم کروں گا۔

اہل یامکہ جب معلوم ہوا کہ خالد ان جیسے غیوں کی سرکوبی کر کے رھاوے مارے ان کی طرف آ رہے ہیں تو وہ ہلکے گئے، ان کا ایک مقدر سردار تھوگم بن طفیل و ساری رات بستر پر کھڑے رہے اور کہتا

مسافر ہیں یہی خبریں لاکر سناتے ہیں	کیا سب مسافر جھوٹ بولتے ہیں؟
اُری اللہ کبان غیو ما کر ہنا	ثعلب المرکب یکذب ما یقول
نہیں سب جھوٹ نہیں بولتے	کبھی کوئی تھوڑا سا جھوٹ بول دیتا ہے
اَلَا کَلَّیْسَ کَلِّہِم کَذ و با	وقد کذبوا و کذب یقولیل
انہوں نے پتا کہ بیماری ان سے	اور ان کی ہم سے اگر وہ لڑے تو بڑی سخت
	اور لمبی لڑائی ہوگی۔

وقد صدقوا البصر منا ومنهم لانا ان حاربوا ابو حذیل

یہ اشعار سکرا ابو ہنیفہ نے سمجھ لیا کہ حکم اپنی گمراہی پر قائم ہے، سیلہ کو بھی اطمینان ہوا، حکم بن طفیل  
یہاں کا ایک وجہ سرور تھا اور محالی نہ یاد بن ابیدانہاری کا دوست۔ نہ لڑنے راستہ میں زیادہ سے کہا کہ  
تم حکم کو کوئی ایسی بات کہد بھجو جس سے اس کا حوصلہ پست ہو، زیادہ نے ایک سوار کی معرفت حکم کو دیکھ کر  
بھیجے اور ایک قول یہ ہے کہ دینہ سے حسان بن ثابت شعر لیکر گئے تھے:

حکم بن طفیل واہ واہ: قدرت نے تمہیں کیسا دادی کا سانپ و مراد سیلہ عطا کیا ہے

یا محکم بن طفیل قد اُتبع لکم للہ دثا ابیکو حیۃ الوادی

حکم بن طفیل تم لوگ ان بکریوں کی طرح ہو جنہیں گڑھے نے پھڑپھڑیوں کے حوالہ کر دیا ہو

یا محکم بن طفیل انکم نفسا کاشاء اسلمہا الراعی لاساد

کیا تم کو سیلہ کذاب سے بہریدر اپنی قوم، اولاد اور دوستوں میں نہیں ملا۔

ما فی مسیلتہا لکن اب من عوف من دار قوہ و اخوان و اولاد

پادر پوش خالہ کی طرف سے بے خوف نہ ہونا۔ بنار کے نیچے سکھاری کتوں کی طرح چست

اور زبرد باز موجود ہیں۔

لا تأمنوا خالد ابی البرد معبجرا تحت العجاہ مثل الکعصف العاد

یامرپ ایک مستقل تباہی آئے گی۔ اگر خالہ کے سوار پیاسے بڑے لے: ہاں گھس پڑے

ویل الیامۃ ویلا لا فراق لہ اب جالت الغیل فیھا بالقنا الصاد

نجدیہ سوار اس وقت تک تیری سے سلنے سے اپنے گھوڑے نہ ہٹائیں گے۔

جب تک تم عادی و نمود کی طرح تباہ نہ ہو جاؤ گے۔

واللہ لا تنثنی عنکم ا عنقا حتی تکونوا کاھل الجحی اوعاد

ایک طرف یہ اشعار حکم بن طفیل کو موصیوں میرے اور دوسری طرف اس کو یہ خبر ملی کہ خالد بن ولید

فوج لے آ رہے ہیں حکم نے کہا: خدا کچھ چاہتے ہیں اور ہم کچھ اور اور خدا میں بات سے نکل نہیں

کر سکے کہ بنو حنیفہ میں ایسے شخص اور جان نثار لوگ ہیں جن کو میلہ نے اپنا شریک و مقہور بنا لیا ہے، اگر خالد یہاں آئے تو وہ دیکھ لیں گے کہ ان کے سامنے ان لوگوں سے مختلف لوگ ہیں جن سے اب تک ان کا سابقہ پڑا ہے، پھر اس نے اپنی یا امہ کے سامنے ایک تقریر کی جس میں کہا: آپ کا مقابلہ ایسے لوگوں سے ہے جو اپنے لیڈر پر جان نثار کرتے ہیں، آپ بھی اپنے لیڈر پر جان نثار کر دیجئے، اسدا اور عطفان کی طرف خالڈ نے تلوار کی دھار سے اشارہ کیا تو وہ بدکنے شتر مرغ کی طرح سر پٹ بھاگ گئے اور آپ کو یہ بھی یاد رہے کہ بڑا نہ میں جو لوگ خالڈ کے ہاتھ آئے ان کو اس نے آگ میں جلا دیا۔ پھر اس نے بنو حنیفہ کا حوصد بڑھانے کے لئے کہا: ”آپ مسلمانوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں“ (باقی)



عصرِ حاضر کی جمہوریت، شریکیت اور دیگر

نظامِ ہائے زندگی کے مقابلہ میں اس  
پاکیزہ نظامِ خلافت کا ذکر جس جس سے  
بہتر نظامِ حشیم فلک نے نہیں دیکھا۔

نفقہ سے رشہ بن سوز اسد صہم کی شیر سیاست اور  
اسلوبِ کمائی پر تحقیقی مقدمات کا گنجینہ

ایڈیٹر تجلی مولانا عامر عثمانی کا مبسوط مقدار انعمان  
بھی شامل اشاعت ہے۔

آج ہی

اپنے ہاں سے آج بٹ کے پناہ پر چنگ کر سب، براہ راست جمعے  
1/10  
1/4  
مکمل ہو تو سارا پیمبرِ نور ﷺ کی شانِ ہونے کا  
معنی آ کر کریں،

چھاپہ بیکر سٹریٹ، خریداری قیوں کو نیا اور کوینہ سی قہم میں ملے جیہ۔

مکتبہ تجلی دیوبند میں



تصنیف :- ابوالکلام آزاد

ترتیب :- عابد رضا بیدار

# آزاد ایک عظیم صحافی

الہلال اور البلاغ :- ہندوستانی اخبار نویسی کا ایک تمہانما

- ۱ اخبار نویسی : بطور دیباچہ
- ۲ صحیفہ نگاری میں تقسیم کار اور مبارکی اہمیت
- ۳ اخبار نویس کا منصب
- ۴ مسلم گزٹ لکھنؤ : اخبار نویس کو ظلم کی آزادی
- ۵ حادثہ زیندار پریس
- ۶ اردو پریس الہلال سے پہلے اور الہلال
- ۷ الہلال کی تحریک : مقصد
- ۸ الہلال کی تحریک : جماعت حزب اللہ
- ۹ الہلال کی تحریک : تشریح مقصد
- ۱۰ الہلال کی تحریک :- دعوت
- ۱۱ الہلال اپنی نظریں
- ۱۲ الہلال کی انشاء : چند نمونے

(عابد رضا بیدار - میر دہاؤس - نئی دہلی)

اگر میری ترتیب پہنچ کسی قابل ہوتی تو میں اس کا انتساب کرتا، اپنے عہد کے  
 سب سے بڑے صحافی اور سب سے بڑے مسلمان سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نام  
 جس کی تحریک سے مجھے شدید اختلاف ہے مگر جس کے غلوں کی قسم  
 کھائی جاسکتی ہے اور جس کے خون سے سودا کرنے کے بانگین نے اس کے  
 اختلاف کرنے والوں کو بھی کچھ کر جانے کا حوصلہ بخشا ہے۔

~~~~~

اہلال اور ابلاغ کی اہمیت، ماہیت اور کیفیت اور اسلوب اور مواد کا تفصیلی تجزیہ، در اس کے  
 ساتھ ان کی شمولیات کا ایک تفصیلی اشاریہ اس سے پہلے پیش کیا جا چکا ہے "آرڈر آف ادب" (آرڈر نمبر) میری  
 زبانی اہلال سے متعارف ہونے کے بعد، صحافت، مسلمات صحافت، صحافی کا منصب، صحیفہ نگاری  
 کی تقسیم کار اور میڈیا، اردو صحافت میں اہلال کا رد اور اہلال کی تحریک، دعوت اور مقصد و  
 منہاج پر خود ایڈیٹر اہلال کی زبان کچھ نیچے یہ ہماری تحریریں مولانا کے اپنے قلم سے ہیں۔ میں نے  
 صرف اتنا کیا ہے کہ مختلف کجری ہوئی جگہوں سے جمع کر کے مناسب عنوانوں کے تحت ترتیب  
 دیدیا ہے۔ برہاں میں میری اس ترتیب کو "آرڈر آف ادب" (آرڈر نمبر) والے قاعدے کے دوسرے حصے  
 یا ضمیمے کے طور پر پڑھا جاسکتا ہے۔

موجودہ ترتیب کا سارا مواد میں نے اہلال و ابلاغ ہی سے لیا ہے۔ مولانا قہر کی نفسِ آزاد  
 میں ایک اہم خط کو دیکھ کر مجھے اس خول کو توڑ دینا پڑا، جد کہ تسلفہ حقہ میں نے موجودہ ترتیب  
 کے دیباچے کے طور پر استعمال کر لیا ہے۔

مجھے امید ہے، میری اس ترتیب سے مولانا کے صحافی ذہن کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

(بیدار)

(۱)

انقلاب کے پانچ نمبر تھے جو میری نظر سے گزرے۔ آپ نے زمینداز سے الگ ہو کر نیا اخبار جاری کیا

لیکن اس سے زیادہ کوشش نہ کی کہ زمیندار کی ہو ہو ایک دوسری شکل ہو۔ جہاں تک مسلک کا تعلق ہے، ضرورت یہ بھی کہ کسی تاجر کا اعلان کیا جاتا، لیکن کوشش کرنی تھی کہ اس سطح سے نسبتاً بلند سطح لوگوں کے سامنے آئے جو زمیندار کی قائم ہو چکی ہے۔ جہاں تک روزانہ اخبار کا تعلق ہے اور وہیں اس وقت تک کوئی بند کام انجام نہیں پایا، درستی و تلاش کا پورا میدان باقی ہے۔ اگر آپ تھوڑی سی محنت گوارا کریں تو کم از کم زمیندار کی سطح سے ایک بلند سطح قائم ہو جائے اور جو لوگ زمیندار خریدتے ہیں وہ بھی انقلاب کی ضرورت محسوس کریں۔ مثلاً اس پر قناعت نہ کیجئے کہ تار کی خبروں کا ترجمہ کر دینے اور ایڈیٹوریل صفحے کے لکھنے کے بعد ایڈیٹوریل اسٹاف کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ مواد اخبار میں ہونا چاہیئے، اور اس کا بہ آسانی انتظام ہو سکتا ہے۔ عام انگریزی اخبارات میں نو ماہ اور دلچسپی کی اتنی باتیں ہوتی ہیں کہ اگر کسی ایک اخبار ہی سے کالم نصف کالم کا مواد اخذ کر لیا جائے تو اسے دو روزانہ کے دو تین کالموں کے لئے بہترین ذخیرہ مہیا ہو سکتا ہے۔ اس کا بہترین طریقہ تو یہ ہوگا کہ دس پندرہ روپیہ ماہوار کا خرچہ گوارا کر کے انگلستان کے چند رسائل اور اخبارات منگوائے جائیں۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو سکے تو خود ہندوستان کے انگریزی اخبارات کافی ہیں۔ اسٹیشن، انگلشمن، انٹرنیٹ، انڈیا، انڈیا اسٹارٹ، اور پاپوٹر میں بے شمار چیزیں کام کی ہوتی ہیں اور اردو اخبار کا ایک قلم بھی انھیں مس نہیں کرتا۔ خصوصاً اسٹیشن، اور انگلشمن کے ہفتہ وار پرچوں میں تو اس قدر مفید معلومات ہوتی ہیں کہ صرف انھیں کا اقتباس ہفتہ بھر تک کام دے سکتا ہے۔

روہیں صرف ترجمہ و اقتباس سے اس قدر مفید اور دلچسپ اخبار بن سکتا ہے کہ اس کا ہر نمبر پڑھنے والوں کے لئے فوائد و معلومات کا ایک درس ہو۔

عام مسائل میں کہ بلاشبہ سیاسی و معاشرتی معلومات سے دلچسپی نہیں ہے لیکن اگر ہماری اخبار نویسی معاہدے سے خالی نہیں ہے تو ہمیں پیدا کرنی چاہیئے۔ عوام کی دلچسپی کی چیزیں لکھی جائیں اس کے ساتھ ہی مفید معلومات بھی ان تک پہنچا دی جائیں۔ دینکے ہر گوشے میں زبانے کی رفتار یہ زبان ہندوستان کے لئے سست نہیں ہو سکتی۔ یہاں بھی وقت یخیزی سے نکل جائے گا۔ اور مسلمان اس منزل پر بہت جلد پہنچے گا۔ پاپوٹر میں گئے جہاں خود ہندوستان کی اسلامی زندگی کے لئے انھیں اپنی عدم استعداد پر نا سفاک ہونا پڑے گا۔ ضرورت ہے کہ لوگوں



میں سماجی و حوادث کے فہم و نظر کا سیاسی ذوق پیدا کیا جائے اور ایسی چیزیں ان کی معلومات میں لائی جائیں جن سے ان کی ذہنیت میں بلندی و متانت پیدا ہو۔ دنیا کی عام سیاسی و معاشرتی حالت، دنیا کی مختلف قومی تحریکات، علمی و تمدنی تغیرات، مغرب و مشرق کی کشمکش کے نئے گوشے، مشرقی ممالک و اقوام کی نئی سرگرمیاں اور اسی طرح کی ضروری معلومات سے اگر مسلمانوں کے اخبارات غالی رہیں تو یہ ان کی ذہنی پستی کا سب سے بڑا ذریعہ ہوگا۔ اس سے بھی بڑھ کر ذرا نہ اخبارات کے لئے لکھنے کی جو چیزیں ہیں، وہ ملک کی سیاسی حالت و نوعیت ہے۔ ہندوؤں کے مقابلے میں بحیثیت جماعت مسلمانوں کی ایک بہت بڑی کوتاہی یہ ہے کہ ان کے عوام ملک کی سیاسی حالت سے جس قدر واقفیت رکھتے ہیں اس قدر ہمارے خواص بھی نہیں رکھتے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ اگرچہ ہندوؤں کے مقابلے میں شوہر و فل بہت چھایا جاتا ہے، لیکن سیاسی مقابلہ و کشمکش کی صحیح استعداد پیدا کرنے کی کوئی فکر نہیں کرتا۔

ہندستان جدید اور کانسٹی ٹیوشنل زندگی اختیار کر چکا ہے۔ آئندہ جو کچھ بھی ہوگا، نیابتی اور انتخابی اہولوں پر ہوگا اور زندگی کے ہر میدان میں وہی جماعت کا مہم ہوگی، جو سیاسی زندگی کے لئے صحیح اور طاقتور رائے کا اپنے ساتھ رکھے گی۔ نوکریوں اور فرقہ وارانہ حقوق کا بھی تمام تر دار و مدار سی پر ہے۔ پس ضروری ہے کہ عام مسلمانوں کی سیاسی تعلیم و ترقی کے لئے بہ کثرت مہامین لکھے جائیں۔ انہیں بتلایا جائے کہ ہندستان کا نظام حکومت کیا ہے، مستقبل کے تغیرات کیا متوقع ہیں، دنیا کے موجودہ سیاسی احوال مملکت کس طرح ہندستان پر تسلط ہو سکتے ہیں، نیابتی اور انتخابی اہولوں سے کیا مقصود ہے، اور مسلمان کیونکر ہندوستان میں ایک طاقتور نیابتی زندگی حاصل کر سکتے ہیں، یہ مباحث اس قدر سہل اور پیش پا افتادہ ہیں کہ بغیر کسی محنت و کاوش کے لکھے جاسکتے ہیں کم از کم دوسرے دوسرے دن جنوں مختلف اس کا کوئی نہ کوئی پہلو واضح کرنا چاہئے۔ ہر فرد شہری اور سنگٹھن کو پختے رہنے سے مسلمان طاقتور نہیں ہو جائیں گے۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ چیزیں اس طرح نہ لکھی جائیں کہ لوگ اکتا جائیں۔ آپ کو اجازت چاہتا ہوں اور عوام ہی میں مقبول بنا، بے ایڈیٹوریل کالوں میں وہ سب کچھ لکھتے رہیں جو لکھا کرتے ہیں۔ پیسے صفحے کی گنجائش اچھی خاصی ہے جو نصف کے قریب وں میں خالص مہم جاتی ہو اس میں گنجائش نکالنے اور کم از کم دو تین کالم اس قسم کے تراجم و مطالب کے لئے مخصوص کر دیجئے۔

(۲)

یورپ میں اخبارات و رسائل اپنی نوعیت اور تقاضا کے لحاظ سے ایک عام تقسیم کے ماتحت ہیں اور ہر نوعیت کا رسالہ اپنے دائرے میں محدود رہ کر تقسیم عمل کے اصول پر کاربند رہتا ہے۔ پہلی قسم روزانہ اخبارات کی ہے۔ دوسری قسم ہفتہ وار رسائل کی ہے، جن کو ہم جرنل کہتے ہیں، اور تیسری قسم سہ ماہیہ، ماہوار یا مہینے میں دوبار نکلتے، یوں بسکٹ کتاب رسائل کی جرنل گویا روزانہ اخبارات اور ماہوار رسائل میں ایک بین بین بزرخی قسم ہے جو اخبارات سے سیاسی مباحث اور ماہوار رسائل کے علمی مقالات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ... ٹرکی اور مصر کے پریس کا بھی یہ غلط ختم ہی جاں ہے۔

مگر اردو پریس میں ابتداء سے عجیب طرح کی طوفان، الملوکی رہی۔ پریس کی مشکلات کے سبب جس کی علت حقیقی ٹائپ کار ایجنٹ نہ ہونا تھا اور روزانہ اخبارات بالکل نہیں نکلتے صرف ہفتہ وار رسائل نکلتے رہے، لیکن ان کے مضامین کی ترتیب ابتدا سے روزانہ اخبارات کی سی رہی اور سات سات دن پرانی خبروں سے کالم کے کالم سیاہ ہوتے رہے۔ پہلک بھی قلت قیمت کے سبب اس کی عادی ہو گئی، اور ہر اخبار سے دوڑ مسطوروں کی خبروں سے ہر بڑی صفحات کا مطالعہ کرتی رہی، جب سے اخبارات نے ماہوار رسائل کی طرح علمی مضامین بھی شائع کرنا شروع کر دیے اور اس میدان مسابقت کا گو سے بخر اس کے ہاتھ رہا جس نے کسی ناول یا ضخیم کتاب کا ترجمہ بھی شائع کرنا شروع کر دیا۔ جن لوگوں سے ہفتہ وار اخبار کی قیمت برداشت نہیں ہو سکیں انھوں نے ماہوار رسائل نکالے، لیکن جرنل کا مفہوم پیش نظر رکھ کر ایک ہفتہ وار رسالہ بھی آج تک شائع نہ ہوا۔

سب سے پہلی بات جو ہمیں اپنے جواب سے عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ وہ البتہ اس کے فرائض کا اہل نہ کرتے ہوئے یہ پیش نظر رکھیں کہ وہ اخبار نہیں، بلکہ ہفتہ وار رسالہ ہے۔

موجودہ وقت صرف اس لئے ہے کہ کام کیا جائے، ہر شعبے میں صرف اس کی ضرورت ہے کہ مختلف مضامین کا اکٹھا کر دیا، گو ایک رسالے کی شکیں سوری کے لئے کافی ہو مگر معنا کافی نہیں ضرورت

اس کی ہے کہ آج کل نئے رسائل جو شائع ہوں وہ علاوہ جمع مضامین و تحشیہ مولفانہ کے کوئی خاص مقصد بھی اپنے سامنے رکھتے ہوں۔ اردو زبان کی نظم و نثر میں ابھی کام کے تمام گوشے خالی ہیں۔

پبلک کا ذوق ارباب صحائف و رسائل کے رجم کا طاب ہے اب کچھ نہ کچھ اردو پریس کی سطح بلند ہونی چاہیے۔ بیشتر سے جو رسالے نکل رہے ہیں، ان کی محض تقلید کچھ بلند نظری کی بات نہیں، ہر شخص کو اپنے کاموں کے لئے کوئی نئی بلندی ڈھونڈنی چاہیے۔ سچی اور بد مذاق مضامین کی اشاعت سے خود ارباب قلم کے سامنے ہست نمونے پیش ہوتے ہیں، اور پبلک کا مذاق سلیم زخمی ہوتا ہے۔ رسالوں کی ضخامت نصف کرو دی جائے تو حرج نہیں لیکن ہر طرے کے مطلب و باب سے کیا فائدہ۔

نئے اخبارات جو نکلے ہیں یا شائع ہونے والے ہیں، بہتر ہے کہ ان میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے:

یورپ میں روزانہ ہفتہ وار جرنل، اماہوار اور سہ ماہیہ کی جو ترتیب اور مضامین و تقابہ کی تقسیم ہے، اس کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ایک وقت تھا کہ ملک میں اخباری کا مذاق بہت کم تھا، اس لئے تقسیم عمل اس بارے میں ممکن نہ تھا اور ضرورت اس کی تھی کہ جیسے کچھ ہوں مگر اخبارات نکال دیے جائیں۔ مگر اب حالت بدل چکی ہے، پس ضرور ہے کہ رفتہ رفتہ اردو پریس کو صحیح اصول تقسیم کار اور ترتیب نظام عمل پر لایا جائے اور یہ طوائف، ممکن نہ ہو کہ ہفتہ وار راجہ نہ روزانہ خبر کا مواد فراہم کر رہے ہیں اور ہفتہ وار، اماہوار رسائل کے سے مضامین کی تلاش میں میں نتیجہ یہ ہے کہ کوئی ایک صنف بھی موجود نہیں، نہ روزانہ روزانہ ہیں، نہ ہفتہ وار، ہفتہ وار!

تعداد پیر اور کارٹون عدد، جزائر اخبار و رسائل میں سے ہیں اور موجب از دیار اثر و رونق اخبار و وسیعہ رحمت تعلیم و تہذیب و مطالب و مسائل۔ لیکن کسی کام کے کرنے کے لئے، اسے کر دینا ہی شرط نہیں ہے، بلکہ اس حرج کرنا جس طرح دین میں کیا جاتا ہے۔ لیتھو کی چھپائی میں تھا ویر کا انتظام ممکن نہیں مگر اگر ممکن ہے تو اس قدر اعلیٰ درجے کا کام جس کے مضامین کا عمل ممکن نہیں۔ پھر اس سے کیا فائدہ کہ چند سیاہی



کے دھبوں سے صفات برباد کر کے مذاق سلیم اور حسن نظر کو زخمی کیا جائے۔

البتہ کارٹون ممکن ہیں، لیکن یاد رہے کہ کارٹون کو دھن کرنا اور پھر ان کو بنانا ایک مستقل فن لطیف و دقیق ہے جس کے یورپ میں خاص خاص ماہرین فن ہوتے ہیں اور ان پر ہزار ہا روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے وقت خیال، نزاکت تخیل، سرعت فہم، مواد شاہری اور قوت مصوری کے ایک ہی دماغ میں ہونے کی ضرورت ہے! پھر ایسے قابل مہوروں کی جن کے سامنے کارٹون کے تمام اجزاء لفظوں میں پیش کر دیے جائیں اور وہ اس طرح انھیں جائزہ تصویر بنادیں، گویا اس کے سوا اور کوئی لباس ان کے لئے موزوں نہ تھا۔ لہٰذا خود لباس کارٹون کا بنانا ہوا اور کسی بار بعض لطیف و نازک خاکے نوہن میں آئے اس کا سامان بھی اور تمام مقامات سے بہتر موجود تھا، مگر میں نے بہتر نہ سمجھا کہ کسی کام کو کیا جائے اور صاحب فن کی حیثیت سے نہ کیا جائے۔

پس اردو اخبارات یا تو کارٹون کا سینہ بالکل چھوڑ دیں یا اس کی ذمہ داریوں کو پیش نظر رکھیں۔ یہ محض نسخہ نہیں ہے، بلکہ موجودہ ترقی یافتہ پریس کا ایک رقیع اور اجماع کام ہے۔

(۳)

ایک قوم کے مشہور صاحب ریاست اعدا جھل کی قومی خدمات میں سربرآوردہ بزرگ اہلال کا پیدا دیکھ کر ارقام فرماتے ہیں:

... میری طبیعت بے اختیار چاہتی ہے کہ تبدیلی کی کچھ خدمت انجام دوں... تنہا آپ کہاں تک روپیہ ٹائیں گے، اس لئے بالخصوص... کا چک روانہ خدمت ہے اور آئندہ بھی اتنی ہی رقم بطور ہوا اعانت کے ہمیشہ پہنچی رہے گی...

ہم بزرگ موصوف کی اس رسیانہ فیاضی کے نہایت شکرگزار ہیں، مگر افسوس کہ اپنے حوالہ طبیعت سے مجبور ہونے کی وجہ سے منتیں نہیں ہو سکتے اور ان کے عیضے کو پوری تہہ شناسی کے ساتھ واپس کرتے ہیں... ہم اس بازار میں سوداے نفع کے لئے نہیں، بلکہ تلاشِ زیان و نقصان میں آئے ہیں جہاں و تخمین کے نہیں

لے اہلال ۲۱: ۱۹ مارچ ۱۹۳۷ء

بلکہ نفرت و دشنام کے طلب نگاہ ہیں۔۔۔ ایسے کی مدد کر کے آپ کا جی کیا خوش ہوگا۔۔۔

پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ عطیہ کس مقصد سے ہے اگر آپ مجھ کو خریدنا چاہتے ہیں تو یہ رقم تو ایک گراں قدر قیمت ہے میں تو اپنی قیمت میں گھانسی کی ایک ٹوکری کو بھی گراں سمجھتا ہوں شاید جاندی اور سونے میں پہلے ہوئے رُوسا کو خریدنے کے لئے، تنہا دوپہا مطلوب ہو۔ درہم ایسے خاک نشین درویشوں کی تو ایک پوری جماعت اتنے میں مل جائے لیکن ہاں اگر اس سے میری رائے اور میرا فہم خریدنا مقصود ہو تو باوجود جب عرض ہے کہ ان خرف ریز ہائے طلانی کی تو کیا قیمت ہے کوہ نور اور تخت طاؤس کی دولت بھی جمع کر لیجئے جب بھی وہ مع آپ کی پوری ریاست کے اس کی قیمت کے آگے بیچ ہے یقین کیجئے کہ اس کو سوئے شہنشاہ حقیقی کے اور کوئی نہیں خرید سکتا اور وہ ایک بار خرید چکا:

دونوں جہاں سے کئے: سمجھے خوش رہا یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

ہمارے عقیدے میں تو جہاں اپنی قیمت کے سوا کسی انسان یا جماعت سے کوئی رقم لینا جائز سمجھا ہے۔ وہ جہاں نہیں، بلکہ اس فن کے لئے ایک دھت ہے اور سراسر طر ہے، ہم اخبار نویس کی سطح کو بہت بلندی پر دیکھتے ہیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض ادا کرنے والی جماعت سمجھتے ہیں: **وَسَيُكْفِيهِمْ يَوْمَئِذٍ كِتَابُ الْكَافِرِ** (۱۱: ۳) ایسے اخبار نویس کے تو کوہِ طر کے برابر سے آواز ہو چاہئے اور جاندی سونے کا تو سایہ بھی اس کے لئے ستم قاتل ہے۔ جو اخبار نویس رمیوں کی نیافیموں اور امیروں کے عطیوں کو قومی اعانت، قومی عید، درائنِ ملت کے فرضی ناموں سے قبول کر لیتے ہیں وہ بہ نسبت اس کے کہ اپنے ضمیر اور نورِ ایمان کو بچیں، بہتر یہ ہے کہ درپوزہ گری کی جھوٹی گلے میں ڈال کر اور مفذروں کی بگہ قعدن لے کر رمیوں کی ڈیوڑھیوں پر گشت لگائیں اور۔۔۔ ہر گلی کوچے کا مہیڑہ، کی ہدا انکے گھر خود اپنے تئیں فرزندِ نشت کرتے رہیں۔

(۴)

نوسہ گزشتہ کے معاملات کی نسبت میں نے۔۔۔ کہ سلسلہ گزشتہ سے دریافت کیا تھا کہ موہبی سید

۱۵ اہل۔۔۔ ۲۰/۳ ۱۰۰/۳

وجد الدین صاحب سلیم کی علمدگی کے متعلق جو واقعہ سننے میں آیا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں۔

اس کے بعد مسلم گزٹ کا ایک پرچہ آیا جس کے پہلے صفحے پر مولوی صاحب کی علمدگی کی خبر ابرار کی پرچوں خدمات کا اعتراف تھا اور سب سے آخری صفحے پر اشتہارات کے اندر چھپا ہوا اقتدار و عفو طلسم کے متعلق بھی ایک نوٹ تھا جس میں لکھا تھا کہ مسلم گزٹ میں بعض مضامین قابل اعتراض نکل گئے ان کے متعلق افسوس، اور تیندہ کے لئے حیات۔

یہ سوں کسی شخص کو ایڈیٹری سے برطرف کر دینے کا نہیں ہے، ہر شخص جو کسی کو اپنی افانت کے لئے رکھتا ہے حق رکھتا ہے کہ جب چاہے صفحہ بھی کر دے۔ یہ سوں مولوی سید وجد الدین صاحب کی ذات خاص کا بھی نہیں ہے، اگر کسی وجہ سے وہ علمدہ کر دیئے گئے یا ہونگے تو اس کا اثر مسلم گزٹ پر کیا پڑ سکتا ہے؟ یا ان باتوں پر کیا پڑ سکتا ہے جن کی وجہ سے وہ مسلم گزٹ کو پسند کرتے یا برا سمجھتے تھے؟ اس طرح کے تغیرات ہمیشہ کاموں میں ہوا کرتے ہیں اور اگر کوئی کام نیک اور اچھا ہے، تو اس کی زندگی کسی شخص کی زندگی یا عدم موجودگی پر موقوف نہیں۔ مولوی صاحب جب مسلم گزٹ کے دفتر میں آئے ہیں تو ان خیالات کو لے کر نہیں آئے تھے جن کی وجہ سے مسلم گزٹ کو شہرت ہو گئی۔ ان کو مسلم لیگ کی مخالفت کا بالکل خیال نہ تھا۔ نہ تو سیاسی مباحث سے دلچسپی رکھتے تھے اور نہ مسلمانوں کی پولیٹیکل روش کے متعلق کوئی انقلابی خیال ان کے پیش نظر تھا۔

تاہم مسلم گزٹ نکلا تو حالات جمع ہوئے۔ در اس کے صفحات پر سے اصلاح و تغیر کی صدا بلند ہوئی، مسلم لیگ علی گڑھ پارٹی، ہندوستانی نرس سر آغا خاں کے متعلق اس نے مخالفت اور کٹہر یعنی شروع کر دی۔ در مسلم لیگ کے میں تغیر میں پورے حصہ میں جس کی وجہ سے اس کو اپنا نظام بدنام پڑا۔

پس اسی طرح اب اگر وہ مسلم گزٹ سے صفحہ ہار دیے گئے تو اور وہ مسلم گزٹ کے کام کو قائم رکھ سکتے ہیں اور آزادی کی تحریک میں زندگی بے تودہ جو دنیا میں کرے گی، کوئی بن تم یا کوئی یہ ہر کب تک اس کے جسم کے ٹھکانے کو تھامے رہے گا۔

یہ سب سچ ہے اور ایک ایسی کھلی ہوئی بات ہے جس کو ہر شخص تسلیم کرے گا، مگر جس سید بات نہیں ہیں یہ تغیرات باب و مضامین کے تحت ہوا ہوتا، جو ہمیشہ کار و بار میں ہوتا کرتے ہیں، تو کوئی



وجہ اعتراض نہ تھی، مگر شکل یہ ہے کہ:

دوست نے خاطر دشمن سے کیا مجھ کو ہلاک  
رہنچہ یہ ہے کہ وہ کم حوصلہ نازاں ہوگا

یہ واقعہ کچھ ایسے حالات کے ساتھ وقوع میں آیا ہے جس نے مسلمانوں کے موجودہ ادوار اہول پرستی و حریت پسندی کے عین دور عروج میں اہول کی سب سے بڑی توہین کی ہے اور آئندہ کے لئے استبدادِ حکام و ضعفِ رائے و تنزیلِ اقدام و عدم ثباتِ کار و اہول و فکر کی ایک ایسی مثالِ مشوم و نظیرِ منحوس قائم کر دی ہے جس نے ہمیشہ کے لئے پریس کی اندرونی آزادی میں کو خاک میں ملا دیا، اور ان ہلک نقصانات سے کہیں زیادہ نقصان ہندوستانی پریس کو پہنچایا جو پریس ایکٹ کا حربہ بے اماں پنپوار ہے۔

پریس ایکٹ کے بموجب پریس کی ضمانت لی جاسکتی ہے پھر پبلی ضمانت ضبط کی جاسکتی ہے، پرچہ ضبط کر لے جاسکتے ہیں، انتہائی صورت ہو تو پریس کا سارا سامان بھی ضبط کیا جاسکتا ہے۔ تاہم یہ تمام زنجیریں ہمارے خارجی اعمال و قوی کے گرد لپٹی ہیں اور خواہ ان کی آہنیں بندش ہم کو گھر سے باہر تنہا ہی مقید کر دے، لیکن اپنے گھر کے اندر اپنے دفتر کی میز کے سامنے، اپنے قلمدان سے کام لیتے ہوئے، ہم بالکل آزاد ہیں۔ لیکن مسلم گزٹ کا ضعیف القلب مالک اس پر قائل نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ ہمارے اندرونی نظم و نسق کی آزادی بھی ہم سے چھین لی جائے اور جب کہ ہمارے دفاتر کے دروازے سی آئی ڈی کے غیر موثر احتساب کا جولا لگا دینے ہوئے ہیں تو ہمارے کاروبار کی میز کے سامنے بھی ایک سخت موثر مداخلت کا پہرا بٹھا دے!!

اس نے حکام کی اندرونی اور غیر باقاعدہ مداخلت کی سہی کو اپنے ضعیف قلبی کے ہاتھوں کا یاب کر دیا اور اس طرح ہمیشہ کے لئے ایک نیا حربہ خود ڈھال کر پریس کے حریفوں کو دیدیا۔۔۔۔۔<sup>۱</sup>

مسلم گزٹ غالباً آجکل میں بند ہو جائے گا، مگر ان حالات کے بعد اس کا نید ہو جانا ہی بہتر ہے۔۔۔۔۔  
یہاں تک لکھ چکا تھا کہ معلوم ہوا، مسلم گزٹ بند ہو گیا ہے۔<sup>۲</sup>

۱۔ اہلال، ۳۰ ابریکم اکتوبر ۱۹۵۹ء

۲۔ اہلال، ۳۰ اکتوبر ۱۹۵۹ء

(۵)

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ : اُتِلْغُوْا رِسَالَةَ رَبِّیْ ذَا نَا لَكُمْ نَاصِحٌ اٰمِیْنٌ ۔

اے لوگو! میں تمہیں اپنے پروردگار کا حکم سناتا ہوں، اور یقین کرو کہ میں تمہارے لئے ایک دیانت دار ناصح ہوں، میں کبھی اعلان حق میں خیانت نہیں کروں گا۔

زمیندار پریس لاہور سے دو ہزار کی خہانت لی گئی تھی، اس کے بعد دس ہزار کی طلب کی گئی۔ اب وہ دس ہزار بھی ضبط کر لئے گئے اور پریس کا تمام سامان، ورشیں بھی... بنیاد خپہ مہا میں قرار دیئے گئے ہیں جو اجڑ چکا کے واقعہ عید انھی پر نکلے تھے اور ایک مضمون مسٹر ظفر علی خاں کا جو انھوں نے لٹن سے لکھ کر بھیجا تھا....

سچ ہمارے سب جانب بسنے والوں میں کون ہے جو مجرم نہیں ہے۔  
ملکوں اور قوموں کی تاریخ میں یک وقت آتا ہے جب کہ انسانوں کے لئے زندگی کی خواہش مصیبت ہو جاتی ہے اور زندہ رہنے سے بڑھ کر اور کوئی جرم نہیں ہوتا۔

جب کہ اونچی اونچی دیواروں اور سسنی دروازوں کی آبادی بڑھ جاتی ہے... جب کہ دھنوں کی ٹہنیوں میں رسیاں لٹکائی جاتی ہیں، اور جب کہ کھڑی کے تختے بنائے جاتے ہیں، تاکہ فرزند ان آدم ان پر کھڑے ہوں یہ وقت آتا ہے اور العذاب احم کے ایک قانون کے ماتحت گزر جاتا ہے، اور پھر ہلاکت کا ہر دینج جو زمین میں ڈالا گیا تھا، اُسے نوکم کے شروع ہوتے ہی زندگی اور حیات قائم و دائم کا پھل پیدا کر دیتا ہے....

خود کی یہی مرضی معلوم ہوتی ہے کہ اب ہندوستان کے مسلمان جاگیں اور اس طرح جاگیں کہ پھر انہیں کوئی سلا نہ سکے....

جنگ طرابلس نے زمین تیار کی، در تقسیم بنگال کی مسوخی نے اس میں بیج ڈرا، اب پانی کی ضرورت تھی جو بہت سے اور آفتاب کی ضرورت تھی جو گرمی پہنچائے۔ پس جنگ بے قاع نے بارشِ خونیں سے سیراب کیا، اور اس کے بعد ہی پھیلی بازہر کا پنور کے افق پر آفتابِ منہالم نے سرِ آفتاب اور ہر کر اپنا چہرہ

لالہ گوں دکھلا دیا۔ یہ سب کچھ اس بیچ کی پرورش کے لئے کافی تھا، لیکن کیا کیجئے کہ دہقان کی غفلت بھی شدید تھی اور دزدانِ زراعت سے کمین گاہیں بھی خالی نہ تھیں۔ پس ضرور تھا کہ خود قدرتِ الہی ہی ان کا سامان کرتی، اور جس پانی کے بر سے بغیر یہ بیج بار آور نہیں ہو سکتا، اس کی آبپاشی نہ کرتی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور زمیندارِ پریس کی غلطی سے اس بارشِ نشوونما کی ابتدا ہو گئی ہے۔ . . .  
 میرے دوستوں کو معلوم ہے کہ میں شخصانہ <sup>بہت سی کمزوریوں کا نہ صرف شاکی، بلکہ واقعی طور</sup> پر سالم و متاثر ہی تھا۔ میں اس کی طرزِ تحریر و اثاثہ مضامین کو پسند نہیں کرتا تھا۔ مجھے اس میں بہت زیادہ عامیت اور ساقبت نظر آتی تھی۔ . . . اشخاص کی بحث کے انہماک کو میں پسند نہیں کرتا، اور چاہتا ہوں کہ ہر شخص نکتہ چینی و احتساب کی بنیاد پر اھول کے قطر پر رکھے۔ . . . زمیندار میں اشخاص کا مسئلہ قدرِ اعتدال سے گزر گیا تھا اور بسا اوقات جس عایانہ و سو فیانہ انداز میں دادِ طرانت دی جاتی تھی اس سے اجبار میں پبلک کے مذاق کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔

بعض مسائل کے متعلق اس کی غلطیاں بھی شدید تھیں۔ مسئلہ کانپور کے فیصلے پر جس طرح اس نے خوشی ظاہر کی، اور جو مضامین لکھے انھوں نے فیصلے کی صورت اصل کے خلاف ایک دوسری صورت لوگوں کے ذہن میں پیدا کر دی۔

اس کے مقامی اور معاہرانہ نزاعات بھی ہمیشہ مجھے دکھ پہنچاتے رہے۔  
 تاہم اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اس کی نیکیاں اس کی غلطیوں سے زیادہ تھیں۔ . . .  
 وَإِنَّمَا الْإِنْسَانُ لِرَبِّهِ خَاسِرٌ . اور نیکیاں ہر ایسوں کو محو کر دیتی ہیں۔

روزانہ زمیندار کی اشاعت سے پہلے جب <sup>نوروز</sup> رجبی صرف طبقہ خواص میں محدود تھی، اور عام بیداری و احساس کے پیدا ہونے میں یہ ایک ایسا ماتِ عظیم تھا جس کی وجہ سے کوئی تحریک اور کوئی آواز عام قوت و اثر پیدا نہیں کر سکتی تھی۔ جنگِ طرابلس نے قوم کے تمام طبقات کو خبروں کا شائق بنا دیا، اور زمیندار کی عام مقبولیت شروع ہو گئی۔ اس کی اشاعت میں میں ہزار روزانہ تک پہنچی، اور اس کی اردنی اور عام فہم ہونے نے اسے عام دکانداروں اور بازار کے بیٹھے والوں تک پہنچا دیا۔ ہر شخص جو اردو عبارت پڑھ سکتا ہے



علی الصباح اس طرح زمیندار کا خواہشمند ہوتا تھا، گویا یورپ اور امریکا کا ایک تعلیم یافتہ عادیانہ کے وقت مطالعہ اخبار کے لئے بے قرار ہے۔ اس نے گواند میں ہندوستان کے معاملات کے متعلق کچھ نہ لکھا اور مسلمانوں کی سیاسی حالت پر بھی کوئی توجہ نہ کی، تاہم اس نے جن جن معاملات کو لکھا، آزادی اور جبرأت کے ساتھ لکھا، اور اپنے پڑھنے والوں میں یقیناً زندگی کی ایک روح پیدا کر دی۔

اس کے بعد حالات میں مزید تغیرات ہوئے، اور زمیندار نے بیرون ہند کے اسلامی مسائل کے علاوہ ہندوستان کے سیاسی مسائل ... کے متعلق بھی لکھنا شروع کیا، گو اس سے بے اعتدایاں ہوئی ہوں، لیکن اس میں شک نہیں کہ اہم ہوا اس نے ہمیشہ آزادی کے ساتھ اظہار خیال کی سہی کی۔

وہ رزنامہ تھا اور مشرق فروخت ہوتا تھا، ایک پیسہ یا دو پیسے کے ہر شخص اسے خرید سکتا تھا۔ گزشتہ دو سال کے تغیرات و حالات نے خود بخود اسے بقیوں عام بنادیا تھا، قوم کے ہر طبقے میں رزنامہ پڑھا جاتا تھا۔ ان تمام اسباب کی وجہ سے وہ ایک بہت بڑی قوت تھی جو حسن اتفاق سے پیدا ہو گئی تھی، اور ایک ایسا وسیلہ وجود تھا جس کے ذریعہ ہر رزنامہ نویس مسلمانوں کے اندر ایک وقت زندگی پیدا کی جاسکتی تھی۔ اس قسم کے وسائل بروقت حاصل نہیں ہو سکتے، اور تغیرات و حوادث کا موسم ہمیشہ رہا کرتا ہے۔

پس زمیندار کا بندہ ہونا فی الحقیقت مسلمان بننے کے لئے ایک عظیم ضابطہ ہے، اور تمام قوم خدا شہ اس غفلت کے لئے جوابدہ ہے جس نے حریف قومی پنجہ کو اپنا کرنے کی فرصت دی، اور پھر اس کے لئے بالکل خاموش اور مردوں کی سی بے حسی گوارا کر لی۔

پھر کوئی ہے جو اس غفلت موت آور، اور اس سرشاری موسم، میں سکون موت اور اس میں السحر باطل کے پردے کو چاک کر دے؟ فاین شرف کا لکھا، "ہر وہین مجھ مسلمان؟" ہاں فقد اس میں کلی ذلت؟، ام علی قلوب، قضاہ؟

بال بکشا و غیر از بحر طوبیٰ زن جنت، شد جو تو مینے کرا سیر نفسی

میں آفت خیر انہی بعد بندرت ہوں، و ہر شخص کو جنت کا دروازہ زندگی کی خواہش اور حاصل کر دیتا ہے کے ضابطہ نہ ہونے کا خواہشمند ہے۔ اپنے دن کے روز در دھ کی توار میں دعوت دیتا ہوں کہ غفلت و سرشار

کا، اور زیادہ یقین نہ لیں اور اس موقع پر زمیندار کے مسئلہ کو موجودہ تحریک کے قیام کے حقیقی مسائل میں سے سمجھیں۔ اس زبان و قوت سے جو خدا نے دی ہے حیف ہے اگر آٹ کام نہ بنا جائے۔۔۔۔۔ یہ کوئی وفاداری یا غیر وفاداری کا سوال نہیں ہے، یہ باغیانہ کجی ٹیشن یا شور شرعہ کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ محض ایک قانونی مسئلہ ہے ایک جاہلانہ قانون کا نفاذ و عمل اور بعض گورنمنٹوں کے ناعاقبت اندیشانہ اقدامات کے خلاف قوت حق و عدل کے ساتھ احتجاج کرنا ہے اور بس۔۔۔۔۔

آن علی الامعان سیری بیکار کہ اگر مسلمان اپنی زندگی کے دنوں سے ہاتھ نہیں دھو چکے، تو انہیں چاہیے کہ زمیندار کے مسئلہ کے متعلق پورے اتنی دلچسپی جو شکر بابر قادری اور باہن لڑتی ہیں، اپنی ہمدائیں بند کریں، اور اس وقت تک دم نہ لیں جب تک کہ اس منسٹی کے حکم پر نظر ثانی نہ کی جائے۔۔۔۔۔ مسئلہ کا پورے بعد عام طور سے خاموشی چھا گئی تھی۔۔۔ زمیندار پر بس کن منسٹی کا واقعہ دنیا قدم ہے جو سکون کے بعد بے پنی پیدا کرنے کے لئے اٹھایا گیا ہے: وَلَا تَقْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ دلوں کا طوفان صہب کسی اجار کے دفتر میں نہیں ہے جس کے بند کر دینے کے بعد انصاف ہو جائے گی۔ اگر حق و صداقت کی پیدا کی ہوئی زندگی چند پرسیوں کے بند کر دینے کے بعد مر رہا سکتی ہے، تو بہتر ہے کہ اس کا بھی تجربہ ہو جائے۔

(۶)

ہندستان میں پریس کی اشاعت و تردید پر ایک ہمدی سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے۔ ۱۹۵۸ء کی چھپی ہوئی کتاب میرے پاس موجود ہے۔ اس حصے میں صہب اجارات و مسائل اردو زبان میں نکلے، اور نئی تعلیم کی اشاعت نے نئے قسم کے کاموں کا ذوق بھی ایک بڑے دین حق میں پیدا کر دیا۔ لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ پورے سو برس کے اندر ایک پھیڑی سے تھوٹی منہ بھی اس کی نہیں مٹی کہ یورپ کے نرئی یافتہ نوٹنے پر کوئی عہدہ سالہ اندر ہو گیا۔ لیکن ہن اردو میں کچا رنگ ہو، وراس کی ایک کام کو شش ہی چند دن کے لئے کی گئی ہو۔

روزہ نہ اجارت پر بھی سلسلہ نوں کو توجہ نہ ہوئی۔ زیادہ تر تردیدیں فقہ کے اجار لکھے گئے، اور انہی پر سب نے

۱۹۵۹ء ۱۴/۱۲/۶۱ء ۲۸ جنوری ۱۹۵۹ء

تذاعت کرنی۔ یہ تو ماہوار علمی و ادبی رسائل نکلنے جن میں رسالہ حسن حیدر آہ، واد اور پادری رجب علی کے پنجاب  
ریویو کو ششما کر دینے کے بعد اکثر کی غماست میں چالیس صفحے سے زیادہ ہوتی تھی، یا پھر ہفتہ وار اخبارات  
نکلے جو زیادہ تر پنجاب سے شائع ہوئے اور دو چار پریسوں نے ہفتہ میں دوبارہ نکالنے کی بھی کوشش کی۔

پھر ان کا یہ حال تھا کہ یورپ کے پریس کی طرح کوئی صحیح تقسیم پیش نظر نہ تھی۔ کبھی ہفتہ وار سے  
روزانہ کی تار برقیوں اور دنیا بھر کی خبروں کے اکٹھا کر دینے کا کام لیا جاتا تھا، اور کبھی ان میں ہفتہ وار  
جنرل اور میگزینوں کی تقلید کر کے چند یا کئی مضامین لوگوں سے لکھو، کر شائع کر دے جلتے تھے یا خریداروں  
کی دلچسپی کے لئے کوئی ناول شروع کر دیا جاتا تھا سب سے بڑی چیز خود ایڈیٹریں اور اسٹاف کی تلاش  
و محنت ہے۔ مگر یہ چیز اردو پریس میں ہمیشہ سے معذور رہی۔ ایڈیٹری کا مفہوم اس سے زیادہ نہ تھا کہ باہر کی  
بھی برقی مراسلات کو ایک ترتیب فراہم کے ساتھ کاتب کو دیتے ہاں، درجہ صفحات ختم ہو جائیں تو ابتدا میں  
ایک دو کالم لکھ کر شائع کر دینا۔ یہی حال ہفتہ وار اخبارات کا تھا اور یہی ماہوار رسائل کا۔ مجھے ایسے اخبارات  
اور رسائل کا حال بالکل نہیں معلوم جن میں خود ایڈیٹریاں اور اسٹاف اول سے آخر تک مضامین لکھتا  
ہو یا جن میں اہتمام سے لکھوائے جانے ہوں۔ اخبار اور رسائل کا ایک علمی یا ادبی معیار ابتداء سے قائم کر لیا اور  
پھر ہر ہفتہ انہیں چیزوں کو درج کرنا جو ان کے مطابق ہوں، اس کا تو شاید خیال بھی بہت کم لوگوں کو  
ہو ہو گا۔ (تہذیب الاخلاق میں بحث سے مستثنیٰ ہے) .....

... پس جو کہ پوری ایک صدی کی حیات طاعت و صفات میں کوئی بڑی سے بڑی جماعت اور  
کپنی نہ کر سکی ہے، لہذا انہوں نے کمالاً علی اللہ محض ایک فرد و عہد کے دس و دماغ اور تنہی اسباب و مسائل  
کے ساتھ یکایک شروع کر دیا، اور اس حالت میں شروع کیا کہ تو سرمایہ کے لئے کوئی مشترکہ کپنی تھی،  
نہ منظم بازار دے کے کوئی جماعت نہ تو ایڈیٹریں شائع کئے ہیں قلم کی اعانت میسر تھی، اور  
نہ ملک میں، رباب تصنیف و تالیف کا کوئی گروہ موجود، جو یورپ کی طرح اعلیٰ درجہ کے مترجم  
سے مدد لینے کے لئے اس ہو۔ ... کیسے ہی قوم سے خالص دینی افکار و جذبات کے مباحث و مقالات  
بھی لکھے جاتے تھے سیاسی مسائل و معاملات پر بھی بحث ہوتی تھی، دینی و نشانی مضامین بھی ترتیب پاتے



تھے، علمی ابواب و تراجم کی بھی فکر کی جاتی تھی، اور ان سب میں اپنے امداد و مخنہوں اور میاں کا بھی قائم رکھنا ضروری تھا۔

پھر ایک خاص مقصد دینی اور دعوتِ اسلامی کا اعلان بھی اس کے کمرِ پیش نظر تھا، اور اپنے سیاسی مقصدات کی وجہ سے جو اس کے عقیدے میں اس کے ہاتھیں دینی مقصدات تھے، طرح طرح کے موافق و مہائب سے بھی ہر آن دہر لکھ چھوڑ رہنا پڑتا تھا۔۔۔۔۔

... جب کبھی اہلال کے کاموں پر نظر ڈالی بھی گئی تو ہر طرف دعوتِ دینیہ کے اجاڑی کا تذکرہ کیا گیا۔ ... حالانکہ اس کی حیثیتیں متعدد اور اس کے اثرات بے شمار تھے۔ وہ اجاڑ تعلیماتِ ہادقہ اسلامیہ کا داعی تھا، اسلام کی سنتِ حریت کی تجدید اور جہادِ حق و عدالت کی طرف بلاتا تھا، علم و ادب اس کا موضوع خاص تھے، طرزِ تحریر، مقالات و انشائے فصول و رسائل میں وہ ایک اسلوبِ جدید اور اندازِ نو رکھتا تھا، اس نے اردو فنِ صحافت کی ہر شاخ میں اپنی راہِ حسیہ الگ نکالی تھی، اور اھولی باتوں سے لے کر چھوٹی چھوٹی جزئیات تک میں دوسروں کی تقلید کی جگہ وہ خود اپنا نمونہ دوسروں کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا۔۔۔۔۔

(۷)

آج دنیا میں بڑے بڑے کام انجمنوں اور کمپنیوں کی صورت میں انجام دئے جاتے ہیں۔ لیکن تجربہ شاہ ہے کہ مسلمانوں کو اب تک یہ اہلی طریقہ عمل راس نہ آیا۔ اس وقت تک علمی اور قومی خدمات کے لئے جس قدر انجمنیں قائم ہوئیں، تجارتی کاموں کے لئے جس قدر کمپنیاں بنائی گئیں، سب کا نتیجہ یا تو شکست کار اور برہمی صحبت نکلا، یا گو کسی نہ کسی طرح قائم رکھی گئیں، لیکن ان کا وجود دم سے زیادہ مفید نہ ہوا۔۔۔۔۔ پس اس بنا پر ایک عرصے سے اس عاجز کا یہ خیال ہے کہ بڑے بڑے ارادوں کو ترک کر کے سہ دست صوفیہ کرنا چاہیے کہ ہر شخص اپنے مقدر اور امکان کے مطابق اپنے لئے ایک دائرہ عمل بنالے، اور جس قدر شخصی طور پر کرسکتا ہے بغیر اور لوگوں کے وقت اور مال کی ذمہ داری اپنے سر لئے، کرنے کے لئے مستعد ہو جائے اپنا معاملہ خود سے رکھے، اور اپنی نعمتوں کو درست رکھنے کے لئے نفس سے برسرِ پیکار ہو جائے، عجیب نہیں کہ

اشخاص کی سنی جماعت اور قوم کے لئے مجموعی طور پر جماعتی کاموں سے زیادہ مفید ہو جائے، اور درحقیقت دنیا میں بڑے بڑے کام سمجھوں ہی نہ کئے ہیں، جماعتوں نے نہیں کئے ہیں۔

جس کام کو میں نے شروع کیا ہے یہ اسی خیال کی عملی صورت ہے، میرے پاس دولت نہیں ہے اور تندرستی اور طویل عمر کے لئے کوئی ذریعہ علم بھی نہیں، نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا، تاہم اعتمادِ اشراف، تھوڑی سی امید اپنی نیت سے، اور یہ وعدہ الہی ہر ذلت پیش نظر ہے کہ: اِنِّیْ لَا اُضِیِّعُ عَمَلًا عَابِلٍ مِّنْکُمْ مَّنْ ذِکْرٍ وَّ اِنِّیْ رَمِیْتُ کَمِیْسًا لِّیْ سَیِّئًا مِّنْکُمْ مَّنْ ذِکْرٍ (۱۹۳: ۳)

انسان کے قلب و ذہن پر بہت سی باتیں ایسی گزرتی ہیں جن کو وہ مریات و حیاتِ مادیہ کی طرح دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، مگر اس کو وہاں سے بہت نہیں کر سکتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ دنیا میں غلوں و مہدافت اور سچی توکل ایک ایسی طاقت ہے کہ جو کبھی ضائع اور برباد نہیں ہوتی، گو اس کے لئے میں کوئی دلیل حتیٰ نہ پیش کر سکوں مگر میرا ولیِ افغان اس کو ایک قانونِ الہی کی صورت میں دیکھتا ہے اور اس پر اس سے کم یقین نہیں رکھتا جس قدر آپ کو آگ کے جلانے اور پانی کے ڈبانے پر ہے: وَ لَنْ یَّجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ مَبْدُیًّا۔ کہ نہیں سکتا کہ جس دن سے میرا دل اپنی نیت اور مقاصد کے متعلق مطمئن ہو گیا ہے اس دن سے ایسی مطلوب نہ ہونے والی طاقت بخشنے والے نے جکڑ بخش دی ہے، البتہ مضطرب ہوں کہ میری نیتوں کو رب کریم آزمائشوں میں پڑنے کے بعد پاک و صاف رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ ہے نہر کی اشاعت کو تین ماہ سے زیادہ کا زمانہ گزر گیا۔۔۔ الحمد للہ کہ توفیقِ الہی کی اعانت سے اب وقت آگیا ہے کہ ان کاموں کی طرف متوجہ ہوں۔ وہ کام کون سے ہیں؟ مختصر لفظوں میں اگر اشارہ کرنا چاہوں تو عرض کر سکتا ہوں کہ: اپنے اسکان اور مقدر کے مطابق احیاء دعوتِ الہی اور خدمتِ علم و دین کے لئے ایک باقاعدہ اور منظم ادارہ عہدہ کایم، والسعی منی، وکالاتام من اللہ تعالیٰ، میں سچ میں آواز بلند کرتا ہوں کہ میں انصاری علی اللہ۔

(۸)

مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ : الْحِزْبُ لِلَّهِ : أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ لَهُمُ الْعَالُونَ :  
”ستور العمل“۔

الْمُتَّقِينَ الْعَابِدُونَ الْمُحْسِنُونَ السَّاجِدُونَ الْمُسْتَخِرُونَ  
بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَلَبَّيْكَ يَا مُؤْمِنِينَ (۱۹۳:۹)

ذوالہلال جلد ۲ شمارہ ۲۳-۳ دسمبر ۱۹۱۳ء

وَالْعَصْرَ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَّصُوا بِالنَّحْيِ  
وَتَوَّصُوا بِالْأَمْرِ... یہ ہے جماعت حزب اللہ کا مقصد و جہد ” (۲۴ دسمبر ۱۹۱۳ء)

تھرف وہ ایک ہی تحریک حق و صداقت جو مسلمانوں کو ان کی حیات انفرادی و رقی کی برکات  
میں مسلمان بننے کی دعوت دے۔ ۲ جولائی ۱۹۱۳ء

... حزب اللہ کے مختلف مارج اور جماعتوں میں ایک جماعت الساجدین العابدون الکی ہے ...  
یہ محض وعظ و فرشی کی بساط تہارت بچانے و ادا کوئی گروہ نہ ہوگا ... جبکہ جماعت دعا و سیاست میں مقصود  
ایسے ارباب صدق و خلوص ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ اپنے کاموں اور اپنی پچی اور راست بازانہ زندگی میں قوم  
کے لئے ایک نمونہ ثابت ہوں گے۔ وہ مجاہدین نبی سبیل اللہ کا گروہ ہے جس نے اپنی تمام بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے  
اعلیٰ دینیوی امیدوں اور توقعات و تعلقات سے کنار کش ہو کر اور لذائذ و نعمات حیات کی انگلیوں اور خواہشوں  
سے دل کو صاف کر کے اپنی پوری زندگی خدمت دین و ملت کے لئے وقف کر دی ہے، اور اللہ اور اس کے  
ملائے مقررین کو اپنی قربانی اور جہاں فرشی کے عہد و میثاق کا گواہ قرار دیا ہے۔ وہ نہ تو دنیا کے طالب ہو سکتے  
ہیں اور نہ دنیوی عذوبہ و ہوا کے خواستگار ... وہ اللہ کی رضا اور اس کے کلمہ حق کی خدمت کی راہ میں سیر و حسیات  
کریں گے اور تمام رفعتیں اور مصیبتیں جو اس راہ میں پیش آئیں گی، انہیں خوشی خوشی برداشت کریں گے۔ کیونکہ  
یہی وہ کلمہ ہے جن کی تلاش میں انہوں نے پھولوں کو چھوڑا ہے اور یہی وہ درد و بے قرار سی ہے جس کی محبت میں  
انہوں نے آرام و راحت کی زندگی کو اس کے دشمنوں کی طرح تھکرا دیا ہے ...



دو نفیروں کی طرح نکلیں گے، دیوانوں کی طرح آوارہ گردی کریں گے... وہ قرآن کریم کا درس دیں گے،  
 حدیث نبوی کی تعلیمات بیان کریں گے... ذکر میلاد کی مٹھوں میں مود پڑھیں گے... ضرورت پڑے گی تو وہ  
 بیماروں کے شب باش تیمار دار، غمگینوں کے لئے باغدادی خادم... بچوں کے لئے مفت کے معلم، غریبوں کے لئے ہر حال میں  
 مسلمانوں کے خادم اور مخدوم دونوں ہوں گے...

۱. جات لفظوں میں ان کا مقصد یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے دینی اعتقادات و اعمال  
 کی اصلاح و ترویج اور انہیں اعتقاداً اور عملاً ایک سچا مسلمان راسخ الاعتقاد مومن اور اولوالعزم و بلند ارادہ  
 مجاہد فی سبیل اللہ بنانے کی سعی کرنا اور مسلمانوں کے عام طبقات کے اندر تمام معلومات ضروریہ اپنے وعظ و  
 بیان سے پیدا کرنا جو ایک عالم اور صاحب فہم شخص کو از روئے علم و کتاب حاصل ہیں...

(۹)

مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے تمام کاموں کی بنیاد تعلیم الہی پر رکھیں، نہ کہ نفس کسی ترقی یافتہ قوم کی تقلید  
 و اتباع پر نہ محض اخذ تحصیل تمدن و سیاست و وطنیت پر۔

اسلام کی اصلی منزلت و فضیلت یہ ہے کہ اس نے ہر طرح کی صداقتوں کو خدا کے رشتے سے منسلک کر دیا ہے،  
 اور ہر عمل صحیح و حق کو جو اس آسمان کے نیچے کیا جائے، اس کے نزدیک خدا کا کام اور اس کی عبادت ہے۔ پس  
 ہر مسلمان کو صداقت کا عاشق، حقانیت کے لئے مضطر، عداوت کا ننگراں اور حریت کا پرستار ہونا چاہیے، کیونکہ وہ  
 مسلمان ہے اور مسلمان وہی ہے جو اللہ کی رضا کے لئے ہر طرح کا دکھ اٹھائے اور اللہ کی رضا اس کی راست بازی  
 اور حق و عدل کی میت میں ہے...

جو مسلم اس کی راہ میں مجاہد ہو، وہ اس کے بخشے ہوئے ثقب کا بھی مستحق نہیں... جہاد فی سبیل اللہ  
 کے معنی یہ ہیں کہ ہر طرح کے ظلم و تشدد، معاویہ و ذنوب، اور شیطان و فساد کے پیدا کئے ہوئے غزور باطل  
 سے انسانیت کو نجات دلانے کے لئے اپنی تمام قوتوں سے کام لینا اور اس راہ میں ہر طرح کا جہاد اور فہمی  
 رکھنا، حتیٰ کہ سولی کے تختے اور جہاد کی تیغ کی برش کو بھی اس کی خاطر گوارا کر لینا...

۱۰. لہذا ۱۰: یکم جہاد کی سند

مسلم و مومن وہ ہے جو اللہ کے رشتے کو تمام دنیا کے رشتوں پر ترجیح دے۔ پس کسی ہستی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اسلام کی مدٹی ہو اور ساتھ ہی خدا کو چھوڑ کر دوسرے رشتوں کی گردید ہو جائے۔ خدا کا رشتہ اس کی سچائی اور عدالت کی محبت میں ہے۔ جو حق کو پیار کرتا ہے وہی خدا کو بھی پیار کرنے والا ہے: وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ۔

اسلام نے توحید کا سبق پڑھایا۔ توحید کی تکمیل کے معنی یہ ہیں کہ انسان تمام انتہائی قوتوں اور اطاعتوں اور فرمانبرداریوں کو صرف اللہ کے لئے مخصوص کر دے اور ان میں کسی کو شریک نہ کرے۔ بس چند انسانوں کو اپنا بند بنانے کے ہر حکم کی بلاچون و چرا تعمیل کرنا یا گورنمنٹ اور حکام کی ہر خواہش کے آگے راگرمہ و حق و عدالت اور صداقت و حریت کے منافی ہونے سے گریز کرنا۔ ایک ایسا شرک جلی ہے جو توحید کے ساتھ جتن نہیں ہو سکتا۔ اسلام کا عقیدہ توحید انسانی حریت و آزادی کا سرچشمہ حقیقی ہے کیونکہ جو صرف خدا کے آگے جھکے گا، ممکن نہیں کہ وہ انسان اور انسانوں کے غرور پادشاہت و حکومت کے آگے ذلت عبودیت سے سر بسجود ہو۔ ان الحکم الا للہ پس مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے اندر عبودیت الہی کی اہل حقیقت پیدا کریں، اور کوئی روح خدے تگے زفا دار نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ ان تمام قوتوں سے یکسر باغی نہ ہو جائے، جو خدا کی صداقت اور اس کی مرضات کے خلاف ہیں۔

ملک و انسانیت کی خدمت آزادانہ حیات سیاسی و ملی کا حصول اجد و جہد و تربیت، اور جو زخمی و بیمار حکومت کے جہل کرنے کے لئے، قاعدہ مساعی۔۔۔ یہ تمام مقاصد صالحہ اگر دوسری قوموں کو بر بنائے جذبہ قومیت و عزیز ہیں، تو ہر قائل کلا توحید کو نہ بیا و دنیا محبوب ہونا چاہئیں۔ پس عزت و مجد اسلامی کا متقاضی یہ ہے کہ ان تمام میدانوں میں سمن سب آگے ہوں، نہ کہ سب پیچھے و غیروں کے خوشہ چیں، و ان العزۃ للہ و للرمولہ و للمومنین۔ ہاں ایک اہل الاصول ہے جو اس دولت کو ہنگامہ سبائی سے و تہمتی سے الگ کرتا ہے یعنی ان تمام چیزوں کو صرف اللہ کے رشتے و اس کی مرضات کی متابعت کے تعلق سے جہل کیا جائے نہ کہ محض تعلید اقوام و جماعت۔ اور اس لئے سب سے پہلے عمل یا اسلام کے جس۔ لتیں کو پکڑو، کہ اس کے نتائج حقیقی سے ہمکنار ہو۔ و العاقبۃ للسفین۔





”الہلال ہنرے روزیہ دل ہی سے ایک ہی راہ اختیار کر لی ہے... یعنی ”دعوت الی القرآن“ یا ”امر بالمعروف  
نہی عن المنکر“

”ابلاں“ کوئی سیاسی اجندا نہیں ہے بلکہ ایک دینی دعوت اصلاح کی تحریک ہے جو مسلمانوں کے اعمال  
میں مذہبی تبدیلی چاہتی ہے... ابلاں اپنے بزیاں کو خواہ وہ کسی موضوع سے تعلق رکھتا ہو، محض اسلامی امور کو  
کے ماتحت ظاہر کرتا ہے۔“

یٹس نے ستمبر میں ایک اردو جرنل ”الہلال“ جاری کیا... یہ امر واقعہ ہے کہ ابلاں نے تین سال کے  
اندہ مسلمان ہند کی مذہبی اور سیاسی حالت میں بالکل نئی حرکت پیدا کر دی... ابلاں نے مسلمانوں کو تعداد  
کے بجائے ایمان پر اعتماد کرنے کی تلقین کی اور بے خوف ہو کر ہندوؤں کے ساتھ مل جانے کی دعوت دی۔  
اس سے وہ تبدیلیاں رونما ہوئیں جن کا نتیجہ آج متحدہ خلافت و سوراج ہے۔ پورے کریم کی ایسی تحریک  
کو زیادہ عرصہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے سپہ ابلاں کی نہایت ضبط کی گئی، پھر حزب ابلاں کے نام  
سے دوبارہ جاری کیا گیا تو ستمبر میں گورنمنٹ آف انڈیا نے مجھے نظر بند کر دیا۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ ابلاں  
تمام تر رادھی یا موت کی دعوت تھی، اسلام کی مذہبی تعلیمات کے متعلق اس نے جس مسلک بحث و نظر کی بنیاد ڈالی  
اس کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے، صرف اس قدر اشارہ کروں گا کہ ہندوؤں میں آج بھاتا کا مذہبی  
زندگی کی جو روح بیدار کر رہے ہیں، ابلاں اس کام سے ستمبر میں غارت ہو چکا تھا۔“

(۱۱)

تو اسے کہ جو سخن گسترانِ پیشینی  
بہاںش منکر غالب کہ در زمانہ تست

ابلاں تمام عالم اسلامی میں پہلا بیفتہ وار پیر ہے جو ایک ہی وقت میں دعوت دینیہ، سلامیہ کے  
اجرا اور مس قرآن و سنت کی تجدید، عقائد مجمل، تدرائیں و وحدت کے مست مرحومہ کی تحریک سان کا  
اور نیز مقامات علمیہ و فنیوں ادبیہ و منہا میں دین و سیاست و تعلیم کا معرور و مرجع مجموعہ ہے۔ اس کے  
درس قرآن و تفسیر و بیان حقائق و معارف کتاب اللہ، حکیم کا اندازِ مضمون و محتاج تشریح نہیں۔ اس کے

۱۵ ابلاں، ۹ جولائی ۱۹۹۹ء، ایف ۲ راتیر ۱۹۹۹ء، ۱۵ جولائی ۱۹۹۹ء، ۱۵ جولائی ۱۹۹۹ء۔



نازیم فریب صلح کہ غائب نہ کوئے دست  
اکام رفت و خاطر امیدوار بود  
بالآخر وہ ڈیپوٹیشن جس کا تذکرہ بعض اخبارات میں شروع ہو گیا تھا، دہلی مارچ کی سپر کورٹ پر ایک سنسی  
لارڈ ہارڈنگ کے سامنے پیش ہوا۔

تہوں کی دید کو جتا ہوں یہ کہہ کر قائم  
مجھے کچھ اور ارادہ نہیں خدائے کرے  
ایک منہل ایڈریس کے ذریعہ مسلمانوں کی امن پسندی اور وفاداری کے سیاق قدیم کی زبان معترف  
اور سیرا طاعت کے ساتھ تجدید کی گئی۔

یقین عشق کن و از سرگماں بر خیز

ایڈریس میں اس کے سوا اور کچھ نہ تھا، اور ہونا بھی نہیں چاہیے تھا۔

جز مسجد: متاع دیگر از کس نہ پذیر دست  
خاکے کز نقش قدم او اثر سے داشت  
... مولانا فیض الحسن مرحوم عربی کے ادیب تھے، اور دوسرے شاعر تھے، تاہم کبھی کبھی اچھے شعر کہہ جاتے تھے۔ ایک  
ان کا یہ معاملہ شعر مجھے نہیں بھوتا:

پہلے ہی پنی کون سی تھی قدر و منزلت  
پر شب کی غمتیں نے ڈوب دی رہی سہی

ایڈریس میں بنیاد کار یہ قرار دی گئی تھی کہ مسلمان اپنے کاموں میں مصروف تھے، یکایک ٹرکی کے مصائب  
پیش آگئے۔ اس سے ان کے حواس مفل اور دل بے تاب ہو گئے۔ یہ بڑا نازک وقت تھا اور:

ہست اس قصہ مشہور و تو ہم فی دانی

لیکن ہاں ہمہ اخلاص و اس... وند داری و راحت کشتی کی جس ایتن ن کے ہاتھوں سے نہ چھوٹی۔  
... جواب میں ارشاد ہوا کہ ہاں پکے ہے... البتہ جو کہیں کہیں سخت الفاظ بھی استعمال کئے گئے تو اس عرض یہ زور  
قبولیت خسروی سے اسے مشتقی کر دیجئے۔ ایسا نہ ہوتا تو بہتر تھا کہ جینے بخودیت کے لئے یہ حرف گراں بھی سخت تھے۔

نیمہ صبح جہ چھوڑے رنگ ہو میلا

یہ ایک واقعی بات تھی جو ایڈریس میں کہی گئی، لیکن اگر آپ چاہتے تو دوسری پجائیوں کو مددہ پہنچائے بغیر





جس پر اسلام کی عمارت قائم کی گئی ہے، مگر خدائے واحد کی وفاداری نہ کسی اور کی۔ البتہ مسلمانوں کو امن پرستی اور حق کے تحفظ کے ساتھ اطاعت کبشی کا حکم مثل اور صد با جزئی اور عام اخلاقی احکام کے دیا گیا ہے، مگر نہ تو یہ اسلام کا کوئی بنیادی عقیدہ ہے اور نہ عقیدہ توحید کی حرمت اس کو گوارا کر سکتی ہے کہ خدا کی وفاداری کے ساتھ اس کے بندوں کی وفاداری کا ذکر کیا جائے۔

منہ مد دل یا نذر راہ۔

نَحْنُ لَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ ۝

ابجہاد، ابجہاد! — ابجہاد فی سبیل اللہ — انفسوا خفا فاد ثقلًا

وفاداری، اور بغاوت، دونوں کا وقت آگیا — وفاداری گورنمنٹ سے اور بغاوت مفسدین سے

فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا اللَّهَ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (۲: ۱۷۰)

کسی سے مت ڈرو، اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

کمال توجہ پیش پیش ہو کر

اس وقت ہے وہ دجا بابت کا وقت میر

سے یاران محبس؛ بہت سے ملک اور آقا جان لینا

يَا صَاحِبِي السَّجْنِ : أَوْ زَيْبٌ مَّفْرُوقٌ

چاہے یا کسی ہی خدا کے تہا کے آگے جس، تم

حَاضِرُكُمْ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ مَا

جو اللہ کو تھوڑا کر اور مسجودوں کو پوج رہے ہو، تو

تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أُمَمًا ذَلَّتْ بِهَا

یہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ چند نام میں جو تم نے اور

أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ بِقَائِمٍ

تمہارے پیش روؤں نے گھڑے ہیں حال کہ خدا نے

مُطَّانٍ، إِنَّ أَكْثَرَكُمْ لَا يَشْعُرُونَ

تو اس کے لئے کوئی سنجیدگی نہیں ہے مگر ہوتی ہیں کرو

تَعْبُدُوا إِلَّا آيَةً، ذَالِكِ الدِّينِ، لَقِيمٌ

کہہ رہا ہیں میں حکومت صرف میں ایک خدا کے لئے

وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

ہے۔ میں نے حکم دیا ہے کہ صرف اسی کے تگے تھوڑے ہیں

۱۳۰: ۱۴

دین اسلام کا سیدھا سادہ ہے، لیکن اسے وہ گمراہ لوگ میں جو نہیں جانتے،

۱۳۰: ۱۴، ۱۳۰: ۱۴، ۱۳۰: ۱۴

جو ہونیو ادا ہے، اس کو کوئی قوم اپنی نخواست سے نہیں روک سکتی۔ یقیناً ایک دن آئے گا جبکہ ہندوستان کی ایسی انقلاب ہو چکا ہوگا، غلامی کی وہ پٹریاں جو اس نے خود اپنے پاؤں میں ڈال لی ہیں، بیسویں صدی کی ہوائے حریت کی تیغ سے کٹ کر گر چکی ہوں گی اور وہ سب کچھ ہو چکے گا جس کا ہونا ضروری ہے۔ فرض کیجئے کہ اس وقت ہندوستان کی ملکی ترقی کی ایک تاریخ لکھی گئی، تو آپ کو معلوم ہے کہ اس میں سات کروڑ انسانوں کی نسبت کیا لکھا جائے گا؟ اس میں لکھا جائے گا کہ ایک بد بخت اور زبوں طالع قوم جو ہمیشہ ملکی ترقی کے لئے روک، ملک کی فلاح کے لئے ایک بد قسمتی، راہ آزادی میں ایک سنگ گراں، چاکارہ طبع کا کھلونا، دستِ اجانب میں بازیچہ، لعب، ہندوستان کی پیشانی پر ایک گہرا زخم، درگزر نہت کے ہاتھ میں ملک کی سنگوں کو پامال کرنے کے لئے ایک پتھر بن کر رہی۔

اس میں لکھا جائے گا کہ ایک قابلِ رحم مگر مسخوڑ انسانوں کا گھنہ جس کے ہر فرد کو کسی زبردست کاہن نے اپنے منتر سے جانور بنا دیا تھا، جو اپنے بچانے والے آقا کے ہاتھ میں اپنی گردن کی رسی دیکھتی تھی، جسیں کوئی، انسانی ارادہ کوئی، انسانی دماغ، کوئی انسانی حرکت، اور کوئی انسانی زندگی کا ثبوت نہ تھا، جو نہ اپنے دماغ سے سوچ سکتی تھی نہ اپنی آواز سے بول سکتی تھی۔۔۔

اگر تم کہو کہ تاریخ ہند میں ہمارے لئے بھی شرٹ، غفلت کا باب ہوگا تو تم خاموش رہو، اور مجھ سے کہو کہ میں سے بڑھ دوں۔ بیشک ایک باب ہوگا، مگر جانتے ہو کہ اس میں کیا ہوگا، اس میں لکھا ہوگا کہ ہندوستان ملکی ترقی اور ملکی آزادی کی راہ میں بڑھا، ہندوؤں نے اس کے لئے اپنے سروں کو تمسلی پر رکھا، مگر مسلمان غاروں میں چھپ گئے، انھوں نے پکارا مگر انھوں نے اپنے منہ اور زبان پر قفل چڑھا لے، ملک غیر مستعانہ قوانین کا شاک تھا، ہندوؤں نے اس کے لئے جہاد شروع کیا، پر اس قوم جو ابہرے بھی نہیں کیا کہ صرف چپ رہے، کبہ مجنونا نہ چنچ اٹھے۔ تمام کام کرنے والے باغی ہیں۔ اس کے بعد تیوار مورث۔۔۔ لکھے گا کہ بالآخر وہ سب کچھ ہو، جو ہونا تھا، بیسویں صدی میں کوئی ملک غلام نہیں رہ سکتا تھا اور نہیں رہا۔۔۔ مین دنیا اور کھے گی کہ جو کچھ ہوا اس قوم کی سرفرازی سے جو جو مسلم نہ تھی۔ الہلال، ۱۳۱۱ھ

بیشک ہندوستان اپنے دروازے پر بڑے ہتے، جہازوں کو دیکھ چکے، جو اس کے عروج و قبوں کی بہار دیکھنے آئے تھے، لیکن شاید سید محمد رشید رضا میل سیاح تھا جو اس کے عروج و اقبان کی بہار بونٹنے کے لئے نہیں ملکہ دنیا و قریب کی غزب پر قدم کرنے کے لئے آیا تھا جس سرزمین پر سندر و شیر و قمر رکھ چکے ہوں وہاں اس غیر بے نو کا کیا



ذکر، لیکن ان کے ہاتھوں میں لمبیاں تھیں اور اس کے پہلو میں دل تھا، وہ انسانوں کو زخمی کرتے تھے اور اس کا دل خود دردمند سے زخمی تھا، اٹھ سو برس ہوئے کہ اسلامی شوکت و عظمت کا قافلہ وہلہ و فرات کے کنارے سے چلا مگر سرزمین ہند کی رشک عالم ہوا اسے اس نہ آئی اور گنگا اور جہنا کے کنارے لوٹا گیا، وادی نیل کا یہ سیاح آیا تھا کہ اس پر باد شدہ قافلے کی تپتی ہوئی نشانیوں پر دو چار آنسو بہائے اور اللہ سے پوچھے کہ تو نے وہ گنجائے گراںمایہ کیا کئے؟

یہ عجیب بات ہے کہ پچھلی صدی کے آخری نصف میں تقریباً تمام ممالک اسلامیہ میں اصلاح و تغیر کے نئے یکساں تحریکیں پیدا ہوئیں، مگر اس سے بھی عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ مختلف اسلامی ملکوں کی اصلاح و تجدید کی تاریخیں ایک ہی شخص سید جمال الدین، غفانی کے ظہور سے شروع ہوتی ہیں جو فی الحقیقت تاریخ اسلام کے سینہ آخرہ کا سب سے بڑا شخص تھا۔ خیالات و افکار کا پیدا کرنا آسان ہے، مگر خیالات و افکار کے بقا و قیام کے لئے شخص کا پیدا کرنا مشکل ہے۔ اور مصلح کسے لئے جن پیغمبرانہ اوصاف کی ضرورت ہے ان میں الدین وصف یہی ہے، سید جمال الدین کا اہل کارنامہ غیر غفانی یہ تھا کہ زمانہ نے خود اس کو کام کرنے کی مہلت بہت کم دی، لیکن وہ اپنے اندر ایسی قوت تخلیق رکھتا تھا کہ جہاں جاتا تھا اپنی تحریک کو زندہ رکھنے کے لئے نئے جمال الدین پیدا کر لیتا تھا۔

نفیقت اس لئے نہیں کی جاتی کہ موافقت کی صدائیں بند ہوں۔ بلکہ صرف اس لئے کی جاتی ہے کہ بان اور ضمیر کا حکم ہو جائے کہ ایسا کرو۔ کوئی سچی بات اس لئے نہیں ترک کر دی جاتی کہ لوگ اس کا استقبال نہیں کریں گے۔ سچ سچ ہے، اگرچہ تمام عالم میں ایک بھی اس کا دوست نہ ہو۔

البتہاں کی ترتیب اور دائمی مشغولیت کے لئے جس طرح ایک پوری جانگاہ اور رمانع پاش زندگی چاہیے اس کا اندازہ میرے دوستوں کو نہیں:

بخرام سوئے کلبہ احزاب من شبے تا بنگری کہ عشق تو با ما چه میکند

علا، بہتان، ہر ماہ پانچ ستمبر ۱۹۱۳ء، ایضاً، مارچ پری ۱۹۱۳ء، ایضاً، ۱۵ جولائی ۱۹۱۳ء



انی یا مانی

محمد حسین آزاد نے آب حیات میں لکھا ہے:

”شیخ مہوف نے لکھنؤ میں مہدائت گز کے، اگر اب تک یہ کسی تذکرے سے نہیں ثابت ہوا کہ وہ خود کس کے شاگرد تھے۔“

رتبہ حاشیہ ۲۲۹ (۱) غالباً ہی میں جنھوں نے شمار میں ہم رجب بروز پچیسہ وقت پہر ۱۳۰۱ھ طبعات الشعراء کا تذکرہ نسخہ نقل کیا ہے۔ وہ موقف تذکرہ سے اختصار ہی تعلقات رکھتے تھے جو شعر تذکرہ ہندی میں زمان کے نام سے درج ہے وہ طبقات میں خدائے نوب کی گیا ہے گردنوں ہی کی تصنیف ہوتا تو وہ شوق کو خرد اس کی طرف توجہ دلاتے۔ میرا خیال ہے کہ شعر بہ بحث و زنگس کے آگے ہے، ان زمان کا نہیں، اس کا مصنف حلیفہ خدائے ہی ہو سکتا ہے۔ شوق نے اس غزل کا دوسرا شعر بھی لکھا ہے۔

نسبت نہ دو گہر کو مرے آنسوؤں کے سنا  
ہر خید آہا ہے، ایسی ڈلک نہیں

(دورق ۲۷۶-الف)

ذات کے رونقاری شعر نسبت حضرت علیؑ میں یہاں درج کرنے کے قابل ہیں، مورخ محمد عبادت کلیم، مردوی

کا بیان ہے کہ ان کا مصنف زمان ہے۔

یہ بہ نصاحت، دوسے بہ سخاوت، دوسے بہ شجاعت نام تو انسر

بد میر مہر، بد لب کوثر، بد ویر خیر، درجہ و نسر

اندو ہرزہ، از تو ہرزہ، از تو ہرزہ، از تو ہرزہ

قصر دریدوں، گنبد گردوں، ختم فلاحوں، ستر سکندر

زبان کے لیے مخطہ ہوں، دریا بہر گار شعر، زار و تر جہا، از طبع احمد شائع کردہ ہندوستانی

ایڈیٹری، رتبار، ۱۹۳۳ء/۱۰۴

(۲) قدرت اللہ سمہ، مجموعہ نعرہ مرتبہ محمود شیرانی (۱) مورخ ۱۹۳۳ء، جلد اول/۲۸۵

(۳) شیفہ، مجلس بے غار نو لکھنؤ ۱۹۳۱ء/۹۳

لہ آزاد آب حیات، ۳۱۱



اس کے بعد ہاشمیہ میں اضافہ کرتے ہیں:

”سراپا سخن میں کھا ہے کہ امائی کے شاگرد تھے“

بعد میں آزاد کی تقلید کرنے والوں نے ہر جگہ امائی ہی لکھ دیا ہے۔ دراب یہ غلطی عام ہو چکی ہے۔ حتیٰ کہ مولوی امیر احمد علوی مرحوم نے اس میں اپنی طرف سے ”میر“ کا اضافہ کر کے اُسے خلعتِ سیادت بھی عطا کر دیا اور پھر قیاس آرائی کے جوہر لویں دکھائے ہیں:

تذکرہ سراپا سخن میں ہے کہ مصحفی میرا نامی کے شاگرد تھے (۱) لیکن یہ روایت بھی پایہ اعتبار سے سائنس ہے (۲) امائی تخلص ”میرا نامی“ نام، خواجہ آثمی مرثیہ گو کے فرزند سلسلہ تک دلی میں تھے۔ اس کے بعد مرشد آباد چلے گئے اور دہلی سلسلہ میں انتقال کیا (۳)۔ مصحفی کم سن میں تحصیلِ علم کے لیے دلی آ گئے تھے (۴) اس لیے ممکن ہے کہ انھوں نے میرا نامی کو دیکھ کر شاہجہاں آباد میں ایک امائی اور بھی تھے جن کا ایک شعر شیفہ نے گلشن بے غار میں نقل کیا ہے وہ ”گران امائی کا نام تک

لے گا۔“ مصحفی نمبر ۱۳، ۱۴ میر نے ان کا نام خواجہ برہان الدین اور تخلص ماہمی لکھا ہے۔ خطہ ہند: نکات اشعار و ملیح ثانی ۱/۸۸: تذکرہ مسرت افزا (مشہور معاصر) میں میر برہان الدین آثمی (دہلی ۲۳) اور دوسری جگہ خواجہ برہان الدین (ماہمی ۱۹) درج ہے (دہلی ۱۳۲)۔ گزدار ابراہیم امرتہ ڈاکٹر زور (۱۹۳۲) ۲۰/۱ میں بھی خواجہ برہان الدین آثمی لکھا گیا ہے۔ موقوف تذکرہ کو ان کے اشعار ”میر حاجی خلیفہ خواجہ مذکور سے لے گئے۔“ فتح علی حسینی تذکرہ ریختہ گویاں ۱/۱۰۵: در محمد تہتم و فخر نکات (۲۰۶) میں ماہمی ہی لکھتے ہیں۔ شاہ محمد کلاں در مجلہ انتخاب قلمی ابھی یہی لکھا ہے ”میر حسن دہلوی تذکرہ شعرے رد و ردہ“ تخلص آثمی بتاتے ہیں بشیقہ اور رنگ ہادی نے در چستان شعر ۱۳۲۳/۱ میر در ریزی کی تقلید کی ہے۔۔۔ سیرت لکھنوی جگہ تذکرہ عشق کے حو سے ”سید برہان الدین آثمی“ لکھا ہے۔ یادگار شعرا ۱/۳: دوسری جگہ کہتے ”ماہمی۔“ خواجہ برہان الدین دہلوی نے بہت سے مرثیے کہے اور سلسلہ میں نقاب گیارہ ڈگری ریزی پر یہ خوب عداوت رکھنے والے تھے۔ در سرور، شورش رن کو ماہمی لکھتے ہیں، در کہتے ہیں کہ ”یہ خوب جانتے تھے۔“ راسخ ۱۳۸/۱

بہر حال تنہ مختلف بیانات کی موجودگی میں یہ فیہد کرنا بہت دشوار ہو رہا ہے کہ لکھنوی (ماہمی) (میر)

معلوم نہیں۔ مصحفی نے اپنے تذکرہ شعراء میں کسی امائی کا زوال لکھ نہ کوئی شعر نقل کیا اگر ان سے کچھ فیض پایا ہوتا تو ذکر کرے میں ان کا نام ضرور لکھتے۔ دلی کے ایک اور شاعر، میرا مانی نام اس شخص تھے جن کا حسب شعردکنز القاب کی طرف ناہمی سے منسوب کیا گیا تو انھوں نے رعایت لفظی سے نفرت ظاہر کی۔ (موجودہ ہند)

اسد اس جفا پر تبوں سے وفا کی      مرے شیر شاہش رحمت خدا کی

میرا مانی، سیر کا کچھ کلام مصحفی نے تذکرہ ہندی میں نقل کیا ہے اور ان کو جوانِ ظریف مزاج لکھا ہے۔ وہ مصحفی کے ہم عصر تھے (۱۶) اور میں لائقِ ذکر تھے کہ مصحفی کے دلی شاگردوں کے بھی سنا دہو سکتے غرض مصحفی کا کسی اتار سے باقاعدہ اصلاح لینا ثابت نہیں ہوتا۔

لیکن یہ سارا افریہ اور تباس باطل ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ مصحفی کوٹ گریباں مانی لکھنے والا پہلا تذکرہ نگار محسن علی حسن (فرزند شاہ حسین حقیقت) موصوف سرپاٹنہ ہے اور اس نے جیر کسی سند یا حوالے کے بغیر کہا کسی سنی سنی روایت پر بھروسہ کر کے لکھا ہے اگر محسن کا یہ قول درست بھی ہو تو اس نے "میرا مانی" یا "امانی" کہیں نہیں لکھا۔ صرف "یاں مانی" لکھا ہے۔ سرپاٹنہ میں متعدد مقامات پر مصحفی کا نام آیا ہے اور ہر جگہ "یاں مانی" ہی ان کے استاد کا نام بتایا گیا ہے۔ اس پر پروف کا حوالہ محمد حسین آزاد کے "مخطوطات" نے کیا ہے اس صورت میں علوی صاحب مرحوم کی سند صحیح ہے، دلیوں کے قبول کرنے کے لیے معمولی سا شائبہ جواز بھی باقی نہیں رہ جاتا ہے۔ (باقی)

دقیقہ ۲۵۰: "تخلص" "صحنی" تھا، "شمنی" — میر نے یہ مشہور قطعہ ان سے منسوب کیا ہے، اور دوسرے تذکرہ نگار ان کی تقلید یا بُد کرتے ہیں۔

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجھیں تھا      ہزاروں بسوں کی فوج تھی اور شور تھا، گل تھا  
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز ہر گلشن میں      بتایا، غباں رو رو کے یہاں غچہ وہاں گل تھا

(نکات شعرا/۱۱۸)

یہ قطعہ دوسرے تذکرہ میں لفظی اختلافات کے ساتھ منسب ہے جن کی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے۔

منہ نگار: مصحفی نمبر (جلد ۲۵ شمارہ ۱۱) ۱۳ شہ محسن: سرپاٹنہ رنو کشور۔ ۶۸۶/۱۲/۱۲ وغیرہ۔

## ادبیات

## غزل

(جنابِ اتم منظر نگری)

پھر دل میں مرے تازہ لگن پیدا ہوئی ہے  
ہر لمحہ جو سرگشتہ عشرتِ طبعی ہے  
یہ بخود ہی عشقِ بہاں لے کے گئی ہے  
یہ حسنِ عقیدت ہے کہ یہ بے ادبی ہے  
اسے پیرِ مٹاں پینے پلانے کی گھڑی ہے  
ہر غمزہ تھا پیغامِ جنوں جس کا ازل میں  
اب دورِ مے تاب میں کیا دیر ہے ساقی  
ہر شور و شِ خوشیوں کو جو دیتی ہے سہار  
یہ راز کھلے گا نہ کبھی ابلِ چمن پر  
گلشن بھی نہ محفوظ رہا میری نڈں سے  
بیہوش یہ تڑپنے کا سبب وقتِ شہادت  
مے آئینِ عیش کے آرم پر بستو

شاید کہ کوئی بگڑی ہوئی بات نہی ہے  
والتِ بیاں سب سے زیادہ وہ دکھی ہے  
اب مجھ کو نہ احسب من غمی ہے نہ خوشی ہے  
ہر برگِ گلِ تر کو صبا چوم رہی ہے  
ہیں دھند میں افلاکِ زمیں جھوم رہی ہے  
وہ آنکھ مجھے اب بھی کہیں دیکھ رہی ہے  
پہننے بھی موجود صراحی بھی دھری ہے  
وہ موتِ میسِ زامن ساحل میں ٹھپی ہے  
شبنم کے ہر نسو میں کسی گل کی ہنسی ہے  
عیا قفسِ ہی میں نہیں گئی ہے  
پیکاں نہیں دس کی مرے پکائی ہے  
بے گور و کفن میت پر دانہ پڑی ہے

تین حقیقت ہے اتم ترے بیاں میں

ہر شعر ترا جاہلِ پیغامبری ہے



## تبصرے

**دین و شریعت**۔ از: مولانا محمد منظور دہلوی۔ تقطیع خورد و خوراک ۲۸۸ صفحات۔ کتابت و طباعت

بہتر قیمت محمد من روپیہ۔ پتہ: کتب خانہ فرقان کچہری روڈ۔ گلشنہ۔

یہ کتاب دراصل ان چھ تقریریں کا مجموعہ ہے جو نائل مصنف نے کھنڈ کے بعض دینی اجتماعات میں سسل کی ہیں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ان تقریروں میں کوشش کی گئی ہے کہ سدھی تعلیمات کے مختلف شعبوں پر عم فہم انداز بیان اور سلی زبان میں گفتگو کی جائے۔ چنانچہ دین و شریعت کی بنیادینی عقیدہ اور عمل کو مستحکم کرنے کے بعد پہلے توحید و عقیدہ، آخرت اور رسالت اور نئے متعدد کلامی مباحث پر پھر نماز و روزہ، زکوٰۃ و زچ پر گفتگو کی ہے اس کے بعد اخلاق، سیاست و حکومت، معاشرت و معاشرت، اور احسان و تصوف پر کلام کیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب اگرچہ تعلیمات بہتر ہے لیکن اس اعتبار سے اس کے بقیت بہتر ہونے میں شبہ نہیں ہے کہ اردو زبان کی متوسط استعداد رکھنے والے بھی اس کے ذریعہ دین و شریعت کی اہم اور بنیادی تعلیمات سے مع ان کی تشریحات و توضیحات، در دلائل و برہین کے واقف ہو پاتا ہے۔ نائل مصنف نے کوشش کی ہے کہ ہر عقیدہ ان بحث کے مختلف پسوس شرط سامنے آجائیں کہ اب سنت و جماعت کے عقیدہ کے مطابق اصل مسئلہ صاف و روان شکل میں سامنے آجائے اور اس پر جو غترفت وارد ہوتے ہیں ان کا بھی رد ہو جائے۔ اس لئے یہ کتاب عوام کے عدد و طب کے بھی مطالعہ کے لائق ہے۔

**۱۸۵۴ء کی دلی**۔ از: جناب مہیشور دیاں صاحب۔ تقطیع خورد و خوراک ۱۰۰ صفحات۔ کتابت

و جاعت علی۔ قیمت محمد من روپیہ۔ پتہ: دفتر رسالہ مہیوس صدھی دہلی۔

۱۸۵۴ء میں دلی و لوں پر کیا گیا گزری۔ ایست انڈیا کمپنی کے خدیف جو طوفان اٹھا، اس کے اہل

کیا تھے؟ اور ان اسباب کی وجہ سے بنا و درسلون۔ عالم اور جاہل، عوام، اور خواص ان سب کے

دوں میں انگریزوں کے خلاف جوش اور ولولہ اور مندیہ سدھت کی آخری یادگار بہادر شاہ ظفر کے ساتھ ان کی دلہانہ محبت اور عقیدت کا کیا عالم تھا؟ اس کتاب میں ڈرامہ کی شکل میں ان سب چیزوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ملک کے مشہور فاضل اور ادیب ڈاکٹر سمار اجپہ جتھوں نے اس کتاب کا پیش لفظ لکھا ہے۔ بقول اس ڈرامہ کی یہ ایک خصوصیت قابل ذکر ہے کہ اگرچہ اس کا پس منظر لال قلعہ ہے لیکن اس کے تمام کردار دہلی کے شہری ہیں اور اس میں عوام کی جذباتی کیفیتوں کا مظاہرہ ہے۔ ڈرامہ فن کی حیثیت سے جیسا کچھ بھی ہے اس کا فیصلہ تو ارباب فن ہی کر سکتے ہیں لیکن زبانِ فاضل دہلی کی ٹکسالی زبان ہے جس کے سنسنے کو اب کان ترستے ہیں اور انہوں نے موجب کہ فاضل مصنف دہلی کے ایک دیرینہ اور معزز خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور اس لئے قدیم دہلی کی تہذیبی روایات، ورثہ فی خصوصیات ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہیں۔ اس زبان کو بونے اور کھینے والے نزدیک اب اس کو پورے طور پر سمجھنے اور اس سے مزہ لینے والے بھی غما ہوتے جا رہے ہیں۔ تہذیبی خوشی کی بات ہے کہ اس دور میں جناب ہمیشہ رویاں صاحب جیسے نوجوان اس زبان کا چراغ روشن کئے بیٹھے ہیں۔ امید ہے کہ وہ اپنی کاروباری مصروفیتوں کے باوجود اپنی اس پیاری، درسیل زبان کی خدمت کئے بھی وقت نکالتے رہیں گے۔ اردو کے تمام اربابِ ذوق کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

اردو نثر کا تاریخی سفر:۔ جناب محمد زبیر صاحب۔ دہلی ریاست سنٹ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

تقیع خور و خجاست ۹۶ صفحات۔ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۳۰ - چہ ۱۰۰ پچو کمیشن

کب ہاؤس سول لائن۔ جامعہ بڈنگ علی گڑھ۔

جناب محمد زبیر صاحب نے کمزور تین برس پہلے ایک مضمون ”دوئیز کی چھ سو سالہ تاریخ ایک نظریں“ کے عنوان سے لکھا تھا جو اس وقت بہت مقبول ہو تھا۔ اب اسی عنوان کو مزید اضافوں کے ساتھ زیر تبصرہ کتاب کی شکل میں شائع کر رہا ہے۔ اس میں پہلے اردو زبان کا آغاز کیونکر ہوا؟ اس پر غور کیا ہے اور پھر بیسویں صدی تک عہدِ جدید اردو نثر نے جو ترقی کی ہے درج عہد میں اردو کے جو نامور۔۔۔ باب شریع ہوئے ہیں ان کا اور ان کی مشہور تصنیفات و سال کی خصوصیات کا سنہ زمرہ کیا ہے اس طرح یہ کتاب اردو زبان و ادب کے

طالب علموں کے لئے ایک ہینڈ بک کی حیثیت رکھتی ہے جس سے ان کو فائدہ اٹھانا چاہیے۔

**زبان و بیان :-** از جناب نثار علی۔ تیشیع خورد۔ ضخامت ۲۹۹ صفحات۔ کتابت و طباعت بہتر قیمت

جلد میں روپیہ پچترے پیسے۔ پتہ :- آزاد کتاب گھر۔ کلاں محل دہلی۔

جناب نثار علی اردو کے مشہور ادیب اور نقاد ہیں ہندوپاک کے ادبی رسالوں میں ان کے مضامین نکلے رہتے ہیں اور دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب ان کے آٹھ مضامین کا مجموعہ ہے جن میں شعر و ادب کے مختلف مسائل پر تنقیدی اور شرعی گفتگو کی گئی ہے۔ اگرچہ موصوف کی ہر رائے سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا لیکن اس میں شبہ نہیں کہ جو کچھ لکھا ہے کافی مطالعہ اور غور و خوض کے بعد بڑے رکھ رکھاؤ کے ساتھ لکھا ہے۔ ان مقالات معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی ادب کے ساتھ ان کا مغربی بشریک کا مطالعہ بھی درست ہے لیکن وہ مغربی ادب کے اتنے مرعوب نہیں ہیں کہ مشرق کی دیرینہ ادبی روایات سے نفرت یا ان کی تحقیر کرنے لگیں۔ چنانچہ اس مجموعہ کے دو مقالات اکبر الہ آبادی اور غزل باقی رہے گی۔ اس بات کی روشنی میں یہ صحیح تنقید ہے جس شرف نگاہی اور اس کے ساتھ واضح انداز بیان کی ضرورت ہے۔ نثار علی صاحب میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ یہی کہ ان کے مضامین کا یہ پہلا مجموعہ ادبی حلقوں میں دلچسپی اور شوق سے پڑھا جائے گا۔

**نکبت و نغمہ :-** از جناب ناظر بخشی صاحب، ایڈیٹر روزنامہ اخوت کلکتہ۔ تیشیع خورد۔ ضخامت ۴۴ صفحات۔

کتابت و طباعت بہتر قیمت۔ پتہ :- اردو کینڈی ۲۰ میدان بگان مین کلکتہ - ۱۶

جناب ناظر بخشی اردو زبان کے نوجوان بھائی ہونے کے ساتھ بڑے خوش گو۔ مہر پرور شیوہ بیان شاعر ہیں۔ اگر حضرت دشت مرحوم کے شاگرد ہیں لیکن مشق و مہارت اور طبعی ذوق و صلاحیت کے باعث انھوں نے اپنے رنگ میں انفرادیت پیدا کی ہے حضرت دشت ہرن غزل کے شاعر غزلی مرتبت تھے لیکن انھوں نے طرح طرح غزل اور نظم دونوں کے شاعر ہیں اور مزرا ابو جعفر کشتی کے بقول جو خود بند پایہ شاعر و رات دن میں انھوں نے غزلوں میں نظم کا نظم میں غزل کا لطف حاصل ہوتا ہے اور ایک شاعر کی انفرادیت کیلئے یہی وصف کافی ہے۔ اس مجموعہ میں موصوف کی چند غزلیں اور چند روایتی اور قومی نظمیں شامل ہیں جو پڑھنے کے قابل ہیں مگر افسوس ہو کہ ایسی چھی غزلیں نظمیں اور ان کی اشاعت اس برس حالی کے ساتھ ہوئی جس میں کثیف میں کسی بہت پیشرو دھڑوہہ کرنی چاہیے۔

(دس)



# برہان

جلد ۳۴

نومبر ۱۹۵۹ء مطابق جماد الاول ۱۳۷۹ھ

شمارہ ۵۵

## فہرست مضامین

|         |                                                      |                                          |
|---------|------------------------------------------------------|------------------------------------------|
| ۲۵۸     | سید احمد اکبر آبادی                                  | نظرات                                    |
| ۲۶۱     | جناب ڈاکٹر میرزولی الدین صاحب دہ جامعہ عثمانیہ       | حقیقت نفس                                |
|         | جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم۔ اے۔ ایل            | یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ        |
| ۲۷۴     | ایل۔ بی۔ بی۔ ٹی۔ ایچ رحبڑار امتحانات عربی و اسلامیات |                                          |
|         | دہلوی اتر پردیش                                      |                                          |
| ۲۹۶     | مولانا محمد تقی صاحب مینی صدر مدرس دارالعلوم         | فقہی احکام میں معیف و سہولت کے چند اسباب |
|         | معینہ اجیر شریف                                      |                                          |
| ۳۰۶     | جناب ثناء احمد صاحب فاروقی دہلی یونیورسٹی            | ذکر مصحفی                                |
|         | لاہور بریلی دہلی                                     |                                          |
| ۳۱۳     | جناب الم مظفر نگری                                   | دبیات، غزل                               |
| ۳۱۴     | جناب قضا ابن فیضی                                    | پریشاں نظری                              |
| ۳۱۴     | جناب سعادت نظیر ایم۔ اے۔                             | غزل                                      |
| ۳۱۵     | جناب رعنا جگی                                        | قصحات                                    |
| ۳۱۶-۳۱۷ | جناب ڈاکٹر میرزولی الدین حسنا - و (دس)               | تبصرے                                    |

## نظرات

آج کل عداوتِ یزید و معاویہ، مئی کتاب گھر گھر موجود بحث و گفتگو بنی ہوئی ہے ورنہ ملک میں متعدد مقامات پر اس سلسلہ میں اجتماعی مظاہرے بھی ہو چکے ہیں یہ کتاب دلتہ برہان میں وصول نہیں ہوئی اور نہ ہم نے اس کا مطالعہ کیا ہے بس بھی چار پانچ دن ہوئے اس کو دھرا دھر سے الٹ پٹ کر صرف سرسری طور پر دیکھنے کا موقع ملا ہے اس لئے ظاہر ہے کتاب کی علمی حیثیت پر تو کوئی تبصرہ کیا نہیں جاسکتا۔ البتہ مسلمانوں میں جو یہ جان ہے اس کے پیش نظر خپدا اور کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔

(۱) اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ حضرت امام حسن اور امام حسین سے آنحضرت ﷺ کی قربت محبت تھی ورنہ آپ نے ان دونوں شہزادوں کو گودی میں اٹھا کر دیکھ کر کی تھی کہ اے اللہ! تو اس سے محبت کر جو ان جنت سے کرتا ہے۔ اور ان سے نفی رکھ جو ان سے نفی رکھتا ہے۔ پھر حضور نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک کہ میں اس کو سب چیزوں سے زیادہ محبوب نہیں ہوں گا۔ اور یہ مسلم ہے کہ محبوب کا محبوب خود اپنا محبوب ہوتا ہے اس بنا پر ان دونوں یثا ثب اب اس وجہ سے محبت کرنا عین ایمان اور اسلام کا مقتضا ہے۔

—————

(۲) لیکن اگر ہمیں جو ردِ قعدہ پیش آیا، اس کی اصل نوعیت یہ تھی جو کہ یونکر میں آیا اور واقعہ کے آثار میں متعلقہ میں سے ہر شخص نے اس میں کیا روئے دیا کیا، واقعہ کے داخلی اور خارجی اسباب کیا تھے؟ یہ سب سوالات تاریخی ہیں اور ان کا جواب صرف تاریخ ہی دے سکتی ہے۔ ہم کسی واقعہ کو سرسری کے اشیاء میں متعلقہ کی نسبت جو اسے قائم کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے ہمارے دل میں مختلف شے اس و افراد کے متعلق جو جذبات نفرت و بھڑوسی پیدا ہوتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ ہم کو واقعہ کی جو صورت و نوعیت معلوم ہوئی ہو اس کا

تقاضا طبعی طور پر یہی ہو سکتا تھا۔ اب اگر فرض کیجئے کسی اور ذریعہ سے واقعہ کی کسی اور صورت کا علم ہوتا ہے تو ظاہر ہے پہلے ہم کو خبر اثر ہوا تھا وہ بدل جائے گا اور اب ہم کو اپنی پہلی رائے پر نظر ثانی کرنی ہوگی لیکن یہ جو کچھ ہو جائے گا طبعی عمل اثر ہوگا۔ اس صورت میں منقولیت پسندی اور علمی روانداری کا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ یا تو واقعہ کی دوسری شکل و صورت اور اس کی مخصوص نوعیت کی صحت کو ثابت کرنے کے لئے جو دراصل وہ برہین پیش کئے گئے ہیں ان کی رکاکت اور کمزوری ثابت کی جائے۔ اور یا اگر دراصل قوی ہوں تو ان کو تسلیم کریں جائے۔ درواقعہ کی اصل صورت کی نسبت جو خیال پہلے سے قائم تھا اس پر نظر ثانی کی جائے۔ ان دونوں راہوں کو چھوڑ کر شخص اس بات پر ہنگامہ آرائی کرنا اور شور مچانا کہ ایک شخص واقعہ کی صورت وہ نہیں مانتا جس کو ہم پہلے سے مانتے چھ آئے تھے انصاف سے بعید ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ہم چند اشخاص کی نسبت پہلے سے ایک رائے قائم کر لیتے ہیں اور پھر پورے واقعہ کو اسی کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں حالانکہ رائے واقعہ سے پیدا ہوتی ہے واقعہ رائے سے پیدا نہیں ہوتا۔ اعتقاد کا سرچشمہ تاریخ ہے۔ تاریخ وقت سے نہیں بنتی اس بنا پر ہونا یہ چاہیے تھا کہ یہ بحث کتابیں واقعہ کی بلا کی جو نوعیت بیان کی گئی ہے اسی طور پر اس کو جائزہ لیا جاتا اور اگر وہ غلط ہے تو اس کے لئے جو دلائل وہ برہین پیش کئے گئے ہیں ان کی رکاکت کا پردہ چاک کیا جاتا۔ یہ ایک خالص تاریخی بحث ہے اور اس کو اسی طرح طے ہونا چاہیے۔

مختصر یہ کہ یہ بحث تاریخی بحث ہے اور اس کو اسی طرح طے ہونا چاہیے۔

۱۳۔ ایک صاحب نظر بتاتا ہے کہ واقعہ کر بلا سے متعلق جو روایات تاریخ کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں یا عام طور پر تراویں ہیں ان میں انسانی اور حقیقت کی آمیزش کس درجہ ہے اور جرح و تنقید کے بعد ان میں صحیح و سقم کا امتیاز کرنا کتنا مشکل کام ہے۔ اس بنا پر اس میں شک نہیں کہ یہ ایک واقعہ نہیں بلکہ اس عہد کی پوری تاریخ پر ہی ریسرچ کے لئے میدان بہت وسیع ہے۔ لیکن ایک مسئلہ محقق پر اس واقعہ کو رد و رد تحقیق دینا چاہتا ہے اس کو سب سے پہلے اپنے ضمیر کے گریبان میں اندازہ کرنا چاہیے کہ کسی کی تردید پر اس کے باعث اس کی کاوش کے پس منظر میں یہ کیا جذباتیت و حریفاری تو نہیں ہے اگر واقعی ایسا ہے تو پھر اسے معلوم ہونا چاہئے کہ داستانہ اسے مسیحا



امام حسینؑ کی شان میں ایک لفظ بھی گستاخی یا بے ادبی کا نکل گیا تو اس کے لئے آخرت کی رسوائی کا سبب ہو سکتا ہے۔ ریسرچ بڑی اچھی چیز ہے لیکن آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ حضورؐ نے صاف ممانعت کر دی ہے کہ میرے والدین کے متعلق گفتگو نہ کرو۔

—————

(۴) جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا ہم نے کتاب بہت رواداری میں سرسری طور پر دیکھی ہے تاہم ہمارا تاثر یہ ہے کہ مصنف کا انداز فکر اور انداز تحریر دونوں جاری نہ ہیں۔ بنو امیہ کے دورِ حکومت کو اسلام کا سب سے زیادہ ریشہ اور تباہ کن عہد کہنا۔ حضرت امیر معاویہؓ اور یزیدؓ کی حکمرانی کو جمہورِ امت کے مسلک کے خلاف خلافت کہنا۔ یزید کے درج و تقویٰ کا دعویٰ کرنا۔ حدیث الملائکہ عضوہ پر کلام کرنا۔ یہ سب چیزیں اس بات کی غمازی کر رہی ہیں کہ مصنف کسی خاص دافنی تحریک کے زیر اثر پہلے سے ایک خاص خیال قائم کر چکا ہے اور پھر اس کی تائید کے لئے مواد تلاش کر رہا ہے۔ یعنی اس نے تحقیق کے میدان میں قدم بالکل غیر جانبدار (UNBIASED) ہو کر نہیں رکھا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے بین السطور میں مصنف کے ذہن کی جو جھلکیاں نظر آتی ہیں ان کا ہی یہ اثر ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر ایک صاحب نے عربی زبان میں یزیدؓ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر برہان میں اشاعت کے لئے بھیجا ہے جس میں یزیدؓ کو امیر المومنین سے خطاب کر کے اس کو دنیا کا سب سے بڑا مظلوم انسان کہا گیا ہے حالانکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ امام عالی مقامؑ کی شہادت پر حق مگر یزیدؓ کے بارے میں کف لسان کی جائے۔ کیونکہ اب اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ لیکن اس کی مدح کرنا تو ہر درجہ دلیری اور بیباکی ہے۔

—————

# حقیقتِ نفس

از:

جناب ڈاکٹر میر دلی الدین صاحب، (جامعہ عثمانیہ)

بامن بودی منت نمی دانستم      یا من بودی منت نمی دانستم  
چوں من شدم از میان ترادانستم      تا من بودم منت نمی دانستم  
رفیق کاشانی

انا من اھوی ومن اھوی انا      لیس فی المرئۃ شئی غیر ذلکا  
لا انا دیۃ ولا اذکرہ      ان ذکری وندائی یا انا

رفیق احمد الدین کرمانی

نفس کی حقیقت کو سمجھنا ہو تو خلق کا خلق حق سے بظہار و بطن سے بندہ کا تعلق خدا سے سمجھنا ضروری ہے اس ربط و تعلق کی توضیح تفصیل کے ساتھ ہم نے قرآن اور تصوف پیش کی ہے یہاں حقیقتِ نفس کو واضح کرنے کے لئے اجمالاً اس کو پیش کیا جا رہا ہے تاکہ اس پر بحث ضرور ہے، در مسئلہ کامل بھی میں آجائے جو حقیقی حق تعالیٰ ہی کا ہے ع

موجود بحق واحد اول باشد

وہ قائم بالذات ہیں اور متصور بالذات وہ ازل سے علیم بھی ہیں صفتِ علم سے متصف ہیں۔ صفتِ علم ذاتِ حق میں ع

جاوداں ہست پرورد و خواہد بود

لے قرآن و تصوف، مہر و نذر، المصنفین دہلی ۱۹۵۵ء

اب ظاہر ہے کہ علم بغیر معلومات کے ممکن نہیں۔ کیونکہ عالم کو کسی ”علوم“ ہی کا علم ہو سکتا ہے اور معلوم ہی کو جاننے کی وجہ سے وہ عالم کہلاتا ہے۔ لہذا حق تعالیٰ کے ان تین اعتبارات عالم۔ علم۔ معلوم میں ابتداء ہی سے تیز فائز نام کی جاسکتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ معلومات کیسے کیا ہیں؟ حق تعالیٰ ازل سے عالم میں تو کس چیز کے عالم میں ہے؟

معلومات الہیہ ذواتِ اشیا یا حقائق ممکنات کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں؟ بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا جتنی چیزیں ہیں سب ان کی مخلوق ہیں، ”اللہ خالق کل شیء“ سے قرآن اس طرف اشارہ کر رہا ہے نہ مخلوقات کو وہ جان کر پیدا کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ پیدا کر کے جانتے ہوں ورنہ تخلیق کے قبل جہل لازم آئے گا، جو ان کی شان کے منافی ہے۔ ”الا یعلم من خلق وہو اسطیف الجبیل“ رب ۲۹۔ ۳۰ سے قرآن اس جہل کی تردید کر رہا ہے ورنہ ان کو علم یہ کہہ کر ثابت کر رہا ہے کہ ”هو الخلاق“، ”لعلم رب ۲۳۔ ۲۴“ مخلوقات کو وہ جس طرح جان کر پیدا کرتے ہیں اس طرح تخلیق کے بعد بھی وہ حق تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہیں۔ ان کو معلوم ہوتی ہیں ”هو لکل شیء علیم“ رب ۱۷۔ ۱۸ سے قرآن اس چیز کو واضح کر رہا ہے۔ لہذا تمام اشیا حق تعالیٰ کے ”معلومات“ ہیں۔ ان کی ثابت نہی معلوم ہونا ہے یہ ازل سے علم الہی میں ثابت اور ان کی ذات پر عارض یا ان کی ذات میں مندرج ہیں۔

مخلوقات کو جو ازل سے حق تعالیٰ کے علم میں ہیں، باغافل و دیگر جو ازل سے معلومات حق میں اور نیچے مخلوق کی ذوات یا حقائق میں جن کے مطابق اشیا کی تخلیق ہوتی ہے ہونیہ کرام نے ”اعیان نامہ“ سے تعبیر کیا ہے ”صَوْرَ عَلِیَّة“ بھی کہلاتے ہیں۔ یہ علم الہی کے تعینات ہیں۔ ان کو ”عدم“ یا ”معلومات“ حق بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ محض علم حق کی صورتیں ہیں۔ غارت میں ان کا وجود نہیں ہوتا۔ خارجی وجود کے لحاظ سے گویا معدوم ہیں۔ ان کو نفس وجودی یا نسبت ثبوتی دھل ہے ان ہی کے مطابق خارج میں تخلیق ہوتی ہے خواہ حق تعالیٰ کے علم میں ثابت ہیں ان کو بھی وجود خارجی نہیں ہوتا۔ اسی سے ”کبر“ نے ان کے مشتق فرمایا ہے کہ ”الاعیان الثابتہ ماضت سر الختہ“ وجود اصلاہ انھوں نے وجود کی بوجھ نہیں سوچھی۔ انھیں ان نہیں کیونکہ ان کا نہ ہونا علم حق کا فنا ہونا ہے۔ یہ ازل میں اور ہر



تکسار و تلامس کی اصطلاح میں ان کو ”ماہیات اشیاء“ کہا جاتا ہے۔ معزز لکھنے یہاں ان کے لئے ”نہایت“ اصطلاح ہے اور تکلیف میں انہیں ”مردوم معلوم“ سے یاد کیا ہے۔

ایمانِ ثابہ میں سے ہر عین کا ایک اقتضائے ذاتی ہوتا ہے جس کو استعداد یا قابلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ عین کی گویا ماہیت یا فطرت یا خصوصیت خاصہ یا لازمہ ذاتی ہے جس کی وجہ سے وہ دوسرے ایمان سے تمیز کیا جاسکتا ہے۔

ہر عین اپنی اس خصوصیت کی وجہ سے ایک متعین صورت ہے، اس تعین و تفریق کی وجہ سے اس کے خاص اقتضات و تقابلیات ہیں جو بعینہ کسی دوسرے عین کے نہیں ہو سکتے۔ ہر عین اس معنی میں ایک تفسیر ذاتی رکھتا ہے۔ ہر عین سے ایک بار ایک نکتہ سمجھ میں آتا ہے کہ علم، اپنی میں شروع سے ایک طرح کی تفسیر کی پائی جاتی ہے نہ تاہم قدرتی۔ اس تفسیر کو ابتدا میں نہ مانیں تو خارجی کائنات میں اشیاء کی تفسیر کسی طرح سمجھ میں نہیں آسکتی۔

عین کی اس قابلیت و اقتدار کو قرآن کی زبان میں ”شاکلہ“ کہا گیا ہے، قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ (پ ۱۵۔ ۱۶) یعنی ہر شے اپنی ذاتی قابلیت یا اقتدار کے مطابق عمل کرتی ہے۔ اور اس کی اس قابلیت و وسعت سے زیادہ، ”میں پہلے بھی نہیں ڈالا جاتا“۔ لَا يَكْفِيكَ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا دُسْرَهَا (پ ۲۰۔ ۲۱)

ایمانِ ثابہ یا ذریعہ خلق غیر مخلوق یا غیر محبوس ہیں، اور ان کے اقتضات و شاکلات بھی جن کے لازمہ ذریعہ میں غیر مخلوق و غیر محبوس ہیں۔ ایمان کے غیر مخلوق ہونے کی برہمی دین یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی علم کی صورت میں ذریعہ تعالیٰ کا علم، اذن و غیر مخلوق ہے۔ اس لئے ایمان بھی لازماً غیر مخلوق اور اذن ہوں گے۔ اور یہ بھی بتا دیا جاتا ہے کہ ایمان کا وجود خارجی نہیں رہے، ”شاکلہ“ علمی رکھتے ہیں، یعنی علم حق جس کو وجود خارجی نہ ہو وہ محبوس یا مخلوق کیسے کہہ دیا جاسکتا ہے۔ اس دین کو مودنا جی نے اس طرح ادا فرمایا ہے۔

ایمان بکھنٹ عین، نہ کردہ نوزوں      نہ کہ بود بکھنٹ ہا علی محبوس

چوں جبل بود افاضہ نور وجود توصیف عدم بآن نباشد معقول

ایمان ثابہ یا صہور علیہ یا ذوات خلق ذات حق (یا علم حق) میں مندرج ہیں لہذا ان میں من حیث الاندراج یعنیت پائی جاتی ہے۔ من الازل الی الابد لیکن یہ بات خوب یاد رکھنی چاہیے کہ ذات حق اور ذوات خلق میں من حیث الذات غیرت ہے۔ من الازل الی الابد اس لئے کہ ذات خلق میں صورت ہے، یہ تعین و تخیز، حد و مقدار رکھتی ہے اور ذات حق بے صورت ہے۔ غیر متعین ہے۔ مطلق ہے۔ صورت کے تمام لوازم سے منزہ ہے۔ ذات خلق وجود ذاتی نہیں رکھتی۔ علم حق میں ثابت ہے۔ معدوم اضافی ہے۔ ذات حق وجود ذاتی رکھتی ہے۔ عدمیت سے منزہ ہے۔ ذات خلق صفات عدمیہ سے موصوف ہے موت۔ جہل۔ اضطراب۔ عجز۔ صمم۔ کلم علمی سے متصف ہے اور ذات حق صفات وجودیہ سے موصوف ہے یعنی حیاء۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سماعت۔ بہارت کلام سے متصف ہے ذات خلق قابلیت امکانیہ و فعلیہ رکھتی ہے فعل نہیں۔ ذات حق ذات خلق کے قابلیت امکانیہ سے منزہ ہے۔ کیونکہ اس میں فعل ذاتی ہے و فعل حقیقی ہے۔

مختصر یہ کہ ذات حق موجود اور ذات خلق معدوم رہے عدم اضافی لہذا ان دونوں میں من حیث الذات غیرت پائی جاتی ہے اور من حیث الوجود عنیت حقیقی کیونکہ وجود حق عین وجود خلق ہے یعنی وجود واحد بصور ایمان خلق موجود ظاہر ہے اس کی تشریح ذیل میں کی جاتی ہے۔

ایمان ثابہ یا صہور علیہ یا ذوات خلق کی حقیقت کو اس طرح واضح طور پر سمجھ لینے کے بعد بتحقیق کا راز آسانی کے ساتھ سمجھیں آسکتا ہے۔ ع

ہش وار کہ را خود بخود گم کنی !

سوال یہ ہے کہ ذوات اشیاء جو معلومات حق میں صہور علیہ حق ہیں جو از قبیل اعراض ہیں یا غیر علما ثابت ہیں ان کا نمود وجود خارجی میں کس طرح ہوا؟ کن فیکون؟ کار نیک ہے؟

ذوات اشیاء صہور علیہ کے نمود خارجی کے متعلق تین خیالات ہو سکتے ہیں۔

۱۔ یہ خصوص قرآنی سے سنی تاہم کے لئے دیکھو قرآن اور تصوف باب تہرب و معیت۔

(۱) صہور علیہ کا نمود خارجی بغیر کسی ذات مقوم یا معروض کے ہو گیا۔ یہ احتمال عقلاً محال ہے۔ کیونکہ صہور علیہ اعراض میں اور بغیر وجود معروض کے اعراض کا ظاہر ہونا ناقابل تصور ہے۔ قبل تخلیق وہ عارض ذاتِ حق تھے۔ بعد از خلق بھی بغیر کسی معروض کے ان کا نمود نہیں ہو سکتا۔ ہذا ہوا الظاہر۔

(۲) صہور علیہ کسی ذات مقوم یا معروض کے اعراض میں لیکن یہ معروض (وجود) غیر ذاتِ حق ہے۔ یہ احتمال بھی باطل ہے کیونکہ وجود صرف حق تعالیٰ ہی کو ہے۔

ع الاکل تنی ما خلا اللہ باطل !

(۳) صہور علیہ کسی ذات مقوم یا معروض کے اعراض میں اور یہ معروض وجود مطلق ہے جو غیر ذاتِ حق نہیں۔ یہی ذات مقوم صہور علیہ کی معروض ہے جس سے ان کی نمایندگی ہو رہی ہے۔ یہی گویا ان کی حقیقت بیولائی ہے جس پر یہ عارض ہیں۔ یہی مفہوم اس آیت کریمہ سے تعبیر ہو رہا ہے: خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ تَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ (پ ۱۳ ع ۴) کیونکہ تعالیٰ حق کی صفت واقع ہوئی ہے اور لغت واجب الوجود کا نام حق ہے۔ آیت کریمہ تَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ (پ ۱۰ ع ۱۰) بھی اس طرح اشارہ کر رہی ہے۔ ایک اور جگہ بطور حصر ارشاد ہے: وَمَا خَلَقْنَاهَا إِلَّا بِالْحَقِّ اِیْ طَرَحَ اِیْکَ وَرَجَعُ مَوْمِنُوْنَ کو خالص طور پر علم عطا کیا جا رہا ہے خَلَقَ اللّٰهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَا یَیْةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (پ ۲۰ ع ۱۱) اہل علم سے خطاب فرمایا گیا ہے: مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ یُنْفِصُ الْاٰیٰتِ لِقَوِّہِ تَعْلَمُوْنَ (پ ۱۱ ع ۴)

لغز و شریعہ وجود مطلق کا نام ہی حق ہے۔ حق ہی حقیقت بیولائی کا مادہ ہے۔ باعتبار اشتقاق حق و حقیقت کا مادہ بھی ایک ہے۔ ساری صہور علیہ یا ذاتِ اشبار "بالحق" ظاہر ہیں لہذا تخلیق و تکوین عالم میں ذاتِ حق وجود حق ہی کار فرما ہے۔ یہی سر "مواظاہر" ہے جس کی تفسیرات اللہ ہُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ سے ہو رہی ہے یعنی اشتری ظاہر ہیں۔ یا اشتری حق میں جو ظاہر ہیں۔ اللہ نُوْرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (پ ۱۸ ع ۱۱) سے اس بیان کی مزید تائید ہو رہی ہے۔ فافہم و تدبر۔

ذر کھول کر اس رزکو اس طرح ادراک جاسکتا ہے حق تعالیٰ بکمال و بجزائے جیسے کے ویسے



رہ کر مابعدین و تغیر بلا تعدد و بلا کثرت صفت نور کے ذریعہ بصورت معلوم خود ظاہر ہو رہے ہیں تو معلوم کے مطابق خلق کا نمود وجود ظاہر میں بطور وجودِ ظہری ہوا اور اعتبارات الہیہ خلق سے وابستہ ہو گئے۔

وہی وجودِ مُنزہ کہ با نزاہت خود ہوا ہے ہلہ ناما با ثبات ہر شے  
ہو الاول والاخر والظاہر والباطن دھو بکل شیء علیم۔

خوب سمجھ لو کہ تخلیق اشیا کا

(۱) عدم محض سے پیدا ہونا نہیں ہے۔ کیونکہ عدم سے عدم ہی پیدا ہوتا ہے۔  
(۲) نہ ہی عدم محض کا اشیا کی صورت میں نمایاں ہونا ہے کیونکہ عدم محض تعریف ہی کی رو سے کوئی شے نہیں کہ ہستی کا مادہ بن سکے یا اس کو کسی ہستی کی صورت میں ڈھالا جاسکے۔ عدم بجز اور  
(۳) نہ ہی حق تعالیٰ کا خود صورتوں میں تقسیم ہو جانا ہے کیونکہ وہ بعض و تجزی سے مُنزہ ہیں  
تخلیق حق تعالیٰ کا مع بقائے علی مابعد علیہ کان بصور مساوات صورت علیہ مبدع ان ہو الظاہر تہکلی فرما رہا ہے۔ یہ  
تہکلی یا تہکلی ان صورت علیہ (ذوات اشیا و حقائق کیا نہ) کے مطابق ہو رہی ہے جو ذات حق میں مخفی اور  
علم حق میں مندرج ہیں۔ اس تہکلی و تہکلی کا نتیجہ ہے کہ اشیا کا نمود با حکام و آثار خود با تفہیل ان کی  
قابلیت ذاتی کے مطابق خارج ہیں جو وجود ظاہر ہے ہو رہا ہے۔ صاحبِ گلشن زار نے اپنے الفاظ میں  
اس راز کو اس طرح ادا کیا ہے :-

عدم آئینہ ہستی است مطلق      گز و پیداست عکس تابش حق  
(صورت علیہ ۱۲)

عدم چوں گشت ہستی را متقابل      در و عکس اندر حال شد حاصل  
شد آن وحدت اندر کثرت پدیدار      یکے چوں شمری گشت بسیار  
عدم در ذات خود چوں بود صافی      از دہ ظاہر آمد گنج مخفی !  
حدیث گنہ گنزار افرو خواں      کہ تا پیدا بہی ستر پناں

جب تم پر یہ راز آشکارا ہو چکا کہ حق تعالیٰ ہی صفت نور سے یہ صورت معلوم خود ظاہر ہو رہے ہیں، تو تم کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ ذات مطلق کے مرتبہ وحدت میں چار اعتبارات ہوتے ہیں۔ وجود، علم، نور، شہود۔ یہ خمس صلاحیت ذات میں۔ تعدد وجودی نہیں رکھتے، ملحوظ ہوتے ہیں حق تعالیٰ موجود ہیں وجود، اپنی ذات و صفات و افعال پر اجمالاً مطلع ہیں (علم) اپنے پر ظاہر و روشن ہیں (نور) اور اپنی ذات کے اس طرح آپ شاہد ہیں (شہود) ان اعتبارات کو ذاتی اسمائے کہا جاتا ہے کہ ان کو صفات نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ان چاروں اعتبارات میں تمام صفات اسماء الہی، اسمائے کیانی مندرج ہیں، لہذا درجہ انکلی فی بطون الذات کالفصل فی الجمل و کالتجر فی النوات بخلاف مطلق اس مرتبہ کے لئے لازمی ہے کیونکہ ذات مطلق اس اجمالی مشاہدہ کی وجہ سے تمام تنسیلات سے مستغنی ہے اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِینَ اس جانب اشارہ ہے۔

دامانِ غنائے مطلق پاک آباک      ز آلودگی نیا زماشتے خاک  
چوں جلوہ گرد و نظارگی خود او      گریا تو در میان نباشیم چہ پاک

(رجائی)

جب حق تعالیٰ صفت نور کے ذریعہ بجا لہ بدر ذات جیسے کہ ویسے رہ کر بلا تغیر و تبدل و حلول و اتحاد صورت معلوم سے ظاہر ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ کا نور معلوم سے متعلق ہو کر روح، ان کا علم معلوم سے متعلق ہو کر قلب، ان کا وجود معلوم سے متعلق ہو کر جسم اور ان کا نام معلوم سے متعلق ہو تو نفس کہلاتا ہے۔ ان سب کا مرکز ہوتی مطلقہ ہے۔ فانیہ و تدبیر۔ اس کی وضاحت اس نقشہ سے ہو سکتی ہے۔

اللہ (و ہوتی مطلقہ)

(نا)

|      |     |              |      |
|------|-----|--------------|------|
| شہود | نور | علم          | وجود |
| سہوہ | روح | جسم          | جسم  |
|      |     | عبد          |      |
|      |     | معلوم        |      |
|      |     | و ہوتی مطلقہ |      |
|      |     | انا و نفس    |      |
|      |     | تصویر        |      |

خوب سمجھ لو ہمارا نفس یعنی ہماری ذات و حقیقت وہی صورت علیہ وعین ثابتہ ہے جو علم حق میں ثابت ہے جس کوئی نفسہ وجود نہیں۔ معدوم فی الخارج ہے مانتہ راکتہ الوجود اصلاً اور چونکہ نسب حقائق محال ہے۔ معدوم کبھی موجود نہیں سکتا پس جو موجود ہے فی الحقیقت وہی واجب الوجود ہے۔ لا موجود الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الحق تعالیٰ ہی کا نام صورت معلوم میں نفس انسانی کہلاتا ہے اور زبان قوم میں ہوتی مقید ہے تبسیر کیا جاتا ہے۔

اس حقیقت کو کسی راز نے سوالیہ طرز میں کیا خوب پیش کیا ہے۔

از حق جز حق دگر یہ روید با با ؟      از حق جز حق دگر چہ گوید با با ؟  
در شدت اس ظہور مجہد صفت      حق را جز حق دگر کہ جوید با با ؟  
شیخ اودھدین کرانی جو شیخ اکبر کے ہم عصر تھے صاف صاف کہتے ہیں :  
ذاتم زور اے حرف بیرون زہد است      وز چشمہ لطیف آب چیا تم مدد است  
(حقیقت)

علت ز احد بہ او حد آمد حرفے      علت بگذار کا نیک او حد است  
ابو جاتم عطار استاد بوسید خزانہ اس بیت کے بعد فرمایا تھا "اے اندامی گوید اللہ حضرت کی اہل بندہ سے فرمایا کرتے تھے "تھی گمراہی گمراہی اندامی بنفیس دمن می گویم حنا بختی قل اللہ شہد رہو !  
شیخ الاسلام عبد اللہ انصاری کا ارشاد ہے

اوباجوئیدہ خود ہمراہ است      دست جوئیدہ خود گرفتہ در طلب  
خود می ناز اندام ہوا کل با کل "کسی صوفی کا مشہور قول ہے۔ "ہمہ خلق می گوئید کیے و از ہزار در می آویزند و ایس تو ہم می گوئید کیے و از نشان خود می گریزند"

اکل کل شی ما خلا اللہ باطل      وکل ندیم لا محالہ زایل

اس حقیقت باطنی سے واقف ہونے کے بعد ہی اہل حق پر یہ امر متحقق ہو گیا کہ اپنے نفس کی معرفت میں معرفت حق ہے، چونکہ ہر نفس اس حقیقت الحق کی صورت ہے اس کی طرف اشارہ اس حدیث



بھی ہوتا ہے جس کی روایت بخاری و مسلم نے کی ہے کہ "خلق آدم علی صورتہ"۔

اس حدیث کی تزیینت ہمارے مقالہ کی مزید تائید ہوتی ہے اس لئے ہم اپنے طریقہ سے اس کی مختصر وضاحت پیش کرتے ہیں۔

دیکھو "خلق آدم علی صورتہ" میں "صورت" سے مراد صورتِ ظاہری نہیں ہو سکتی جو آنکھ، ناک، راس وغیرہ کی خاص ترکیب کا نام ہے ورنہ اس صورت میں ہیں خیمہ صورتِ آدم ہی کی طرف پھیرنی پڑے گی، کیونکہ یہ صورت جسم و ہیئت کی صورت ہے اور حق تعالیٰ جو جسموں کے خالق ہیں، مشابہتِ جسمی سے منزہ ہیں۔ صورت سے مراد صورتِ ظاہری لے کر اور صورتِ خیمہ آدم کی طرف پھیر کر خلقِ آدم علی صورتہ سے لازماً مطلب یہ ہوگا کہ آدم کو آدم ہی کی صورت پر پیدا کیا جو آدم ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور جو تمام مخلوقات سے ممتاز ہے۔ اس میں جو تکلف ہے وہ اطلاق ہے۔

صورت سے مراد "صورتِ معنویہ" بھی ہوتی ہے۔ اس کا اطلاق ترتیب و ترکیبِ معنوی پر ہوتا ہے۔ یہ صورت امورِ معنویہ سے ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "صورتِ واقعہ ہے" یا "صورتِ مسئلہ یوں ہے" یعنی اسکی کیفیت یہ ہے تو صورت سے مراد کیفیتِ معنوی ہوتی۔ اس طرح اگر صورت سے مراد صورتِ معنوی لی جائے تو خیمہ کو آدم کی طرف رجع کرنے میں کسی تکلف کی حاجت نہ رہے گی اور حالہ اس کو حق تعالیٰ ہی کی طرف پھیرنا پڑے گا۔ اس کی تائید دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے جو زیادہ صریح ہے "ان صورۃ اکالسان علی جدیرۃ الرحمن" (رد القسطنی فی الصفات عن ابی ہریرۃ) اب حدیث خلقِ آدم علی صورتہ کے صحیح معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور صورت سے مراد صورتِ عقیدہ معنویہ ہے نہ کہ صورتِ مادّیہ جسمیہ۔

صورتِ عقیدہ کے اعتبارات ذاتِ صفات و انفس کے سو اور کیا ہو سکتے ہیں۔ ذات پر غور کرو اس سلسلہ میں، مغزائی کی تحقیقات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو در انصوں سے معنی غیر اہلہ میں تفصیلاً اور یکے کے سعادت و غیرہ میں اجراء موجود ہیں۔ روح انسانی کی ذات پر غور کرو کہ وہ کونسی جسمانی شے نہیں جہاں میں کسی طرح داخل ہو گئی ہو جس طرح پانی برتن میں در نہ ہی اس کو نافذ قرار دیا جاسکتا ہے جو کسی دوسری

شے کے ساتھ قائم ہو جیسے سیاہی کسی سیاہی کے ساتھ قائم ہے یا علم عالم کی ذات سے قائم سمجھا جاسکتا ہے۔  
اس کو متجز بھی نہیں کہا جاسکتا یعنی وہ کوئی جگہ نہیں گھیرتی کیونکہ جسم متجز قابل تقسیم ہوتا ہے اور روح کسی  
طرح قابل تقسیم نہیں سمجھی جاسکتی۔

اسی طرح روح نہ انسان کے بدن میں داخل ہے اور نہ خارج نہ اس سے متصل ہے اور نہ منفصل۔  
کیونکہ یہ سب باتیں اسی چیز کے متعلق ہی جاسکتی ہیں جس کا جسم ہو اور وہ متجز ہو۔ اور روح میں ان میں سے  
کوئی بات نہیں۔

روح کو کسی جہت میں بھی نہیں مانا جاسکتا۔ اور نہ کسی جگہ میں حلول کے ہوئے سمجھا جاسکتا ہے۔ کیونکہ  
یہ صفتیں بھی یا جسمانی شے ہی کے متعلق صحیح ہو سکتی ہیں یا اعراض کے متعلق اور روح نہ جسم ہے اور نہ عرض اس  
طرح روح بے چون و چوگہ۔ بے کیف و نمونہ ہے۔ اور یہ بعینہ ذات حق تعالیٰ کے صفات ہیں۔ اسی طرح ذات  
آدم ذات الہی کے مشابہ ہوئی۔ فافہم و تدبر۔

اب صفات روح انسانی پر غور کرو یہ صفات علم۔ ارادہ۔ قدرت۔ سمیع بصیر و کلام ہیں۔ درہی صفات  
حق تعالیٰ کے بھی ہیں۔ اس صورت میں بھی آدم کے صفات حق تعالیٰ کے صفات سے مشابہ ہوئے۔ فافہم  
و تدبر۔

آخر میں ان افعال روح انسانی پر غور کرو۔ امام غزالی نے کیمیائے سعادت میں اس کو بڑی تفصیل سے  
بیان کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے فعل کا آغاز خواہش اور ارادہ سے ہوتا ہے۔ پہلے اس کا اثر قلب  
میں ظاہر ہوتا ہے پھر اس کا اثر دماغ پر ہوتا ہے اس سے اعصاب متاثر ہوتے ہیں۔ جن کا منبع دماغ ہے۔ پھر  
ان سے اوتار اور رابطات متاثر ہوتے ہیں جو ہر جڑ سے لگے ہوئے ہیں ان سے انگلیاں حرکت کرتی ہیں اور  
ان سے دشتا اٹھم میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور وہ صورت جس کو انسان کا غدیہ رکھنا چاہتا ہے منہ  
ظہور میں آتی ہے۔

افعال انسانی کی ان تفصیلات پر غور کرنے سے افعال الہی کی کیفیت بھی سمجھ میں آ سکتی ہے۔  
جس طرح انسان کا تصرف اپنے بدن پر ہوتا ہے جس کو ”عالم عنبر“ سے تشبیہ دی جاسکتی ہے اسی طرح خالق

کا تصرف "عالم کبیر" کائنات پر جاری ہے دیکھو ارادہ انسانی کو قلب انسانی سے جو نسبت ہے وہی "امر" کو "عرش" سے سمجھی جاسکتی ہے اور قلب کو دماغ سے جو نسبت ہے وہی "عرش" کو "کرسی" مانی جاسکتی ہے۔ جو اس انسانی کو ذات انسانی سے جو نسبت ہے وہی فرشتوں کو ذات الہی سے قرار دی جاسکتی ہے جس طرح جو اس انسان کے مطیع و متقاد ہیں اسی طرح ملائکہ حق تعالیٰ کی اطاعت پر مجبور و مجبول ہیں۔

اس مختصر توضیح سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ ذات و صفات و افعال انسانی ذات و صفات و افعال الہی سے مشابہ ہیں۔ اور یہی مشابہت معنوی صورت حقیقی ہے جس کا "خلق آدم علی صورتہ" میں ذکر آیا ہے۔ آدم منظر ذات و جامع جمیع صفات الہیہ ہے۔ اس لئے حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے یہ دو ہاتھ جلال و جمال الہی ہیں، یعنی انسان حق تعالیٰ کی ذات کا منظر نامہ ہے۔ اور جمیع صفات الہیہ کا جامع ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ "خلق آدم علی صورتہ و وجہہ" بطرانی عن ابی ہریرہ (یعنی اس کی تخلیق صفات اللہ و ذات اللہ پر ہوئی ہے۔

اس سلسلہ میں اگر تم اللہ تعالیٰ کے اس قول پر کہ "بصورتہ و آیاتہ انی اکافاق و فی النفس صحتی یثبتین بعد اندھ الخ" (پ ۲۵ - ج ۱۵) تفتن کی نظر ڈالو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ نفس کو آفاق پر عطف فرمایا ہے و حرف لے کے ساتھ (یعنی جو آیات یا صفات اللہ آفاق کائنات خارجی میں ظاہر ہیں وہی آیات یا صفات نفس آدم میں بھی موجود ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ کائنات خارجی میں یہ من حیث التفریق ہیں اور نفس انسانی میں من حیث الجمع ہیں۔ اس لئے انسان جس کو عالم صغیر سے تعبیر کیا جاتا ہے، اندھہ عالم کبیر قرار دیا جاتا ہے اس جامعیت صفات کے اعتبار سے انسان کو اپنی صورت سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور ظہور صفات کی صورت کا نام آدم دیا انسان رکھا گیا ہے۔

صورت دراصل نام ہے اس محل کا جس میں حقیقت مخفی و مستتر ہوتی ہے لیکن اپنا اظہار اس کے ذریعہ کرتی ہے۔ نور کی مثال سے اس اجمال کی وضاحت ہو سکتی ہے۔ دیکھو نور ظہور و انوار کی حقیقت ہے کہ نور کے بغیر ظہور و انوار ممکن نہیں۔ انوار ظہور نور کا محل ہے۔ ہالفاً دیگر نور ہی بصورت انوار ظاہر

لے تفصیلات کے لئے دیکھو مکتبہ مدونت فارسی میں ۱۲۵۱ مطبوعہ نوز شہر پریس۔



ہو رہا ہے۔ لیکن نورِ صورتِ الوان میں مخفی و مستتر ہوتا ہے اور بارِ جوڑ ظہور کے باطنِ الوان کہلاتا ہے۔ اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ نورِ ظہورِ الوان کی حقیقت ہے اور مختلف الوان کی یہ صورتیں عارض ہیں ان عوارضات کو صفاتِ نور قرار دیا جاسکتا ہے۔ یا صفاتِ صورتِ نورِ صورتِ الوان کے ظہور سے حقیقتِ نور مستور ہوتی ہے۔

نور کی اس مثال سے تمہیں یہ صاف طور پر ظاہر ہو جائے گا کہ کس طرح آدم کو حق تعالیٰ کا آئینہ صورت قرار دیا جاسکتا ہے جو خود بے صورت میں، جہلِ جلالہ و عظمِ شانہ :

|                           |                             |
|---------------------------|-----------------------------|
| جزیکے نیست نقدِ ایں عالم  | بازین وہ عالمش مفروش        |
| گلِ ایں باغِ را توئی غنچہ | سیریں گنجِ را توئی سر پوش   |
| بہرہ بردار تا بہی خویش    | دوست بادوست شد ہم آغوش      |
| آن شناسد ہر پش اس دلست    | ہر کہیں بادا کرد ہا بند نوش |

یہذا عارفِ تامّ المعروف اس صورت میں بے صورت ہی کا مشاہدہ کرتا ہے اور چنچ اٹھتا ہے۔

|                                  |                                    |
|----------------------------------|------------------------------------|
| نہاں بہ صورتِ اختیار یار پیدا شد | جہاں بہ نقش و نگار ان نگار پیدا شد |
| پدیر گشت از کثرتِ جہاں و ہمت او  | یکے بکسوتِ چندیں ہزار پیدا شد      |

نیرنگیوں سے یار کی حیران نہ ہو جو ہر رنگ میں تم اس کو نمودار دیکھنا  
عارف جانتا ہے کہ یہ صورت اس معنی مطلق ہی کی صورت ہے یہ تشبیہ تنزیہ حق ہی کی تشبیہ ہے۔ لہذا وہ اپنی ذات میں ذاتِ مطلق کا اپنے صفات میں صفاتِ حق کا اور اپنے افعال میں افعالِ حق کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور فی انفسک اندر تبصرون کی تیسرے سے پوری طرط فائدہ حاصل کرتا ہے تاکہ من عرف نفسه فقد عرف ربه کا قول پوری طرح صادق آئے۔

۱۔ اس قول کو ابن حجر کی نے حضرت شیخ کرم اللہ وجہہ کتوں قرار دیا ہے لیکن دینی نے اس کو حدیث قرار دیا ہے اور غزالی اور محی الدین ابن عربی نے بھی اس کا حدیث ہونا مانا ہے اس مفہوم کو دوسرے الفاظ میں، اور دی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

ہمارے اس طویل مقالے سے کس کو یہ خیال نہ پیدا ہونا چاہیے کہ ہم عینیتِ محضہ کی تقسیم پیش کر رہے ہیں اور غلوں و اتحا کے قائل ہیں۔ ہم قطعاً اس کے قائل ہیں کہ حق ظاہر بصورتِ حقیقی اشیاء و اشیاء موجودہ و موجود حقیقی حق؛ لیکن منظر کے مظاہر میں ظہور پذیر ہونے کی وجہ سے منظر میں تغیر و تبدل، تجزی و تقسیم، حلول و اتحاض نہیں ہوتا، ظاہر و منظر رُبوب و بعد حق حق میں جو نسبت ظہور ہے اس کا حکم دوسری تمام نسبتوں سے مختلف ہے۔ چونکہ فی ہر تمام اعتبارات سے منظر کا عین نہیں ورنہ جمیع اعتبارات سے اس کا غیر لا عین و لا غیر نہ صرف عینیتِ محضہ اور نہ صرف غیرتِ محضہ، اس کی تفصیل و تشریح کے لئے قرآن و تفسیر کے باب سوم و چارم کا مطالعہ ضروری ہے۔

سارے مقالہ کا خلاصہ ابو لونا خوازمی کے ان اشعار میں اد ایک چمکتا ہے نہ فہم و تدبیر۔

من از تو جدا نمودم تا بودم      ایست دلیل طریع معرودم  
ور ذات تو نا پدیدار معدوم      در نور تو گم ہرم اگر موجودم  
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

رقبہ جانیہؒ سے اس طرح بیان کیا ہے: "اذا قالت یارب من یعرف الانسان رقبۃ قال الذی فی نفسه"۔ مولانا عبدالرحمن صوفیؒ فرماتے ہیں کہ گواظاً اور کے حدیث ہونے میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن منہ سے اصل الاہول طریقت ہے۔ اور کتاب و سنت کے موافق ہے۔ لہذا قال اللہ تعالیٰ ثل نعمہ کوا فلامتجہدوں۔  
رپ ۲۲۔ ۱۰۰۰، یہ نہایت قدسی "یا آدم، عرف نفسك تعرف سبب نعی، من کتہ، یدکر کتہ، گو مولا،  
اس حدیث موقوف کی شد نہیں بیان فرمائی لیکن غور و تدبر سے کام لینے والوں کے لئے "رفی نفع کر نفع بھون  
سے کافی شارح مل سکتا ہے، اور اگر اس سلسلے میں "مستندین و متقدمین" کے ذریعہ سے تحقیق و تہدیس  
بھون دہ، الحق کے ارشادِ ربانی پر غور کیا جائے تو یہ کہ یہ چمن میں تہذیب یا صاف ظاہر ہو سکتا ہے۔ بات و سنت  
ایہ جوئی از نفس نہیں ہوئی ہے نہ نہیں ورنہ نفس سبب از حدیث و سنت سے ہر وقت و ہر وقت  
کی گنجی ہے۔ فافہم و تدبیر

# یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ

## شامی عیسائیوں کی دسات کا منقرو

از:

جناب شبیر احمد خان صاحب غوری ایم۔ اے۔ ایل ایل بی۔ بی۔ ٹی۔ رجسٹرڈ امتحانات عربی و فارسی  
(رائپریش)

اسلامی ثقافت میں علوم عقلیہ کے آغاز دارتعالیٰ بالخصوص ان کے قبل از اسلامی مآخذ و معیار کا مسئلہ  
بڑا اہم اور دلچسپ ہے۔ فان کریمر کی تقلید میں نکلسن نے تو صرف اتنا ہی لکھا تھا:-

*It is Probable that the latter (Mutazilites) at any  
rate arose, as von Krenmer had suggested, under the  
influence of Greek theologians specially John  
of Damascus and his pupil, Theodore Abu kara (Adu  
arta) the Bishop of Harran. (Nicholson:  
Literary History of Arabs, pp 220-221)*

اس بات کا احتمال ہے کہ فرقہ معتزلہ یونانی علماء و نیات بالخصوص یوحنا بن دسقی اور اس کے  
شاگرد ابو قرہ اسقف حران کے زیر اثر پیدا ہوا جیسا کہ فان کریمر کا خیال ہے، لیکن مستشرقین کے مشرقی  
عقیدہ مندوں نے اس محدوہ مفروضہ کو درجہ صرف اعتزال اور علم کلام کے آغاز تک سے متعلق تھا، تعمیم  
دے کر اسلامی فکر کے جملہ عقلی علوم کو شام کے نو فلاطونی فلاسفہ و متکلمین کا مروجہ منت قرار دیا۔ ان کا کہنا



”کھنڈوالے کہتے ہیں کہ شام کے نو فلاطونی فلسفیوں بلکہ مسکین کے خیانات نے ہی مسلمانوں کی عقلی موٹگائیوں کے لئے سنگ میل کا کام دیا ہے“

لیکن فان کریمر کا محدود مفروضہ ہو یا اس کے مشرقی عقیدت مندوں کی تعلیم دونوں محل نظر ہیں۔  
اعتزال کے اصول اور یوحنا کے مشقی کی تعلیمات میں کوئی بنیادی مماثلت نہیں ہے۔ اس کے برعکس فرقہ معتزلہ کے تاریخی ارتقا کی تفصیل بڑی حد تک محفوظ ہیں اور ان میں یونانی ویمیات کے سخی علماء کا کوئی اثر نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ سطور ذیل میں یونانی حکمت اور مسلمانوں کی عقلی موٹگائیوں کے مابین شامی نو فلاطونیوں کے وسیط ہونے نہ ہونے کے مسئلہ پر تبصرہ کیا گیا ہے۔  
عام طور پر مسلمانوں کی عقلی موٹگائی کا جو فہم سمجھا جاتا ہے اُس کا آغاز عباسی خلفائے کی ابتدا سے ہوتا ہے۔ دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کی سرپرستی میں اُس دیرپا اور مسلسل فکری تحریک کا افتتاح ہوا جو آج کے دن تک کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ چنانچہ قاضی صاعد اندلسی نے عباسی دور سے پہلے مسلمانوں میں عقلی علوم سے بے اعتنائی کے سلسلے میں لکھا ہے:

|                                       |                                                  |
|---------------------------------------|--------------------------------------------------|
| وكانت العرب في صدر الاسلام            | ابتدائے اسلام میں اہل عرب سوائے اپنی زبان        |
| لا تفتي بشي من العلم الا بلغتها ومعها | اور احکام شریعت کے علاوہ کسی دوسرے علم کے        |
| احکام شریعتھا حاشا صناعة الطب         | ساتھ اعتناء کرتے تھے الا طب کے ساتھ کیونکہ       |
| فانها كانت موجودة عند افرا            | بعض عرب اس میں کچھ شہدہ رکھتے تھے نیز عام        |
| من العرب غير منكم عند جما             | لوگوں میں یہ، پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا تھا کیونکہ |
| هو لحاجة الناس طراً اليها             | انھیں اس کی ضرورت رہتی تھی۔                      |

(طبقات الامم ص ۷۷)

قاضی صاعد نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ ابو جعفر منصور ۱۳۶ - ۱۵۸ھ سے پہلے مسلمانوں نے علوم عقلیہ کے ساتھ کوئی اعتناء نہیں کیا۔ وہ لکھتا ہے:

فقد كانت حاله العرب في الدولة

یہ تھی عرب کی رفتہ رفتہ حالت امری چند خدمات

کلامیہ فلما اذال الله تعالى تلك الدلو

للمهاشمیہ ... فكان اول من

عنی ہمسرا علوم الخلیفہ الشافعی ابو جعفر

المنصور ... فكان صاحبہ اللہ تعالیٰ

مع براعتہ فی الفکر و التقدر مہر فی علم

الخاصۃ و الخاصۃ فی علم صناعة النجوم

کتابا و باہلما ...

میں جس جب اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے اس

خداقت کو با شمی و عباسی اہل ان میں منتقل کیا

..... تران میں سے جس شخص نے سب سے پہلے

علم و حکمت کے ساتھ اتحاد کیا وہ دوسرا خلیفہ ابو

جعفر منہور تھا ... فقہ میں و شگاہ عالی اور علم

فلسفہ بالخصوص علم نجوم میں کمال کے ساتھ اس

علوم اور ان کے ماہرین پر اس کی خاص عنایت تھی

پہلے اور ان کمال پر پہنچی چنانچہ قاضی صاحب آگے چل کر لکھتا ہے:

بیمز جب خدمت ان میں سے و عباسیوں میں سے

ساتویں خلیفہ عبد اللہ المامون بن ہارون الرشید

کوئی ..... تو میں تحریک کا اس کے داد

منہور نے آغاز کیا تھا، اس نے اسے کیسے پہنچایا

وریتہ کہ خلیفہ مامون رشید کے زمانہ میں

تو لعل افقت، خلافتہ، الخلیفہ

سابع منہور عبد اللہ المامون بن

ہارون الرشید ... تمام مابعد

جہاں کا منصور ...

اموی دور میں ہی کہ خدمت راشدہ کے آغاز عبد جہز موی میں ایک منتشر زائنات تھے جس جو غلی موشگافو

سے یک گونہ مشاہیر ہیں، سین نہ تو انہوں نے مہم یوں کے علوم عقیدہ کے آغاز وادہ تقایم کوئی حصہ لیا ہے اور

نشامی نواف غزوات نے سہم میں عقیدت کے تفسیر کا افتتاح کیا ہے، مگر اس کی تفصیل سے پیشتر ان حضرات

کی توجہ پر ایک نظر ان ستمس پر کہ جو مسلمانوں کی عقلی موشگافیوں کو شامی نواف غزواتوں کا مریون منت

سمجھتے ہیں :-

ان کے سہم کیوں و عمانوں کے تو مہم ہی بڑے بڑے شہروں میں جنس و ملت کے لوگ آنے جانے اور رہنے

کے تھے، دریں میں رہنے والی عورتوں کی بنیادیں بھی بڑھ گئی تھیں جہاں مسلمان انہیں مت ترک کر رہے

تھے، ان کے انہماک و غزوات سے نہ بہت ظریف نہ سہم بھی رہے تھے لیکن عام طور سے یہ غیر منظم اور

لے لہجہات، محسن د، لے ایضاً د

”منہجہ فکر میں تھیں۔ جہاں تک منہجہ اور منظم فکر کا تعلق ہے یہ ان کو شامی اہل علم سے مل ہی ہوئی اور  
مسلمانوں کو فلسفے کا چکا غائبان ہی سے لگا تھا۔ یہ ہے کہ فلسفے کو مسلمانوں سے متعارف کرنے اور  
اُس کو ان میں ہر دھڑ پر پھیلانے میں شامی اہل علم نے خاصا حصہ لیا ہوگا۔ طب اور فلسفے میں چولی دامن کا  
ساتھ تھا۔ فلسفہ طب کی تعلیم کے لئے قیدیوں میں مضمون تھا اور یہ روایت طب یونانی کی تصویریں اب تک مکہ میں  
آ رہی تھیں۔ یہ اہل علم مسلمانوں کی بھیتی دینیت کی، گزیر ضرورت تھے۔ پھر امر اور دوسا کی نعلوت و جہوت  
کے نزدیک چنانچہ مسلمان طب میں ان ہی شام کے یسکی اور غیر یسکی اہل علم کے شاگرد ہیں اور یونانی طب  
کو اسلامی طب بنادینے کا سہرا انھیں کے سر ہے۔“

اس توجیہ کی جزئیات کی تائید میں مندرجہ قعات ملتے ہیں بائیں پر ان سے جتنا سچ مستنبط کرنے کی کوشش  
کی گئی ہے واقعات حوصلہ افزائی کے بجائے ان کی تردید ہی کرتے ہیں۔ چنانچہ  
۱۔ یہ فہرستہ والہا امر اور دوسا کی نعلوت و جہوت کے نزدیک ہوں تو ہوں رجبیہ کی نعلوت اور بنی  
مگر فلسفہ کو مسلمانوں میں مقبول نہ بنا سکے۔

ب۔ شامی اہل علم مسلمانوں کی بھیتی چھوٹی دینیت کی، گزیر ضرورت تھے۔ مگر مسلمان طب میں شام  
کے ان یسکی اور غیر یسکی اہل علم کے شاگرد نہیں ہیں۔

ج۔ فلسفہ کو مسلمانوں سے متعارف کرانے اور اُس کو ان میں ہر دھڑ پر پھیلانے میں شامی اہل علم کا کوئی  
خاص حصہ نہیں ہے۔ اور آخر میں

د۔ جہاں تک منہجہ اور منظم فکر کا تعلق ہے وہ مسلمانوں کو شامی اہل علم سے نہیں مل ہی ہوئی اور مسلمانوں  
کو فلسفہ کا چکا ان سے لگا

زبان میں ان مندرجہ قعات کا تاریخی طور پر جائزہ لیا گیا ہے۔

|                         |                                                                           |
|-------------------------|---------------------------------------------------------------------------|
| عہد نبوی میں ہر زنی فکر | عہد نبوی میں تین شخصوں کا نام ملتا ہے جنہیں آج کل کی معصیت میں یکساں      |
| اور یونانی طب           | کہا جاسکتا ہے۔ لیکن نہ تو غائبانہ شامی اور نہ غیر شامی سے تعلق رکھتے تھے۔ |

۱۔ مگر یہی عجیب و غریب حضرت محمد بن عبد اللہ کی ولادت سے پہلے



یونانی طب کو مسلمانوں میں مقبول بنانے کے بعد کوئی کامیابی حاصل ہوئی۔

ان میں قدیم ترین نام حرث بن کلدۃ الشقی کا ہے۔ وہ طائف کا رہنے والا تھا اور اُس نے ایران میں طب و موسیقی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ ابن ابی اصیبعہ لکھا ہے :-

الحراث بن کلدۃ الشقی کان من الطائفت  
وہما سا البلاد و تعلم الطب بنا حیتہ  
فارس و تہران ہذا و عرف الداء  
والد و لود کان یضرب بالعود تعلم  
ذک انہا بفارس والین و لقی ایامہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ایامہ  
ابی بکر و عمر و عثمان و علی بن ابی طالب  
و معاویہ رضی اللہ عنہم

حرث بن کلدۃ الشقی طائف کا رہنے والا تھا۔  
شہروں کا سفر کیا تھا اور ایران میں طب کا علم  
سیکھا تھا۔ یہیں اس نے طب کیا۔ تشخیص امراض  
اور معالجہ سے واقف تھا۔ عود اچھا بجاتا تھا۔  
موسیقی کا فن بھی اُس نے ایران اور یمن میں سیکھا  
تھا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، و حضرت  
ابوبکر، عمر، عثمان، علی بن ابی طالب اور امیر مومنین  
نہوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں بقید حیات تھا۔

ابن ابی اصیبعہ کا مآخذ غالباً قاضی عیاض کی طبقات الامم ہے چنانچہ مزید ذکر کرنے لکھا ہے :-

کان من الاربۃ طباء علی عہد النبی صلی اللہ  
علیہ وسلم من العرب الحراث بن کلدۃ  
الشقی کان تعلم الطب بفارس و الین  
و کان یضرب العود و لقی الی ایام  
معاویۃ بن ابی سفیان

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اچھے  
عرب میں سے مشہور طبیب حرث بن کلدۃ الشقی تھا  
اس نے طب کی تعلیم ایران اور یمن میں ماہل کی  
تھی۔ عود اچھا بجاتا تھا۔ امیر معاویہ کے زمانہ تک  
بقید حیات تھا۔

اس تہذیب کے طے ہوئے کہ حرث بن کلدۃ الشقی شامی مدارس کا تخریج نہیں تھا بلکہ ایران کے مدرسہ طب  
کا درجہ تحصیل تھا۔ زمانہ قبل از اسلام میں مہر و شام طب، و عرفانی فلسفہ و تصوف کے اور ایران و نصیبین منطق  
در دیگر علمی علوم (EXACT SCIENCES) کے گہوارے تھے لیکن اکامرہ بالخصوص نوشیرواں کی علمی

سرپرستیوں نے جندی ساہور میں بھی نہیں کے نسطوری مدرسہ کے مقابل ایک درسگاہ قائم کر دی تھی ہر مشرق  
میں منطقی طب کا گہوارہ تھی و سی جندی ساہور کے مدرسہ طب نے جس پر آخر زمانہ میں نسا طرہ چھا گئے تھے عباسی  
عہد میں اسلامی طب کا انتشار کیا جس کی تفصیل اس مقالے کے موضوع سے خارج ہے۔

بہر حال حرث بن کلدۃ الشقی شام کے نو فلاطونی یا یعقوبی مدارس طب کا خراج نہیں تھا بلکہ ایران کے  
موجودی یا نسطوری رکیزونکہ بعد میں جندی ساہور کے طبی مدرسہ کی قیادت بھی نسا طرہ ہی کے ہاتھ میں آگئی تھی امد  
طب کا فاضل تھا۔ اس کے علاوہ عرب کے ویسی طب کا بھی ماہر تھا چنانچہ ابن ابی اھیبہ لکھتا ہے :-

وكانت للحرث معالجات كثيرة ومعرفته

بحرث كوعب کے طریق مالوف اور ان کی مخصوص

بما كانت العرب تعادك وتحتاج اليك

من المداواة

اور ان پر بہت سے علاج کئے تھے۔

اور غالباً عرب کے اسی ویسی طب کے ذریعے اس نے اصحاب رسول، شریعہ وسلم کا علاج کیا چنانچہ  
اس نے حضرت سعد بن وقاص کا علاج کچھ اور دودھ کے ساتھ کیا۔ لیکن حرث بن کلدۃ مسلمانوں میں یونانی  
طب کو مقبول بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکا اور یہ اتنا مشہور واقعہ ہے کہ اس نے طب و مقولات کی تاریخ  
سے بڑھ کر عربی و فارسی ادب میں بھی ایک مرد واقعی کی حیثیت حاصل کر لی ہے جیسا کہ سعدی نے گلستاں میں  
لکھا ہے :-

”یکے ار موک عجم طیبے عاذق را بخدمت معطلی امی الشریعہ وسلم فرستاد۔ سلسلے در دیار عرب بود کے

تجربہ پیش او نیازد و معلّمے از دے خواست پیش بغیر علی الشریعہ وسلم آمد نگاہ کن کہ مرا میں بندہ را

بسبب معالجت اصحاب بخدمت فرستادہ اند۔ دریں مدت کہے، گفتائے نکر تا اندھے کہ بر بندہ میں

ست بجا آورد۔ رسول علیہ السلام گفت پس ط کفر اطریعے بہت کہ، انتہا غائب نشود و بخور مرز ہنوز

انتہا باقی بود دست از طعام بردارند۔ حکیم گفت این دست موجب ندرستی۔ زمین بوسید و رفت۔

گلستاں باب سوم در فضیلت قناعت

دوسرا مشہور طبیب نضر بن حرث بن کلثوم شافعی تھا۔ وہ سابق اندر حرث بن کلثوم کا بیٹا اور اس کے برعکس  
 وہ بکے علاوہ علوم فلسفہ کی مختلف شاخوں سے واقف تھا۔ ابن ابی اصیبعہ لکھتا ہے :-

|                                     |                                                      |
|-------------------------------------|------------------------------------------------------|
| النضر بن الحرث بن كلثوم الشافعي هو  | نضر بن الحرث بن كلثوم الشافعي جناب نبی کریم صلی اللہ |
| ابن خالته النبي صلى الله عليه وسلم  | عید و سلم کے ماموں کا راجا تھا اس نے بھی اپنے        |
| وكان النضر قد سافر البلاد ايضا      | باپ کی طرح بہت سے شہروں کا سفر کیا تھا اور           |
| كاتبه واجتمع مع ارحم الفضل والعلماء | مکہ منظرہ نیز دوسرے شہروں کے علم و فضلہ کے           |
| بمكة وغيرها وعاش ارجاء الكوفة       | پس رہا تھا یہودی عہد و رکابوں کی صحبت                |
| واشتغل وحصل من العلوم لقائمة        | میں بیٹھا تھا۔ قدیم علوم میں سے بہت سی جلیل القدر    |
| اشياء جليلة القدر ما واطلع على      | بہت سیکھی تھیں۔ فلسفہ اور حکمت سے بھی واقف           |
| علوم الفسفة واجزاء الحكمة يعلم      | تھا۔ اس نے اپنے باپ سے بھی طب اور دیگر               |
| من بني ايضا ما كان يعلم من الطب     | علوم جو وہ جانتا تھا سیکھے تھے۔                      |

وغیرہ :-

نکتن ہے دانش علم و حکمت میں نضر بن حرث ایران کے نسوری مدینہ کے علاوہ شام کے یعقوبی اور  
 نونہ حدیثی حقوق میں بھی پہنچا ہوا۔ اگرچہ اس کی کوئی شہادت نہیں ملتی لیکن اتنا یقینی ہے کہ نہ تو اس کی طبابت  
 مسلمانوں میں مقبول ہو سکی اور نہ وہ اپنے فلسفیانہ خیالات کو جنہیں علوم نبوت کا متبادل سمجھتا تھا اور جنہیں  
 مکہ، مدینہ شام کے یعقوبی عربیوں اور یونان و روم کے فلسفہ سے اخذ کیا ہو مسلمانوں تک پہنچا سکا کیونکہ  
 وہ مسلمانوں کے نزدیک ذہن تھا۔ ورنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید بغض و حسد رکھتا تھا اور اپنی  
 نفسیانہ معلومات کی بنیاد پر جو کہ وہ بیحد وحشیانہ ترفیع سمجھتا تھا۔ چنانچہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے :-

|                                     |                                             |
|-------------------------------------|---------------------------------------------|
| وكان النضر كثير الاذي وحسد النبي    | نضر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت |
| صلى الله عليه وسلم وتكلم فيه باسياء | زیادہ حسد رکھتا تھا اور آپ کو بڑی برا بھلا  |



تھی۔ غور کے خلاف بڑی زبان درازی کرتا  
تھے۔ کتاب کی قدر و منزلت اہل مکہ کی نظروں  
سے گرا دے اور اس کے گمان میں جس چیز کا آپ  
دعویٰ کرتے تھے اسے باطل کر دے مگر اپنی بختی  
سے آنا نہ سمجھتا تھا کہ نبوت بڑا مرتبہ ہے سعادت  
بڑی چیز ہے غایت الیہ اہل ہے اور جن امور  
کو قدرت نے مقدر کیا ہے وہ انت میں نظر کا  
تو یہ گمان تھا کہ اپنے اس ذلہری علم و فضل  
سے وہ نبوت کا مقابلہ کرے گا۔ لیکن یہ نسبت

فاکدہ عالم پاک

اس کی غیر مقبولیت کی مدیہ ہے کہ جب جنگ بدر میں وہ مخالفین کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے آیا اور  
شکست کے بعد قید ہوا تو وہ مسلمانوں میں اس درجہ مبغوض سمجھا گیا کہ باوجودیکہ اس رحمۃ اللعالمین نے بڑے بڑے  
شدید مخالفین کو رہا کر دیا مگر وہ دوسرے دشمن اسلام عقبہ بن ابی معیط کے ساتھ اس کی بھی گردن ماری گئی۔  
عبد بنوئی کا میر شہو طبیب جس کا ذکر تاریخ نے محفوظ رکھا ہے ابن ابی ریشہ ہے۔ اس کے متعلق  
قاضی صاحب نے لکھا ہے :-

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مشہور  
جبار ہیں۔۔۔ ابن ابی ریشہ انہی تھار  
یہ وہ عیب ہے جس نے روئید کی ہے کہ میں نے  
جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے درویش کو  
کے دربار میں نبوت کو دیکھی تھی اور میں نے ہاضمہ کی

فکان من الاطباء علی عہد النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم من الاطباء  
ابن ابی ریشہ النعمی وھو الذی  
قال ساءت بین کتفی لنبی صلی اللہ  
علیہ وسلم خاتم النبیین فقلت لہ انی

طبيب بله معنى اعالجہ فقال انت  
سافق والطبيب الله

میں طبیب ہوں مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کا  
علاج کروں تو حضور نے ارشاد فرمایا تو محض نفع  
ہے اور طبیب تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

ابن مہمل نے تو اس ارشاد نبویؐ کے یہ معنی بتائے ہیں کہ ابن ابی ریشہ کو نظری طب میں کوئی دستگاہ نہیں  
تھی وہ صرف عملی طب میں مہارت رکھتا تھا جیسا کہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے :-

كان طبيباً على عهد رسول الله صلى الله عليه

وہ عہد رسالت میں طبیب تھا اور عمل بالیہ اور

عليه وسلم من الأعمال اليد

جراحی میں مہارت رکھتا تھا۔

ومصنعة الجراح

ابن مہمل کے الفاظ یہ ہیں

قال سليمان بن حسان (ابن مہمل) نے لکھا ہے کہ جب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ ہلکے ہاتھ

کا ہے عمل جراحی میں، ہرے سیکن علم طب و نظری

طب میں کوئی دستگاہ نہیں رکھتا یہ بات ارشاد نبویؐ

”والطبيب الله“ سے ظاہر ہوتی ہے۔

لیکن وہ تصریح ہے کہ ابن ابی ریشہ جس تجربی طب (EMPIRICAL MEDICINE) میں کمال رکھتا تھا  
اس کی نگاہ نبوت میں کوئی وقعت نہ تھی۔ اور جب ”علم کتاب“ کے حضور میں اسے کوئی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی  
تو اصحاب رسولؐ میں اسے کیا قبول عام نصیب ہوتا۔

غرض اور تو اس عہد کے اطباء شامی نو فہ طوینیت کے بجائے ایرانی نستوریت کے خوشہ ہیں تھے، اور  
ثانیاً خواہ وہ نو فہ طوینیت کے خوشہ ہیں ہو یا ایرانی نستوریت کے کئی کئی کمال کو اسلامی سماج میں کوئی  
مقبولیت نصیب نہ ہو سکی۔ رہے شامی نو فہ طوینیت کے فلسفیانہ افکار جسے طب کے مادی کے ضمن میں کسی نے

لے جبات الاثم ص ۴۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳

یکٹھا ہو تو انھیں تو شہابی غیر مقبولیت کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ ان کے طالبین کو اس کوشش میں اپنی جان سے ہاتھ دھو کر پڑا اور پھر بھی کچھ حاصل نہ ہوا۔

|                        |                                                                                     |
|------------------------|-------------------------------------------------------------------------------------|
| خلافت راشدہ اور یونانی | کہا جاتا ہے کہ یونانی فلسفہ کے سلسلے میں سولہ زوں کا سب سے پہلے مہری حکماء سے سابقہ |
| تفسیر سے               | ہوا۔ مہر شمسہ درمابن شمسہ میں حضرت عمرو بن العاص کے ہاتھوں فتح ہوا                  |
| اولین مہینہ سابقہ      | منقولین میں سے جو گوگ فتح کی مبارکباد دینے آئے ان میں بیاں کیا جاتا ہے کہ           |

شہر فلسفی یحییٰ النخوی بھی تھا۔ ابن القفلی لکھا ہے :-

|                                                  |                                    |
|--------------------------------------------------|------------------------------------|
| یحییٰ النخوی ... حضرت عمرو بن العاص کے فتح       | یحییٰ النخوی ... عاشائی ان فتح     |
| عمرو اسکندریہ تک زندہ تھا وہ ان کی خدمت          | عمرو بن العاص مصر والا سکندریہ     |
| میں حاضر ہوا اور انھیں اس کے علمی مرتبہ اور      | وہ دخل ہی مصر و قد عرف موہبہ       |
| مستندات کا علم ہوا نیز اس واقعہ کا جو اسے اپنے   | من العلم واعتقاده وما جرى له مع    |
| ہم مذہب حبیبیوں کے ساتھ پیش آیا تھا لہذا         | انصارى فاکرمه عمرو وورائى له       |
| انھوں نے اس کی عزت و تکریم کی اور اسے ایک        | مريضاً وسمع كلامه في ابطال التثيبت |
| نمایاں مقام ... انھوں نے ابطال التثيبت میں       | فاجب به وسمع كلامه ايضا في انقضاء  |
| اس کی تقریر سن لی جو انھیں بہت پسند آئی نیز      | الدهر ففتن به و شاهد من حجه        |
| "انقضاء" دہر کے بحث پر اس کا کام سنا جس سے       | المنطقية وسمع من الفاظه الفلسفية   |
| وہ اس کے زید و جید بن گیا۔ نیز اس نے اس کے منطقی | التي لو تكن للعرب بها لسه ماها     |
| دلائل کو دیکھی وہ فلسفہ و ادب سے اس سے           | وكان عمرو عادلاً أحسن الاستماع     |
| اس عرب اس سے نہیں تھے۔ اس طرح اس کی              | معجم الفكر فلازمه وكان لا يكد      |
| علمی قابلیت سے مرعوب ہوئے۔ اور اس کا             | يفارق به                           |

... تین روزہ عرب کی بات تھی عرب سے و



انہیں صحیح غور و فکر کرنے والے تھے۔ لہذا انھوں نے  
اس کی صحبت کو لازم پکڑا اور کسی وقت بھی اسکی  
جہائی گوارا نہ کرتے تھے۔

ابن القفلی کے اس جملے سے کہ ”فلازمہ دکان کا یکا دینا صرفہ“ اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ حکیم ”امراء و رؤساء“  
دعمر بن العاص کی خلوت و جلوت کا ندیم تھا۔ لیکن اس سے جو قہر یہ لوگ رشتہ می میوں کی وساطت کے  
قائلین انکا لیا جلتے ہیں نہیں نکلتا۔

(۱) اولاً، تو یہ بیہوشی و اندھیاری سے زیادہ انسانہ ہے۔ دو باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ قدیم تاریخ اس واقعہ کے ذکر سے خاموش ہیں۔ فتح مصر کے قدیم ترین مآخذ ابن عبد الحکم کی ”فتح  
مصر“ و ”غریب“ اور ابودوری کی ”تہذیب“ میں ”مردوں نہ تو س ملاقات کا ذکر کرتے ہیں اور نہ حضرت  
دعمر بن العاص کے کتب نہ ذاکندریہ کو جلانے کا ذکر جو اس افانے کا نقطہ گماں ہے، حالانکہ کم از کم بلاذری  
فوجی مہموں کے علاوہ دوسرے دلچسپ واقعات کو بھی کبھی کبھی اسطراداً بیان کر دیتا ہے۔ قدیم مورخین کی  
خاموشی اسے مشکوک بناتی ہے۔

ب۔ دعمر بن العاص کی فتح مصر و اسکندریہ سے بہت پہلے یحییٰ النخوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے  
یہ بیہوش ملاقات ادنائے نفس ہے۔ خود مورخین نے بعد ازاں تصدیقات کے مطابق یحییٰ النخوی کا قابل نہیں ہوتا کہ  
عمر بن العاص ہو جاتا ہے۔ ابن ابی اصہبہ نے اسی بیان بختانی سے نقل کیا ہے۔

|                                        |                                              |
|----------------------------------------|----------------------------------------------|
| کان یحییٰ النخوی فی ایاہم عمر بن العاص | یحییٰ النخوی حضرت عمر بن العاص کے زمانہ میں  |
| وہ جب ایسے... وانہ قرأ علی             | تہ... کہ صدر اس میں کسی نہ تھا ہوتا          |
| ہر فیروز و تیرہ مورخین علی سر قلس      | مورخین نے اس میں یحییٰ النخوی اور عمر بن     |
| قال و یحییٰ النخوی یقول انہ ادراک      | سہمہ و جس سے ”یحییٰ النخوی“ سے بھی کچھ ہے کہ |
| سر قلس                                 | سے یحییٰ النخوی کے زمانہ میں...              |

برقلس (PROCLUS) کا سال وفات ۴۸۵ء ہے اور اسکندریہ کو حضرت عمرو بن العاصؓ نے ۶۴۲ء میں فتح کیا تھا یعنی برقلس کی وفات کے ۱۵۷ سال بعد۔ پھر ان موفین نے خود بھی نخوی کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے کچھ اوپر چالیس سال کی عمر تک صرف ملاحی کی اس کے بعد لکھنا پڑھا سیکھا۔  
 وَقَالَ قَدْ بَلَغْتَ سِتْغَاوًا رُبْعِينَ سَنَةً مِنَ الْعَمَلِ وَمَا ارْتَضَيْتَ بَشِيًّا وَمَا  
 عَرَفْتَ غَيْرَ ضَاعَةٍ الْمَلَا حَتَّى يَكُنْ

یعنی نخوی نے لکھا ہے کہ میری عمر کچھ اوپر چالیس سال ہو گئی تھی اور میں نے کچھ نہیں سیکھا تھا اور سوائے ملاحی کے اور کوئی کام نہیں جانتا تھا۔

پیتائیسؒ ۳ سال کی عمر میں اُس نے پڑھنا لکھنا سیکھا پھر نحو علمت اور منطق میں بھر حاصل کیا۔ ظاہر ہے اُس کے بعد ہی اُس نے برقلس کے سامنے انورئے ملذذہ کرنے کا ارادہ کیا ہوگا جواب بہت زیادہ بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس طرح ۶۴۲ء میں اس کی عمر دو سو سال سے کہیں زیادہ ہوگئی۔ پھر ابن ابی اصیبعہ بعض مسیحی تواریخ کے حوالے سے لکھا ہے۔

وجدت فی بعض تواریخ سفاری  
 ان یحیی النخوی کان فی الجمع الوابع  
 الذی اجتمع فی مدینة یقال لھا  
 خلد و نیه .. و نهر لما احمر  
 لدنیفہا کما نقوا المحر و مین ...  
 و نر فی مدینة قسطنطینیہ  
 یزید بعلقیا حتی مات مرقبان ...  
 میں نے سفاریؒ کی بعض تواریخ میں دیکھا ہے کہ یحیی النخوی وہ معاملہ جو تھی کرسس میں تھا جو شہر قسطنطنیہ میں منعقد ہوئی تھی۔ وہجا بدیر سے سے خارج از کیسا قرار دیا تو بڑے لوگوں کی طرح سے شہر بدر نہیں کیا ... وہ شہر قسطنطنیہ میں چھوڑ دیا گیا جہاں قیصر قین کی موت تک ...

سنة ۳۵۰ میں ہوئی تھی اور مرقبان کا انتقال ۳۵۰ء میں ہوا۔ ظاہر ہے ۳۵۰ء تک جس سال قسطنطنیہ کو قسطنطینیہ کہتے تھے النخوی کو ملعون و خارج از مذہب قرار دیا اس کی عمر چالیس سال

کے قریب ہوگی۔ اس طرح حضرت عمرو بن العاصؓ سے مہینہ ملاقات کے وقت اس کی عمر تقریباً ڈھائی سو سال ہوتی ہے اور اس وقت بھی حسب تصریح ابن القفلی اس کی ذہنی حالت بہت صحیح اور تندرست تھی کہ اس نے اپنی منطقی گفتگو سے حضرت عمرو بن العاصؓ کو اپنا گرویدہ بنایا۔ امور اس مہینہ ملاقات کو مشکوک بنا دینے کے لئے کافی ہیں۔

واقف رہے کہ یحییٰ النخعی کی شخصیت اسلامی ادب میں تا یہ بھی سے زیادہ افسانوی رہی ہے۔ یحییٰ نے صوان الحکمہ میں اسے اسکندریہ کے بجائے ایران میں رکھا یا ہے اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے عہد تک زندہ بتایا ہے۔

یحییٰ النخعی الملقب بالبطل والمنتو  
الحی الدیلم  
یحییٰ النخعی جو بطریق کے لقب سے لقب  
ہے اور دیلم کی طرف منسوب ہے۔

کان یحییٰ الدایلی من قداماء الحكماء  
وکان نصرانیاً فیلسوفاً فادعاه  
امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ  
عنہ انما حاجہ عن فاس من و تحریب  
دیور فکتب یحییٰ قصیدہ فی امیر المؤمنین  
وطلب منه الامان فکتب محمد بن  
الحنفیہ لہ کتاب الامان یا امر  
الہیہ المؤمنین۔ وقد رایت نسخہ  
من الکتاب فی ید من الحکیم ابی الفتح  
المستوفی النصرانی الطوسی۔

یحییٰ دایلی تدریم علماء میں سے ہے وہ نصرانی فلسفی  
تھا۔ اسے امیر المؤمنین حضرت علیؓ کے عامل نے  
ایران سے نکالنا اور اس کی فتنہ کو بتاوا  
کرنا چاہا تو یحییٰ نے پورا مدد لکھ کر امیر المؤمنین  
حضرت علیؓ کی خدمت میں روانہ کیا اور اس سے  
امان چاہی تو حضرت محمد بن الحنفیہ نے حضرت  
علیؓ کے حکم سے اس کے لئے امان نامہ لکھا۔ یہی  
کہا ہے کہ میں نے اس نامہ کی نقل ملک  
کے نحرانی حکیم ابو الفتح مستوفی کے پاس کی تھی۔

سب سے س کی عمر ڈھائی سو سال سے بھی زائد ہوتی ہے اور غیر معمولی حوصلہ عمر کیا تا یہ بھی



انجور ہے جس کا تاریخ قدیم کی نظروں سے اوجھل ہو جانا بجائے خود ایک انخراقِ عادت ہے۔ اور حبِ متاخرین کو اس کے استبعاد کا احساس ہوا تو انھوں نے اس کے ازالہ کے لئے ایک جملہ بڑھا دیا کہ یحییٰ نخوی نے عمر طویل پائی۔ چنانچہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ اسکندریہ میں جانیئوس کی کتابوں کو سات شخصوں نے ایڈٹ کیا اور

عمر من اھلۃ الامسکند رانیئیت  
یحییٰ النخوی الامسکند رانی الامسکند  
حتی لھا اوائل الاسلام  
اور اسکندریہ کے ان علماء میں سے یحییٰ نخوی  
اسکندرانی نے عمر طویل پائی یہاں تک کہ تاریخ  
اسلام کے ابتدائی زمانہ تک تھا

ابن الدیم کے زمانہ میں بھی یہ افسانہ رکھی نخوی اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی سینہ ملاقات ایک حقیقت سمجھا جاتا تھا مگر وہ اسے ہرقس اور امینیوس کے بجائے ساواری (SEVERUS) کا شاگرد بتاتا ہے۔ بائیںہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے ساتھ اس کی ملاقات پر اسے بھی اصرار ہے۔

احبار یحییٰ النخوی ..... معاش  
الی ان فحتہ سر علی یدی عمرا  
بن العاص۔ قد خل الیہ واکیمہ  
دری للہ موضعاً .....  
یحییٰ النخوی .... وہ اس وقت تک بقید حیات  
تھا جب کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے مہر کرنا  
کی وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھوں  
نے اُس کو بڑا اعزاز و اکرام کیا اور اپنے ہاں  
ایک مناسب مقام دیا۔

غالباً ابن الدیم کو یا جن لوگوں سے اُس نے اس ملاقات کو روایت کیا ہے یحییٰ النخوی کی ایک عبارت کو مدن پڑھنے سے ہوئی ہے جس سے ان لوگوں نے یہ حساب لگایا ہے کہ تصنیفِ فہرست کے وقت ۳۳۰ھ میں یحییٰ النخوی کو وہ عبارت لکھے ہوئے تین سہ ماہ سے اوپر ہوئے تھے۔ اس حساب سے یحییٰ النخوی اور حضرت عمرو بن العاصؓ کا ہمصر ہونا ثابت ہو جاتا ہے اور اس کے بعد دونوں کی ملاقات غیر مستبعد نہیں رہتی۔

کے قریب ہوگی۔ اس طرح حضرت عمرو بن العاصؓ سے مہینہ ملاقات کے وقت اس کی عمر تقریباً ڈھائی سو سال ہوتی ہے اور اس وقت بھی حسب تصریح ابن القفطی اس کی ذہنی حالت بہت صحیح اور تندرست تھی کہ اس نے اپنی منطقی گفتگو سے حضرت عمرو بن العاصؓ کو، پناہ گزیدہ بنایا، اور اس مہینہ ملاقات کو مشکوک بنا دینے کے لئے کافی ہیں۔

واقعہ ہے کہ یحییٰ النخوی کی شخصیت اسلامی ادب میں تالیفاتی سے زیادہ انصاف نوری رہی ہے۔ یحییٰ نے صوان الملک میں اسے اسکندریہ کے بجائے ایران میں دکھایا ہے اور حضرت علیؓ کو اللہ وجہہ کے عہد تک زندہ بتایا ہے :-

یحییٰ النخوی الملقب بالطریق والمنشور  
الی اللہ علیہ

کان یحییٰ اللہ علیہ من قدماء الحكماء  
وکان نصراً یباً فیلسوفاً قارداً عامل  
امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ  
عنہ امر عا جہ عن فارس و تخریب  
دیر فکتب یحییٰ قصتہ لى امیر المؤمنین  
و طلب منه الامان فکتب مجیز بن  
الحنفہ لى کتاب الامان بما مر  
منہ من فہمین۔ و قد رأیت نسخہ  
منہ کتاب فی یدى الحکیم ابی الفتح  
المستوفی الصرافى الطوسی۔

اس حساب سے اس کی عمر ڈھائی سو سال سے بھی زیادہ ہوتی ہے اور یہ غیر مہینہ قبول عمر کیا، یہ بھی

انجمن ہے جس کا تاریخ قدیم کی نظروں سے اچھل ہو جانا بجائے خود ایک انحراف عادت ہے۔ اور جب متاخرین کو اس کے استبداد کا احساس ہوا تو انھوں نے اس کے ازالہ کے لئے ایک جہلہ بڑھا دیا کہ یحییٰ نخوی نے عمر طویل پائی۔ چنانچہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ اسکندریہ میں بائینیوس کی کتابوں کو سات شخصوں نے ایڑاٹ کیا اور

عمر من لہ ۷۰ سال اسکندریہ میں  
یحییٰ النخوی اسکندریہ میں  
حتیٰ الحق ازلہ اسلہ ۷۰  
اور اسکندریہ کے ان علماء میں سے یحییٰ نخوی  
اسکندریہ میں عمر طویل پائی یہاں تک کہ تاریخ  
اسلام کے ابتدائی زمانہ تک تھا

ابن الندیم کے زمانہ میں بھی یہ انسانہ دیکھی نخوی اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی مہینہ ملاقات ہا ایک حقیقت سمجھا جاتا تھا مگر وہ اسے برقلس و امینیوس کے بجائے ساواری (SEVERUS) کا شاگرد بتاتا ہے۔ بائیںہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے ساتھ اس کی ملاقات پر اسے بھی اصرار ہے۔

احبار یحییٰ النخوی..... شعاش  
الی ان فحت اصرا علی میدی عملا  
بن العاص۔ قد خل الیہ واکوہ  
دریٰ لہ موصفاً.....  
یحییٰ النخوی..... وہ س وقت تک بقید حیات  
تھا جب کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے مہر کو بیچ  
کی وہ ان کی ندرت میں حاضر ہوا اور انھوں  
نے اُس کو بڑا اعزاز و اکرام کیا اور اپنے ہا

ایک مناسب مقام دیا۔

غالباً بن ندیم کو یا بن لوگوں سے اُس نے اس ملاقات کو روایت کیا ہے یحییٰ النخوی کی ایک ہر رت کو مد پڑھنے سے ہوئی ہے جس سے ان لوگوں نے یہ حساب لگایا ہے کہ تصنیف نہرست کے وقت ۷۰ سال میں یحییٰ النخوی کو وہ عبارت لکھے ہوئے تین سو سال سے اوپر ہوئے تھے۔ اس حساب سے یحییٰ نخوی اور حضرت عمرو بن العاصؓ کا بمصر ہونا ثابت ہو جاتا ہے اور اس کے بعد دونوں کی ملاقات غیر مستبعد نہیں رہتی۔





NOW THERE CAN BE VERY LITTLE DOUBT ABOUT THE FORMER POINT, JOHN WAS NOT ALIVE IN 642 I NEED NOT RECAPITULATE THE WHOLE PROOF OF THIS STATEMENT. IT IS KNOWN THAT JOHN WAS WRITING AS EARLY AS 540 IF NOT BEFORE THE ACCESSION OF JUSTINIAN IN 527; AND THOUGH HE MAY HAVE SURVIVED FOR A FEW YEARS AT THE BEGINNING OF THE SEVENTH CENTURY, IF HE HAD BEEN ALIVE IN THE YEAR 642 HE WOULD NOT HAVE BEEN LESS THAN 120 YEARS. IT IS THEREFORE CLEAR THAT "PHILOPONUS HAD BEEN DEAD FOR SOME THIRTY OR FORTY YEARS WHEN AMR ENTERED ALEXANDRIA"

اب اس میں سے پہلی بات کے متعلق تو کوئی شک نہیں ہے۔ مگر ۶۴۲ء میں بقید حیات نہیں تھا۔ میرے لئے اس دعوے کے تمام دلائل کو جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ معلوم ہے کہ اگر قتیہ حبشیہ کی تخت نشینی سے ۶۴۲ء میں نہیں تو کم از کم کچھ انجروی سنہ ۶۴۲ء میں ضرور تصنیف و تصنیف کے اندر مستعمل تھا اور ہر خیال کہ وہ ساتویں صدی کے آغاز میں کچھ سال زندہ رہا ہو اگر وہ ۶۴۲ء میں زندہ ہوتا تو اس کی عمر سنہ سال سے کم نہ ہوتی

ہذا یہ ثابت ہے کہ فیو پوس (یعنی) سمیریوں کے قتل کے سکریم میں داخل ہونے سے نوے تیس چالیس سال پہلے مر چکا تھا)

ظاہر ہے جب یحییٰ النخوی فتح مصر و اسکندریہ سے ایک قرن یا تیس چالیس سال پہلے مر چکا ہو تو حضرت عمرو بن العاصؓ کے ساتھ اس کی ملاقات کیسی۔ اور جب ملاقات ہی نہیں ہوئی تو امر اور دوسارے عرب میں فلسفہ کو ستارے کرنے کا کیا سوال۔

دہ تہا یہ: اگر علی سبیل التزلزل فرض کر لیا جائے کہ یہ قہر صحیح ہے تب بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یحییٰ النخوی نے مسلمانوں میں فلسفہ کو ہر دلعزیز بنایا یا کسی عقلی ٹوٹکانی کی تحریک کو پیدا کیا۔  
ادھر اس قصہ کی تین روایتیں گزری ہیں: ابن الندیم کی، ابن النفعلی کی اور یحییٰ کی روایت تو یقیناً غلط ہے یحییٰ النخوی نہ دہلی تھا نہ ایران میں اس کی خانقاہ تھی۔ باقی دو روایتوں سے بھی اگر انھیں صحیح فرض کر لیا جائے تو بجائے یہ ثابت ہونے کے کہ یحییٰ النخوی نے مسلمانوں کو فلسفہ کا چمکا لگا یا یہی ثابت ہوتا ہے کہ فلسفہ مسلمانوں میں قطعاً غیر مقبول ثابت ہوا۔

۱۔ ابن الندیم نے صرف اس قدر لکھا ہے:-

وَعَامَشَ إِلَى أَنْ نَحْتِ مَصْرَ عَلَى يَدَي

دیکھی النخوی، جس وقت تک بقید حیات تھا جب کہ

عمر و بن العاص قد خَلَّ إِلَيْهِ وَآكَرَ

حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر کو فتح کیا۔ وہ

وَرَأَى لَهُ مَوْضِعًا

اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھوں نے اُس کا

.....

بڑا اعزاز و کرام کیا اور اپنے یہاں ایک مناسبت

.....

مقام دیا۔

لیکن اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالنے کے بجائے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ فلسفہ کے گرویدہ ہو گئے، اس سے اُن کے حُسن تدبیر پر محمود کرنا اقرب الی الصواب ہو گا۔ ان کی سیرت ہمارے سامنے ہے۔ ”مکر و دیا“ اُن کا اقباری وصف تھا چنانچہ ابن عساکر نے شعبی سے روایت کیا ہے۔

قَالَ دَهَلَا الْعَرَبُ اس بَعَثَ مَعَاوِيَةَ

عرب سیاست دان چار ہیں امیر معاویہ حضرت

عمرو بن العاصؓ، سفیر بن شعبہ، زید بن ابیہ

وعمرو بن العاصؓ و المعیر بن شعبہ



وَسَيَا دَ . فَا مَامَعَا وِيَه فَلِلْعَلْمِ وَالْاَعْلَا  
 وَا مَاعَمِ وَا لِمَعْلَا ت .....  
 امیر معاویہ اپنے ختم دہر دہری کے لئے اور حضرت  
 عمرو بن العاص منسل پچیدگیوں کو سلجھانے کے

لئے مشہور ہیں۔

اور اس مزاج کے لوگوں کو فلسفیانہ ترقی سے کم دلچسپی ہوا کرتی ہے اگرچہ وہ ظاہری کیا کرتے ہیں کہ انہیں ان مباحث سے خصوصی ذوق ہے۔

اس بات کا بھی ارکان ہے کہ ان کے اس اغراض اکرام اور حسن استماع میں کوئی سیاسی چاں مضمر ہو۔ اس کے لئے فتح عرب سے پہلے کے مصر کی معاشرتی و مذہبی حالت کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ مصر کی اس سے پہلے کی تاریخ رومن بالادستی کے خلاف مسلسل نفرت اور مختلف فرقوں کی کشمکش کی ایک آئینہ دار داستان ہے جو تھمبی صدی سچی کے ربع دوم سے جو یہ مذہبی مناسبات شروع ہوئے تو آخر تک ختم ہونے کا نام نہیں لیا جس فرقہ کو سیاسی غلبہ حاصل ہو جاتا وہ اپنے مخالفین کو ماعین و خارج از کلیسا قرار دے دیتا۔ ان مذہبی نزاعوں نے مصر کی قومی یکجہتی اور سیاسی استحکام کو بارہ بارہ کر دیا تھا اور اسی اندرونی ضعف کی وجہ سے پہلے اپنا اس اور پھر عرب ان پر اس آسانی سے قابو پا گئے۔

بہر حال اسی مذہبی تنگ نظری کا شکار کئی انجمن تھیں جو فقہ و نیہ کی مذہبی کونسل نے خارج از دین قرار دیا تھا۔ لہذا اگر اس مبینہ ملاقات کو صحیح فرض کیا جائے تو اس کی دلیل صرف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے ایک سیاست (DIPLOMAT) کی طرح تہرید و نصیحت کو اپنے یہاں بار دیا اور ان کے خبیات و مواعظ کو سننے اور ان پر ظہار و افتراء کرنے کے ذریعے ان کی بہت فزائی کی تاکہ منقوصین میں مذہبی تفریق بنی رہے اور دہشت گردانہ فتنوں کے خلاف متحدہ جہاد نہ کر سکیں

ب۔ بن لفظی کابینہ بہت زیادہ مفصل ہے۔ اس نے صرف اس اعزاز کو کام کا اور گرویدگی و افتخار ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سارے قصبے کا جوڑ بیکار ہے یعنی اسٹریٹ کے کتب خانہ کے جلانے کا فائدہ اس کی بھی تفصیل دی ہے۔ چنانچہ اعزاز و اکرام اور گرویدگی کے ذکر کے بعد جو پیر مذکور ہو چکا ہے وہ

نہ تاریخ الخلفاء لیسبرٹی ص ۱۳۰۔

کھتا ہے :

ثم قال له يحيى يوماً انك قد اخطت  
بجواصل الاسكندرية وختمت على  
كل الاصناف الموجودة بها. فاما  
مالك به انتفاع فلا اعارضك فيه  
واما ما لا نفع لكم به فنحن اولى به.  
فامر بالافراج عنه فقال له عمر  
والذي تحتاج اليه قال كتب الحكمة  
في خزائن الملوكيه وقد اوقعت الخو  
عيا رنح تحتاجون اليها ولا نفع  
لكم بها فقال له ومن جمع لهذا  
الكتب وما قصتها .....  
.....

پھر ایک دن یحییٰ النخوی نے اُس سے کہا کہ آپ نے  
پورے اسکندریہ پر پیر و ٹھکانے کی جو چیزیں  
فائدہ کی ہے اس کے لئے ہم آپ سے کچھ نہیں  
کہتے البتہ جو چیز آپ کے لئے بے کار ہے تو پھر  
اُس کے ہم زیادہ سختی میں لے آئیے اس پر سے  
پیر و اٹھانے کا حکم دیدیجئے حضرت عمر بن العاصؓ  
نے دریافت کیا کہ کیا چیز ہے جس کی تمہیں ضرورت  
ہے تو یحییٰ النخوی نے کہا کہ یہی کتب خانہ کی  
حکمت و فلسفہ کی کتابیں جن پر آپ نے پیر و لگا  
دیا ہے درحقیقت میں کچھ فائدہ نہیں اور آپ کے  
لئے وہ بے کار ہیں تو انھیں نے یہ لوچھو۔ ان کتابوں  
کو کس نے جمع کیا اور ان کا کیا فائدہ ہے۔

اس پر یحییٰ النخوی نے اس مشہور لائبریری کا قصہ سنایا کہ کس طرح بطیموس نبداؤنیفیس نے اس کی بنیاد ڈالی اور  
کس طرح بعد رنجی کئے راتوں رات اس میں اضافہ کرتے رہے۔ اسے سکر حضرت عمر بن العاصؓ کو پڑا تعجب ہو۔  
اللہ تعالیٰ !

قال لا يكتفى ان امر فيها الا بعد استئذان  
امير المؤمنين عمر بن الخطاب وكتب  
لوعمر وعرفه قول يحيى الذي ذكرناه  
حضرت عمر بن العاصؓ نے فرمایا میرے لئے اس  
معد میں حکم جاری کرنا ناممکن ہے مگر یہ المومنین  
حضرت عمر بن الخطابؓ سے اجازت لینے کے بعد

و استاذہ ما الذی یضع فیہا نور  
 علیہ کتاب عمر یقول فیہ واما  
 الکتب الّتی ذکر بقا مان کان فیہا  
 ما یوافق کتاب اللہ ففی کتاب اللہ  
 عنہ غنی وان کان فیہا ما یخالف  
 کتاب اللہ فلا حرجہ الیہا فقد  
 باعد امہا فشرع عمر و بن العاص  
 فی تفرقہا علی حجامات الاسکندر  
 و احرقہا فی مواقدھا و ذکر  
 عدد کمال الحما مات یومئذ و السیما  
 و ذکر و انہا استقدت فی مدائن  
 متہ اشہر فاسمع ما جری  
 و اعجب

اور بھوں نے حضرت عمرؓ کو ایک خط لکھا جس میں  
 بخی، انجری کہنا یا ہوا اور واقعہ درج کیا اور  
 ان سے ہر بیت طلب کی کہ اس بارے میں کیا کی  
 جائے۔ پس ان کے پاس حضرت عمرؓ کا خط آیا جس  
 میں تھا: وہ کہتے ہیں جس کا تم نے ذکر کیا ہے تو  
 اگر ان کا منہ کتب اللہ کے موافق ہے تو ہمارے  
 لئے صرف اتنا کہ کتاب کافی ہے، ورنہ اس میں  
 کتاب اللہ کے خلاف لکھا ہے تو ہمیں ان کی کوئی  
 ضرورت نہیں۔ لہذا انھیں براہِ ذکر دو۔ پس حضرت  
 عمرؓ نے انھیں سکندریہ کے جہازوں  
 میں تھیلے بنا کر دے کر دیا اور انھیں جہازوں کی کھوپڑیوں  
 میں بھر دیا۔ اس وقت خلیفہ جامع تھے ان کی تعداد  
 بنائی گئی تھی۔ عمرؓ میں بھری گئی۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ  
 چوہا آٹھ سو تھیں۔ پس اس میں واقعہ کو  
 سنو اور تعجب کرو۔

اس فساد کا سرور پیر دونوں درویش باقی کے بدترین نمونے ہیں کیونکہ جب کہ پھر درویش یا مہربان  
 کی تصریحات اور مذکور ہوئیں نہ حضرت عمرؓ بن العاصؓ سے کی انجری کی مروت ہوئی تھی ورنہ ان کے لئے  
 وقت ہی نہ مریخی سکندریہ میں باقی تھی جب کہ وہ دین میں بیٹھے تھے۔ تعجب و شک نہ ہو کہ  
 باہر رہتے ہوئے جو بہت پہلے قسطنطنیہ میں منتقل ہو چکی تھیں جب کہ بریتہ جو سکندریہ کی قدیم ترین بندرگاہ تھی  
 سمجھا جاتا ہے۔ لکھا ہے۔



یہ بات مشکل ہے بلکہ شاید ممکن بھی کہ ہم چوتھی صدی عیسوی کے اختتام کے بعد اسکندریہ میں کسی واقعی لائبریری کا وجود فرض کر سکیں۔

اسی طرح کریفٹن ملنی (CRAFTON MILNE) لکھتا ہے۔

”چوتھی صدی میں شہر اسکندریہ کے اندر کسی لائبریری کے موجود ہونے کا ثبوت نہیں ملتا اور یہ فرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہاں کسی مذہبی یا ملکی حاکم نے کسی کتب خانہ کی نگہداشت کی زحمت کی ہو۔“

لیکن اس مختصر مقالے کا موضوع کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کے افسانہ پر تبصرہ کرنا نہیں ہے۔ فرض کیجئے ”اخلاق اکاذیب“ کا یہ شاہکار صحیح تھا تو اس سے اس کے سوا اور کیا ثابت ہو سکتا ہے کہ قدیم ترین فلسفی جس سوسائٹی کا سابقہ ہوا وہ ان میں کسی پادار اور دیر پا عقلی تحریک کی بنیاد ڈالتا تو درکنار اسلام کی اجتماعی فکر کو آنا بھی ہوتا نہ کر سکا کہ اور کچھ نہیں تو کم از کم اپنے ہی واسطے فلسفہ کے مطالعہ کے لئے اسکندریہ کی لائبریری سے استفادہ کی اجازت لے لیتا۔

بھرسلانوں نے اپنی سینٹیہ نکلت دشمنی کا ثبوت تو بعد میں دیا۔ اس سے پہلے ہی اس فلسفی کو یقین ہو چکا تھا کہ اس کی تین دن کی جمالت و ہم نشینی بھی اس سلسلہ میں کسی عقلی مویشگافی کی تحریک پیدا نہیں کر سکی۔ اس لئے ایسے لوگوں کے لئے علم و حکمت کے جو اہر بارے سبے کار ہیں اور بجائے اس کے کہ ان کی تولیت میں علوم الاولیاء کے ان نوادر کو دیکھ کھا کر ختم کریں۔ یہ لائبریری اسے اور اس کے ہم مذاق حکماء ہی کو دیدی جائے جو اس کی قدر کر سکتے تھے اسی وجہ سے اس نے کہا تھا۔

”فاما مالک به انتفاع فلا عارضه واما ما لا نفع لکعبه

فمن اولیٰ به“

EV. BRECCIA: ALEXANDREA AD AEGYPTUM P. 49

بحوالہ التراث ایژ، فی ص ۴۱۔

J. CRAFTON MILNE: HISTORY OF EGYPT UNDER

ROMAN RULE, P. 95

اگر کئی النحوی نے حضرت عمرو بن العاصؓ اور دیگر عربوں میں فلسفہ و حکمت کا شوق پیدا کر دیا ہو، یا اسے امید ہوئی کہ یہ نو تمدن بادین نشین مستقبل میں یونانی عقلیات سمجھنے کی رحمت گوارا کریں گے تو وہ اس لائبریری کو مکالمہ نفع لکھ رہے تعبیر نہ کرتا، بلکہ انھیں اس سے استفادہ کا شوق دلاتا۔

نرض بعد خلافت راشدہ ۱۱۔ ۱۲ میں تنہا مثال کئی النحوی کی ہے جس سے مسلمانوں کا سابقہ بتایا جاتا ہے، مگر تاریخی تنقید کی کوئی پرکھنے سے یہ قصہ افسانہ ثابت ہوتا ہے اور اگر تاریخی حقیقت بھی ثابت ہو تو اس سے صرف یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ خواہ کئی النحوی نے کوشش کی ہو یا نہ کی ہو یونانی عقلیات مسلمانوں میں مقبول نہ ہو سکی۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی یاد میں شائع ہونے والا

واحد ہفت مرتبہ

”الہدای“ اور ”البلاغ“

کی عظیم روایات کا آئینہ دار

نوع بنوع مقالوں، ادبی شہ پاروں، سیاسی تصویروں اور تازہ ترین بین الاقوامی معلومات اور معلومات کے ساتھ ہر سچ کو پوری پابندی سے شائع ہوتا ہے۔ مولانا آزاد کی لائق نگارشات اور ان کے افکار و خیالات پر گرانقدر مضامین ”الکلام“ کی امتیازی خصوصیت ہے۔ ملک کے نامور ادیبوں اور عالموں اور صحافی رسانی و جرائد نے الکلام کے میاں کو سراہا ہے۔ صحافی کتابت و طباعت میں یکاظر۔

آرٹ ہیر کا، ٹیکل قیمت فی پرچہ ۲۵ نئے پیسے اور سا چنڈ ۱۲ روپے۔ پتہ: ”الکلام“ پٹنہ ۸۵

# فقہی احکام میں تخفیف و سہولت کے

## چند اسباب

(۱) ازموذنا، محظوظی، حیثیت، منی، صدور مدرس، دارالعلوم، عینہ، اجیر شریف

زیر میں چند وہ اسباب بیان کئے جاتے ہیں، جن سے احکام میں تخفیف و سہولت کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور نئے نئے حالات و مسائل کا حل تلاش کرنے میں بھی نہ بے بڑی حد تک مدد ملتی ہے۔  
 فقہان نے الہی، پالیسی اور عمومی مقاصد کے تحت اس قسم کے آٹھ اسباب بیان کئے ہیں (۱) سفر (۲) مرض (۳) اگر، "جبر و بردستی" (۴) نین "بھونا" (۵) جہل "لا علمی" (۶) عسر "مشکل" اور دشواری میں پڑ جانا، (۷) عموم البلوئی "عام طور پر لوگوں کا تہذا ہونا" (۸) نقص "قدرتی طور پر کمی" ہر ایک کی تفصیل یہ ہے۔

|                   |                                                                 |
|-------------------|-----------------------------------------------------------------|
| سفر کی وہیے نمٹتی | ۱۔ سفر کی دو قسمیں ہیں اور ان دونوں سے متعلق رخصت و سہولتیں درج |
| سہولتیں           | ذیل میں۔                                                        |

(۲) شرعی سفر یہ کہ زکوٰۃ میں کا ہوتا ہے اتنی دور کی مسافت کا اگر وہاں کے چلنے سے سب ذکوہ و تمام سہولتیں حاصل ہو جاتی ہیں جو ہی شریعت نے سے عطا فرمائی ہیں مثلاً بجائے چار رکعت کے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت ہوتی ہے بستر کی تکیہ ختم ہو جاتی ہے۔ روزہ ہیں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے روزہ پڑھنے میں عزمین۔ تاکم صبح کرتے رہنا جائز ہوتا ہے اور قربانی اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔



(ب) عام کاروباری سفر۔ اس میں مذکور پہلی مسافت کی قید نہیں ہے بلکہ انسان اپنے روزمرہ کے کاروبار کے سلسلہ میں وطن سے کچھ دور نکل جاتا ہے اور جلد ہی واپس آتا ہے۔ اس سفر کی زچھتوں میں جمعہ۔ عیدین اور جماعت کے ترک کی اجازت۔ پانی ایک میل دور ہونے کی صورت میں تمیم کا جواز اور جانور پر سوار نوافل پڑھنے کی اجازت وغیرہ شامل ہیں۔

مرض کی وجہ سے شرمی سہویتی | (۲) مرض کے حالات کی خصوصیتیں فقہی احکام میں بہت ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔ روزہ اور غسل کرنے میں مرض پڑ جاسکتا ہے اس کے زیر میں اچھے ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کی اجازت ہے۔ مرض کی حالت میں بیچ کر بیٹ کر شاذ کے ذریعہ جس طرح بھی سہویت ہونا پڑے پڑھنا جائز ہے۔ روزہ کے دنوں میں روزہ نہ رکھنا مرض کی وجہ سے عسکات سے ہر روز چنانچہ میں پناہ نام تمام شخص بھیج دینا وغیرہ سب کی گنجائش ہے۔

اسی طرح بہت سی ممنوع چیزیں بھی مرض کی وجہ سے مباح ہو جاتی ہیں مثلاً بخش چیزوں اور شراب وغیرہ سے عداوت کرنا، طاق میں کوئی چیز بھینس جائے تو حرم حلال جس کے ذریعہ بھی ٹکڑ ہو گا وہ حلال کرنا۔ تو کٹر اور حکیم کو ان مقامات کا معائنہ کرنا جن کے دیکھنے کی عام حالت میں اجازت نہیں ہوتی۔ البتہ اس اجازت کو با ضرورت کام میں لانا، ضرورت کی حد سے تجاوز کرنا، غلط استعمال کرنا یہ سب سہویتی ممنوع ہیں۔ الہی شریعت کی جو خصوصیات اور سہولتیں ضرورت کی بنا پر ہوتی ہیں وہیں ضرورت ہی کی حد تک مقرر ہوتی ہیں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔

چہرہ رشت کی نہیں | (۳) اگر وہ جس کا مگر کرنا چاہے اس کے کرنے پر بہرہ رشتی مجبور کیا جائے

فقہاء نے اس کی مٹ میں بیان کی ہیں۔

(۱) جس شخص پر زبردستی کی گئی ہے اس کو جس حرت مجبور دے جس بنا پر اس کے کسی کی رضا نہ ہو خیار کا سوا ہی نہ رہتا ہے یہ حالت اس صورت میں پائی جاتی ہے کہ کب دانے میں قتل کرے کسی عضو کو ہٹ کر دینے کا اندیشہ ہو یا ہر بے کو کوئی شخص اپنی جان یا عضو کے ہٹ کو پر خوار غبت نہ ہو کر رنج روزہ ہی اپنے قصور و اختیار سے اس صورت حال کو گوارا کرنے کے لئے تیار ہوگا۔

(ب) جان یا عضو کے تلف کا اندیشہ نہ ہو لیکن کہنا کہ ماننے کی عورت میں عہدہ دراز تک قید و بند میں رہنے کی سختی ہوں۔ اس حالت میں رضامندی بیشک نہیں پائی جاتی ہے لیکن اختیار بہر حال باقی رہتا ہے نیز مجبوری یا بے بسی کی پہلی ایسی حالت نہیں پائی جاتی ہے۔

(ج) جس شخص پر زبردستی کی جا رہی ہے خود اس کے قید و بند میں رہنے کا سواں نہ ہو بلکہ اس کے عزیز قریب باپ بیٹے وغیرہ کے لئے قید و بند کی صعوبتیں درپیش ہوں۔ اس کا دیرہ دو دوسری قسم سے بھی کمتر ہے۔ اس میں رضامندی اور اختیار دونوں باقی رہ سکتے ہیں۔

|                                 |                                                                     |
|---------------------------------|---------------------------------------------------------------------|
| جہ زبردستی انسان کو مرفوعہ اعلم | فقہاء کے نزدیک جہ زبردستی کی کوئی قسم بھی انسان کو مرفوعہ اعلم نہیں |
| نہیں بناتی ہے                   | بناتی ہے مگر شرعی احکام کا نفی طبع و سماعت ہر صورت میں رہا رہتا     |

ہے البتہ موقع و محل کے لحاظ سے تخفیف و سہولت کی شکلیں نکال دی جاتی ہیں جن کی اہولی رنگ میں تفصیل یہ ہے۔

جہ زبردستی (۱) توں میں ہو (۲) یا فعل میں ہو یعنی کسی بات کے بچنے پر انسان کو مجبور کیا جائے یا کسی کام کے کرنے پر مجبور کیا جائے جن صورتوں میں انسان دوسرے شخص کا آلہ بن سکتا ہے ان میں یہ دوسرا شخص ہی ذمہ دار قرار دیا جائے گا جس پر زبردستی کی گئی ہے وہ پہلی الذمہ ہو گا مثلاً کسی شخص کو کسی کے مار ڈالنے پر یا کسی کو مال تلف کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے قتل کر دیا یا مال ضائع کر دیا تو یہاں دیت و جان کا تعلق (ان) اور مال کا (ان) زبردستی کرنے والے پر ہو گا۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کی صورتیں اقوال میں نہیں پائی جاسکتی ہیں کیونکہ دوسرے شخص کی زبان سے کلام نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے کہ ہم بھی ایسے ہیں جن میں انسان دوسرے کا آلہ نہیں بن سکتا ہے اس فرق سے حفاظت کے لئے توں و افعال کی درجہ ذیل تقسیم کی ہے

|                        |                                                                                                                                                                         |
|------------------------|-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|
| اقوال و افعال میں حکام | (۱) وہ بات گریسی سے جس کو شرعی لحاظ سے قابلِ اعتبار بنانے کے لئے قائل کی                                                                                                |
| کی تفصیل               | رضامندی ضروری نہیں ہے ہر فن زبان سے نکال دینا ہی کافی ہے نیز کہنے کے بعد وہ بات کا عدم اثر کا زوال نہ ہو سکتی ہو تو زبردستی کہتے ہیں وہ بات واقع ہو جائے گی مثلاً کھانچ |





یہ شخص جبر و برہستی کی وجہ سے ایسا کرنے پر مجبور ہوا۔

رخصت و سہولت اثرات | جبر و اکراہ کی موجودہ صورتوں میں الہی شریعت نے اثرات و نتائج کے لحاظ سے رخصت و نتائج کے لحاظ سے ہیں | و سہولت کی شکلیں مرتب کی ہیں یعنی جن صورتوں کا اثر خود انسان کی ذات تک محدود ہوتا ہے ان میں کافی وسعت اور فراخ جوہنگی سے کام لیا ہے اور جن کا اثر دوسروں تک سرایت کرتا ہے ان میں تنگی اور حد بندی زیادہ پائی جاتی ہے ظاہر ہے کہ ضرر لازم اور ضرر متعدی کے فرق کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ فقہاء کے نزدیک اسی اصول کے تحت جبر و اکراہ کی بعض صورتوں پر عمل کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے مثلاً

(۱) کسی شخص کو بدکاری پر مجبور کیا جائے تو اس کو جس فعل کے کرنے کی اجازت نہ ہوگی کیونکہ اس میں نسب کی خرابی اور بچہ کے بے گونا گوں پریشائیاں ایسی ہیں کہ جن کا اثر کہیں سے کہیں پہنچتا ہے اس بنا پر ایک لحاظ سے یہ فعل قتل نفس کی مراد ہے۔

(۲) کسی شخص کے قتل پر یا عضو کے کھٹنے پر مجبور کیا جائے تو اس صورت میں بھی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اپنی جان پر عضو کے بچانے کے لئے دوسرے کی جان و عضو سے کھیلنا الہی یا ایسی اور احترام انسانیت کے منافی ہے یہاں تو خود کو فنا کر کے دوسروں کے لئے بقا کا سامان فراہم کرنے کے فلسفہ پر عمل درآمد کا حکم ہے نہ یہ کہ دوسروں کو فنا کر کے خود کو بقاء رکھا جائے۔

بعض ذمہ دہورتوں میں جن میں رخصت ہے یہ ہیں۔

(۱) مردار اور حرام چیز کے کھانے پر نہ برہستی کی جائے تو جان بچانے کے لئے ان کا استعمال ضروری ہے اگر استعمال نہ کیا در قتل کر دیا گیا تو الہی شریعت میں وہ مجرم گردانا جائے گا ایک طرف جان کا بچنا فرض ہے اور دوسری طرف ان چیزوں کا ضروری پہلی صورتوں جیسا متعدی بھی نہیں ہے اس بنا پر اس رخصت پر عمل نہ کرنا بھی جرم ہے۔

(۲) کلمہ کفر کہنے پر نہ برہستی کی جائے اور اس کو دل ایمان پر مطمئن ہو تو اس بات کی اجازت ہے کہ نہ بن سے کہے اگر نہ کہا اور قتل کر دیا گیا تو مجرم نہ ہوگا بلکہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ ان دونوں

مہورتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی میں جبر و اکراہ کی وجہ سے فعل کی حرمت ہی ختم ہو گئی تھی اب وہ فعل بجائے حرام کے باج بن گیا تھا ظاہر ہے کہ باج کے استعمال سے رکن اور اپنے کو ہلاکت میں ڈال کر حرم و گنہ کا موجب ہے۔ اور دوسری مہورت میں فعل کی حرمت بدستور قائم تھی جبر و اکراہ کی وجہ سے حفاظت نفس کی خاطر رخصت دے دی گئی تھی اس رخصت پر عمل نہ کرنے سے حرمت کا احترام کیا اور عزیت پر عمل کیا اس بنا پر اجر و ثواب کا مستحق ہو گا۔

نسیاں کی وجہ سے (۴) نسیان دھول جائے

شرعی سہولتیں بھول کر بے محل بات یا کام کرنے سے گناہ نہیں ہوتا بے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرچہ ذیل حدیث میں یہی مراد ہے۔

ان الله تعالى وضع عن امتي الخطا

نہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور نسیان

والنسيان

اتحاد یہ ہے۔

ربی یہ بات کہ اس کا تدارک بھی واجب نہ ہو نسیاں کی حالت میں بس جو ہو گیا وہ ہو گیا اس لحاظ سے ابی شریعت میں نسیان کوئی عذر نہیں ہے چنانچہ فقہار کے نزدیک تدارک کی تفہیم یہ بیان کی جاتی ہے۔

(۱) نسیاں کی وجہ سے کسی حکم پر عمل درآمد نہ ہو سکا تو بعد میں اس کی قضا واجب ہے نہ پڑھنا بھول گیا یا روزہ نہ کوئے حج کفارہ نذر دمنت وغیرہ کی ادائیگی یا دین نہ ہی تو ان سب مہورتوں میں قضا واجب ہے البتہ گناہ نہ ہو گا۔

(۲) نسیان کی وجہ سے کسی ایسے کام کا ارتکاب کر لیا جس کی ممانعت تھی تو اللہ تعالیٰ اس پر سزا نہیں دے گا لیکن عدالتی فیصلہ سے نجات نہ مل سکے گی مثلاً بھول کر کسی کا مال خائن کر دیا تو اس کا تدارک ان ادائیگوں سے گناہ اتنی رعایت نہ ہو کہ عدالت حتی الامکان سزا سے گریز کرے گی بشرطیکہ نسیان کا ثبوت فراہم ہو جائے

(۳) جن امور میں شرعی لحاظ سے زبان سے صرف الفاظ نکال دینا کافی ہے بھول کر ان کے

کرنے سے بھی وہ امور واقع ہو جائیں گے مثلاً یمن رستم، طلاق کہ ان میں جان بوجھ اور بھول دونوں ہر ایک  
 (۴) جس فعل میں نسیان ہوا ہے اگر اس کی ایسی حالت ہے کہ وہ حالت خود ہی دور نہ والی ہوتی  
 رہتی ہے تو بھول کر اس کے خلاف کرنے سے وہ باطل ہو جائے گا مثلاً زمین کھپنی لیا یا کلام کیا تو چونکہ نماز  
 کی حالت ایسی نہیں ہے کہ بالعموم انسان کو یاد نہ رہے نیز کھانے پینے وغیرہ کا داعیہ بھی اس میں نہیں  
 پایا جاتا ہے اس بنا پر نماز باطل ہو جائے گی۔

(۵) اگر وہ فعل ایسا نہیں ہے بلکہ بات یا ذہن نہیں رہتا ہے اور داعیہ بھی پایا جاتا ہے تو اس صورت  
 میں بھول کر اس کے خلاف کرنے سے وہ باطل نہ ہوگا مثلاً روزہ کی حالت کہ اس میں کھانے پینے کی طرف رغبت  
 موجود ہوتی ہے اور بات وقت انسان کی نشتر سے روزہ داخل بھی ہو جاتا ہے اس بنا پر روزہ کی حالت میں  
 بھول کر کھپنی لینے سے روزہ نہ باطل ہوگا اسی طرح ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو وہ ذبیحہ درست  
 ہو جائے گا کیونکہ کبھی تو انسان پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور کبھی طبعاً ذبح کرنے سے انتہا غم ہوتا ہے یہ  
 باتیں ایسی ہیں کہ یاد دہانے والی نہیں کہی جاسکتی ہیں۔

|                     |                                                                        |
|---------------------|------------------------------------------------------------------------|
| جہل دلائلی کی رو سے | (۵) جہل دلائلی کی فقہانے کی قیاس بیان کی ہیں اور حنفی الامکان سہولت کی |
| شرعی سہولتیں        | صورت میں نکالی ہیں۔                                                    |

(۶) اسلام کی بنیادی تعلیم تو حید و رسالت وغیرہ سے ماضی دنیوی اور عدالتی مواخذہ سے بری  
 کر دے گی لیکن اخروی مواخذہ سے برت نہ ہو سکے گی ایک غیر مسلم اس بات کا ممکن ہے کہ وہ بنیادی تعلیمات  
 سے واقفیت حاصل کر کے اس پر عمل پیرا ہو اس کے باوجود اگر وہ لاعلم رہتا ہے تو دنیوی معاملات میں وہ  
 مندور سمجھا جائے گا کیونکہ اپنی شریعت نے دین کے معاملہ میں جہل و برہنہ کی کوئی شکل بھی برداشت نہیں کی  
 (۷) جن مسائل میں جہل و گنجائش موجود ہیں اس صورت سے علمی غلطی قرار پائے گی مثلاً کسی نے  
 سمجھا کہ بچپنہ لگانے سے روزہ نافذ ہو جاتا ہے پھر چون بوجھ کر کی پنی یہ تو روزہ کا کفر نہ واجب ہوگا کیونکہ بعض  
 تصریحات خدا کی موجود بھی پنی جاتی ہیں اسی بنا پر امام ابو زہری کا مسلک ہے کہ روزہ نافذ ہو جاتا ہے لیکن چونکہ  
 زیادہ ترجیح عدم نافذ کا ہے اس لئے وہی اصل مسئلہ قرار پائے گا۔



یہ س صورت میں ہے جہاں حقیقتاً اجتہاد کی تلاش ہو سکتی ہے نہ صرف اس کی موجودگی میں جہاں اس کی ضرورت نہ ہو نہ ہاں اجتہاد اور پھر اس مسئلہ سے لاعلمی وہ نول غدر نہ ہوں گے۔

۳۲۔ دارالحرب میں کسی مسکن کی اپنی شریعت سے لاعلمی بھی بڑی حد تک غدر ہوگی بشرطیکہ تعلیم کی سہولتیں وہاں نہ میسر ہوں۔ دارالاسلام میں یہ لاعلمی غدر نہیں ہے۔

اس حکم میں نیک کی وہ صورتیں بھی داخل ہیں جن میں لڑکی کے اہل سرپرست والد و والدہ کے علاوہ کوئی اور رشتہ دار ان کی اطاعت اور علم میں لائے بغیر نکاح کا رشتہ قائم کر دے تو علم کے بعد نکاح ناجائز کرنے کا نتیجہ ہوگا یہ نتیجہ اس وقت بھی باقی رہے گا جب کہ والد و والدہ کی طرف سے خود غرضی اور ذاتی مفاد کا ہنجر ہو ہو نہ رشتہ کرنے میں اپنے مفاد کی خاطر لڑکی کا مفاد نظر انداز کر دیں۔

۳۳۔ (عشر مہینوں کی عمر تک) عورتیں جو پیش آتا اور عموماً بھوتی روزمرہ کی زندگی میں عام طور پر اس سے سابقہ پڑتا اور عقیدت مند رہتا ہے۔ یہ دونوں حالتیں بھی اپنی شریعت میں مختلف

عشر مہینوں کی عمر تک

کے تعلیم

بہوت کو سبب ہیں کیونکہ اپنی پالیسی یہ ہے

لَا يَكْفُفُ لَهَا نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

شہرت کی کسی کی حیثیت سے زیادہ اس کو تکلیف

نہیں دیتا ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَجْمَعًا

اللہ تمہارے ساتھ ساری چیزیں دھو دھو کر

شکل میں ڈال نہیں چاہتا ہے۔

لِيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

فقہاء نے اس سلسلہ میں کافی بحث و فراخی سے کام لیا ہے لیکن وہ شہرت کی کوئی نکتہ اس کے ساتھ جو کرب و غم کا سبب بنے، ان میں چند وہ مسائل درج کر رہے ہیں جن سے اس ہی پالیسی کو سمجھنے میں مدد ملے گی جن کے ذریعہ شہرت کی اعتبار کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔

تعلیم و بہوت کی

۳۴۔ (عشر مہینوں کی عمر تک) عورتیں جو پیش آتا اور عموماً بھوتی روزمرہ کی زندگی میں عام طور پر اس سے سابقہ پڑتا اور عقیدت مند رہتا ہے۔ یہ دونوں حالتیں بھی اپنی شریعت میں مختلف

عشر مہینوں کی عمر تک

کے تعلیم



ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت میں بھی ہو سکتا ہے۔ طلاق طلق وغیرہ کی صورتوں کا جواز وغیرہ سب سہوت کی غرض سے ہیں۔

مرضِ موت میں ثلث (تہائی) کی وصیت جائز ہے تہائی سے زیادہ کرنے میں درنا کا نقصان ہے اس لئے زیادہ کی اجازت نہیں ہے غرضیکہ نقد کے ذخیرہ میں روزمرہ کی زندگی سے متعلق بہت سے مسائل ہیں جن میں مشقت کا ذبیحہ اور عمومِ البلوی کا نفع اٹایا گیا ہے۔

نقص کی وجہ سے احکام میں رعایت (۱) نقص (رکعت) میں تمام وہ عوارض داخل ہیں جو آفتِ ساری کی وجہ سے یا قدرتی طور پر ان کو پیش آئیں اور ان کو داخل نہ ہو مثلاً جنون، بیہوشی، نیند، کسی عورتوں کے مخصوص دن وغیرہ۔ الٹی شریعت نے ان سب میں سہوت در رعایت کی صورتیں نکالی ہیں اور مقصد مشقت کا ذبیحہ نیز عام ابتداء کی وجہ سے دشواری کا ازالہ ہے۔ اس طرح مجموعی حیثیت سے شرمعی تخفیف و سہولت کی سات قسمیں بنتی ہیں۔

(۱) غلہ پائے جانے کے وقت حکم ہی کو ساقط کر دیا جائے بیہوشی کی حالت میں نہ رکھنا ساقط ہو جانا اسی قسم سے ہے۔  
(۲) حکم میں تخفیف کر دی جائے جیسے سفر کی حالت میں قصر و پار کی جگہ دو رکعت کی اجازت ہے۔  
(۳) ایک حکم کی جگہ اس کے قائم مقام دوسرا حکم رکھ دیا جائے ورنہ اور غسل کی جگہ تیمم کی اجازت کا تسنن آتی ہے۔  
(۴) کسی حکم کو مقدم کر دیا جائے جیسے غزوت میں عہد کی نذر تہ کے وقت پڑھنے کا حکم ہے اور اس گزرنے سے پہلے زکوٰۃ کی دینگی کا جواز ہے۔

(۵) کسی حکم کو مؤخر کر دیا جائے مرنے میں منہج کی نذر غلہ کے وقت پڑھنے کا حکم ہے۔ مرنے اور اس کے لئے روزہ مؤخر کرنے کی اجازت ہے۔

(۶) رخصت دیدی جائے صلیب میں کوئی چیز چسپاں ہو۔ درنگنے کی صورت میں سے درنگ سے دریم میں کا نکلنا جائز ہے۔

(۷) حکم میں ترمیم کر دی جائے جیسے نماز کی دینگی کو غلہ خیرت کی حالت میں کہ اس وقت نماز ترمیم کا وقت ترمیم کی اجازت ہے۔





(۳) اگر امانی سلسلہ میں مرشد آباد چلے گئے تھے تو مصحفی سے ان کی ملاقات کا امکان ہی نہیں۔ مصحفی سلسلہ سے پہلے دہلی کبھی نہیں آئے۔ اس کے شواہد گذشتہ صفحات میں پیش کئے جا چکے ہیں۔

(۴) ”تھیں کم سنی میں تحصیل علم کے لئے وہی آئے“ یہ غلط ہے۔ اول تو وہ کم سنی میں نہیں آئے، دوسرے تحصیل علم کے لئے نہیں، ملاشِ معاش میں آئے تھے۔ اور اسی دوران میں محنت و مطالعے سے علمی استعداد میں انہماک جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

(۵) میرا خیال ہے کہ یہ دوسرا شخص شینے نے کس غلط روایت کی بنیاد پر لکھ دیا ہے۔ مثلاً جہاں آباؤ سے ہر ایک ہی... فی کا تعلق تھا جن کا مختصر میں خود شیخ نے لکھا ہے۔

(۶) یہ بھی غلط ہے کہ اسد مصحفی کے تہذیب تھے۔ اس کی ثبوت ذرا ہم کرنا نہ درمی تھا۔ مصحفی ان کے ہم صحبت تھے اور ان کا بیان ہے کہ امتوں کے وقت ان کی عمر پچیس برس کے قریب تھی۔ اور وہ ہمارے باکرمیوں پر فخر کے ساتھ رہے۔ اس کے تہذیب سن دسویں میں دیکھنی سے یقیناً پتہ چلے گا۔ پھر یہ کہ عمر کا تقاضا واپس مارا مارا تہذیب میں راج نہیں ہوتا۔ تاہم اس کا بہت دور یہ شش ۱۱۵۵ھ سراج الدین علی خاں آزاد درپیدا ۱۱۵۹ھ کے شاگرد تھے۔ وہ دونوں کی عمر میں ہم۔ ۵۰ سال کا تفاوت تھا۔

طبیعت کی میزرونی درخشندہ عری سے من بہت خداداد و حکم ہے اس کا کتب سے کچھ تعلق نہیں ہے

۱۵ شیفہ، گلشن بے غار، ۲۷/۴۷ بنی ۶۰۔ دکن، مشاء، بقید درش، جہاں، می دیند۔

تک ہاں ایک عجیب غریب بحث ہوتا ہے، میرا مانی سدا اور میرا مانی مانی، دوشت عو میں ہوں ذکر کا نام میرا مانی نے  
 ٹیڑا اسد بھی ہے یہ مزد سود کے شاگرد تھے تو ان روزگار میں مرشد آباد چھ گئے تھے، اور انہوں نے سنی رہنمائی کے ہاتھ  
 سے ارسائے۔ دیر سے میرا مانی، مانی، خواجہ آقا سے فرزند تھے۔ یہ بھی مرشد آباد گئے تھے۔ مرشد و سلام زیادہ کہتے تھے  
 ایک دن مرشد بڑھ رہے تھے کسی وقت میں یہ مرشد انتہاں کی۔ (میرا مانی) تذکرہ اشعار کے رد و رد، ۵، مزد علی علف  
 سے ان کی ذات شاعرانہ تھی ہے اور شیعہ مرشد کہتے ہیں اسے فار ۱۰، میرا مانی اسد سود کے شاگرد تھے۔ دیر کے  
 دنوں میں بڑی محنت ہے، اسے کٹر کھنڈ دوسرے گز درید ہے۔ میرا مانی کسی "میرا مانی" اسد کا وہ  
 تذکرہ میں نہیں ملتا۔

اسی لئے عربی کا مشہور قول ہے: "الشعر أَوْلَىٰ مِنَ الرَّحْمَنِ" (شاعر کو مبداءِ فیاض سے تلمذ ہوتا ہے) اور حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کسی زبان کے بھی جتنے بڑے بڑے شاعر ہوئے ہیں جن کا نام اور فن آج تک زندہ ہے وہ کسی اتار کی محنت یا تعلیم و تربیت کا نتیجہ نہیں بلکہ ان کی فطری صلاحیتوں نے انھیں ادبِ کمال پر پہنچایا۔ دیکھا جائے تو فارسی اور اردو کے سوا کسی دوسری زبان میں استادِ ادبی اور شاگردِ ادبی جیسا کوئی رشتہ ہی نہیں تھا۔ اگر کسی کی شاعری کی چیز منت ہوتی تو شعرِ ادب کے محاسن اور اس کے پیمانے ہی آج دوسرے ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ فارسی اور اردو میں عروض کے قواعد کی پابندی بہت سخت ہے اس کے ساتھ ہی زبان کی لوک پاک اور رنگ و سحر کا ہر رجحان رکھا ہوا تھا۔ اس میں اجتہاد کی گنجائش مشکل ہی سے نکلتی ہے، کھل کیسے کاٹو؟ اگر ہی کیا ہے کسی سے صراحۃً لینے یا شور لینے کا مدعا ہی ہوتا تھا کہ ربان کے رموز و نکات اور عروض کے حقائق و دقائق در "ترجمہ ترکیب" کے اہول سیکھ لئے جائیں۔ ورنہ ہوائی اتار کسی شاگرد کے محسوس کرنے کا انداز، سوچنے کا طریقہ اور اخذ و گرفت کا زاویہ تبدیل نہیں کر سکتا۔ اس کے احساس و ادراک میں دخل دے سکتے ہیں۔ احساس و ادراک شعر کی روح میں۔ اور الفاظ ان کا جسم یا جامہ۔ اس لئے اس بات کی اہمیت کچھ نہیں رہ جاتی کہ کسی شاعر کا اتار کون تھا؟ بقول حضرت اثر گھنوی:

شعرا ۛ موقوفہ عشق سے تصویرِ جمال

کوئی اتار کسی کا اثر اس فن میں نہیں

لیکن تاریخِ ادبیات کا غائب علم اس بات سے شاید مطمئن نہ ہو۔ اسی لئے ہمیں یہ بھی تحقیق کرنا پڑتا ہے کہ کئی شعر کے ذہنی نشوونما اور سخت پرداخت میں جتنہ لینے والا کون تھا؟ اُسے روزِ ہر روز، محاورہ، افصاحت و بلاغت، اور فن کے نکات و رموز کس نے بتائے اور رازِ ادب کس نے کھلے؟ اور اس کے فنی مدارج کی تکمیل کر کے مخفی صلاحیتوں کو ابھارا۔

خوبصحنی نے اپنے استاد کا کہیں: ہم تک نہیں لکھ صرف ایک جگہ، ان کا حال کھتے ہوئے ظہر کیا ہے کہ میں اپنی کتب نشینی کے زمانے میں استاد کے ساتھ باکراؤں سے ملتا تھا۔ اور یہ عبارت ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں:



فقیر ہوا استاد غون روزے در عالم کتب نشینی و ابدا کے شوق موزونی پہ جھٹ ایٹاں  
رسیدہ بود....

اُن کے ایک مطلع میں بھی استاد کی خدمت کرنے کا اشد ملنا ہے:

اے معصوفی شاعر وہی ہووے گا رہنورد

جو میری طرح خدمت استاد کرے گا

لیکن ان اشارات سے ہمیں کسی واضح نتیجے پر پہنچنے میں مدد نہیں ملتی۔ اتنا ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ انھوں نے  
بہت چھوٹی عمر سے شرکتِ شریعت کر دیا تھا اور اُن کے استاد شاعری بھی امر وہ ہے کہ ہی کوئی غیر معروف  
شاعر وہ ہوں گے خواہ انھیں کا تخلص مانی ہو یا کچھ اور ہو۔

تخلص اِیضاً حیاتِ دہر کے موقوف افضل حسین: بت لکھنوی نے لکھا ہے:

”میں نے بہت سے تذکرے دیکھے۔ ایک ایک تخلص کے کسی کسی شاعر نظر آئے۔ مگر دہر تخلص مرزا صاحب

سے پہلے کسی شاعر کا مجھے نظر نہیں آیا۔ منشی منظر علی خاں صاحب ایسر مرحوم گویا اسی موقوف

کے لئے فرما گئے ہیں:

شاعرانِ حال کیا مضمونِ نو بہادریں اسیر

ڈھونڈتے ہیں تخلص بھی بنا لیتا نہیں

یہ کچھ ایسی قابلِ غرابت بات نہیں کہ کسی شاعر کا تخلص ایسا ہو جو اس سے پہلے کسی نے نہ رکھا ہو۔ اتنا ضرور  
ہے کہ کبھی کبھی بناوٹ یا لٹ تخلص انتخاب کرنے سے جبوں شاعر کی انفرادیت کا اظہار ہوتا ہے وہیں اس کے ذہن  
کی قدرت اور تازہ کاری بھی بڑھ جاتی ہے۔ مگر اسے قلم نہیں بنایا جاسکتا۔

معصوفی نے اپنا تخلص بالکل نیا ڈھونڈ کر نکالا ہے۔ اور جب تک ہمارے مطالعے کا تعلق ہے اردو

یا دہری میں آج تک کوئی دوسرا شاعر معصوفی سے پہلے یا ان کے بعد اس تخلص کا نہیں گذرا۔ انہوں نے کبھی  
اپنا تخلص تبدیل بھی نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خاندان سے یہ طے آنے، امتیاز، انھیں کے جتنے

معصوفی، تذکرہ مندی / ۱۔ ۱۔ تخلص حسین شہت، حیاتِ دہر / ۳۳۔ ۳۴۔ مورخہ ۱۳۰۹

میں آیا تھا۔ جیسا کہ ہم نے شروع میں بھی لکھا ہے کہ میر حسن دہلوی پہلے تذکرہ نگار میں جنہوں نے مصحفی کا حال اور کلام اپنے تذکرے میں شامل کیا اس وقت مصحفی جہان کیا نوجوان ہی ہوں گے اور میر حسن سے ان کی ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی لیکن انہوں نے لکھا:

”از تخلص او معلوم می شود کہ مرے صاحب امتیاز“

یہ رائے بہت ہی مناسب اور متوازن ہے۔ ایک نادرید انسان کے بارے میں اس کے نام اور کلام ہی سے کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ بات لکھنؤ میر حسن نے اپنے مرد صالح اور قیافہ شناس ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ کیونکہ اگر غور کیجئے تو یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے بعض شعرا کا نام ان کی سیرت اور شاعری کا نشان (SYMFOL) بن گئے ہیں۔ مثلاً میر میر مجلس ہیں۔ درد ایک صوفی منش انسان ہیں جن کا مسلک ہی یہ ہے کہ

کفر کا فر را و دیں دین دار را  
ذرت دردے دل عطار را

سودا کی بھویات اور ان کے ”غناں گستہ“ قلم کو دیکھنے تو ”سودا زود“ ہی نظر آتے ہیں۔ سوز، گرہ درد کے بھائی ہیں لیکن درد اور سوز میں جو فرق لنوی اعتبار سے ہے وہی ان دونوں کی شاعری میں ملے گا۔ سوز کے ساتھ مجاز کا تصور زیادہ وابستہ ہے۔ اگر آزاد کی روایت کو صحیح تسلیم کریں گے تو میر نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ”شرفا میں ایسے شخص ہم نے کبھی نہیں سنے“۔

علی ہذا، جبرأت کے کلام میں ”جبرأت زندان“ ہے تو رنگین کی ”رنگیں طبعی“ ان کے ریختہ، بیختہ اور آئینہ و آئینہ سے ظاہر ہے۔ ریختی کو روانہ دینے کا ”شہرا“ بھی بہتوں انشائیں کے سر ہے۔ انشائیں کا قلم ہر زبان اور بر میدان میں چلتا ہے۔ ایک طرف ہندی ادب کی تاریخ میں مختصر انشاء اور ”ہندی انش“ کا آغاز

میر حسن تذکرہ شوہے ریڈ ۱۹۳۷ء۔ آزاد آجیات ۱۹۶۱ء طبع ہم شہ نشاد ریڈ سے طبع ۱۹۶۱ء۔ ۱۹۶۱ء اور  
ترجمہ ریڈت کینی ۱۹۳۵ء۔ ”ریختے کے تیس جھوڑے“ ریختی بجا رکھی ہے اس سے کہ بجھے آدمیوں کی تیلیں بڑھ کر شوق ہوں۔  
تہ عبدالرزاق شریف، آج بقا ۱۹۶۱ء، جی پریس کھنوا

ن کی کہانی ”رائی کیشی“ سے ہوتا ہے تو دوسری طرف ”بے نقط کھینے اور بے نقط سانے“ میں اپنا حریف نہیں رکھتے۔ ناسخ کو دیکھتے تو مزدکات کی گردن مارنے پر تے ہوئے ہیں۔ آتش بھی آتش کے برکھلے ہیں۔ مزاج میں ایسی بھرک ہے کہ کسی نے ان کو دیکھ کر کھنکارا یا سامنے سے موچکا تو پچی کرتا ہوا نکلا۔ بس غضب آگیا۔  
 ”تو اپنی کینچنی اور کہاؤ ہمارے تھارے دو دو۔ تھو جہاں“

غرض اس اعتبار سے دیکھئے تو مصحفی کے تخلص میں جو سنانیت، ثنات، سجدگی، تمناؤ، ”مرج و مرغبان“ والی کیفیت اور مہالیت و صنف پسندی، مسکین نہایت اور پاکیزگی ہے وہ ان کی شاعری کا اور ان کی سیرت کا عکس بھی پیش کرتی ہے۔

ترک دلی | مصحفی امر وہ سے نکل کر پہلے کہاں گئے؟ اس میں بھی ذرا سا غلط بحث ہو گیا ہے۔ عام طور سے موزوں اور تذکرہ نگاروں کا یہی خیال ہے کہ وہ امر وہ سے تھیں مگر کس نے دہلی آئے تھے۔ لیکن میں اس کے قبول کرنے میں تامل ہے۔ ڈاکٹر مودی عبدالحق لکھتے ہیں: ”اس پر سب تذکرہ نویسوں کا اتفاق ہے کہ... اے شباب ہی میں وہ دہلی چلے آئے تھے اور وہیں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی اور وہیں ان کی شعر و شاعری ہوئی...“ مصحفی نے اپنے بزرگوں کا پیشہ ”نوکر می نہ بادشاہ“ تھا۔ لیکن جب سلطنت کے کاروبار میں خلل واقع ہوا تو ان کا روزگار بھی درجہ برہم ہو گیا۔ میر حسن اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ ان کی بسراوقات تجارت پر بھی تذکرہ میر حسن صفحہ ۱۰۱ پر لکھنے لگے ہیں جو بالہ عشقی اس کی تائید کی ہے۔ مصحفی نے اپنے حال میں اس کا کہیں ذکر نہیں کیا لیکن دہلی کے قیام کے ذکر میں جو چند جملے ملاحظہ ان کے نظم سے نکل گئے ہیں اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ یہ حسن کو یہ خیال صحیح ہے کہ اس زمانے میں ان کی گردن تجارت ہی پر تھی لکھتے ہیں:

”میں شاہجہاں آباد میں بارہ سال تک درجنف حال و حرم میں، گوشہ عزت میں رہا...“

کے زمانے میں تماشہ شاش کے گئے گئے۔... نہ پر نہیں جگہ تذکرہ جندی گویاں صفحہ ۴۴

اس سے قیاس ہوتا ہے کہ دہلی میں وہ اپنی سوشل اپنے دست پر رہے۔ کتنے تھے کسی کے دست پر نہ تھے

اگرچہ بقول خود وہ دہلی میں بارہ سال تک عزت پر رہے۔... پر بھی شاعروں کی شرکت شہر نشین



کا چرچا برابر جاری رہا اور خود بھی اپنے ہاں شاعرے ترتیب دیتے رہے تذکرہ ہندی گویان ہاں اسلئے ۱۶  
 وغیرہ دیکھو عمدہ منجہ و مجموعہ نغز... دلی کا رنگ بدلا ہوا تھا اور حالات مساعد تھے۔ سیراوقات کے ذرائع تنگ ہوئے  
 تھے ناچار اپنے دوسرے ہم ٹھہروں کی طرح دل پر تھپھرکے کر دلی کو خیر باد کہا اور واوی غرت میں قدم رکھا...  
 مصحفی دلی سے آنولہ اور ٹانڈہ پہنچے ۵

جب ایک ہفتچٹا زور ہی کیا جگہ کی قید مسجد ہو، درس ہو، کوئی خانقاہ ہو  
 ٹانڈے میں نواب محمد یار خاں امیر ظلف نواب علی محمد خاں صاحب ذوق اور قدر شناس امیر تھے شاعروں کا  
 ان کے ہاں اچھا خاصا جھگڑا تھا... مصحفی بھی شریک صحبت ہو گئے... سین یہ مجلس زبادہ مدت جیسے نہ پانی سکر تال  
 کی لڑائی میں نواب ضابطہ خاں کو شاد عالم نے مرثیوں کی آمد سے ایسی شکست دی کہ ٹانڈے کی بارت درہم  
 برہم ہو گئی... مصحفی ٹانڈے سے سترہ گئے لگ بھگ لکھنؤ پہنچے ۱۵

یہ اقتباس بہت طویل ہو گیا۔ سین اپنے مقصد کی وضاحت کے لئے اسے طوالت کے باوجود نقل کرنا ضروری تھا۔  
 مولوی عبدالحق نے اس عبارت میں چند باتیں ایسی لکھی ہیں جو بڑی معالطہ انگیز ہیں:

الف، ان کا خیال ہے کہ مصحفی ابتدائے شباب میں رہی آئے یعنی امر وہ سے سیدھے یہیں آ گئے تھے  
 اور یہاں تعلیم حاصل کی شاعر شاعری کا چرچا رہا وغیرہ۔

ب، اسی زمانے میں مصحفی بارہ سال تک گوشہ نشین اور عزت گزین رہے اور یہ نجف خاں کا زمانہ تھا۔ یہ وہ  
 میں رکھے کہ نجف کا دور وزارت ۱۱۸۵ھ سے شروع ہوتا ہے ۱۱۹۰ھ تک رہا ہے۔

ج، اس گوشہ نشینی کے بعد وہ ٹانڈہ پہنچے۔ اور وہاں سے لکھنؤ گئے۔ ٹانڈے سے اُجڑنے کا سبب بھی خود ہی لکھتے  
 ہے کہ وہ ۱۱۸۵ھ میں ضابطہ خاں کی شکست نے محمد یار خاں امیر کی امدت کو درہم برہم کر دیا تھا۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ جو شخص دہلی میں بارہ سال تک گوشہ نشین رہا، وہ وہاں کیٹھر کیسے پہنچ گیا؟  
 ظاہر مولوی عبدالحق کی عبارت سے یہی قیہ نکلتا ہے کہ ان کی رائے میں مصحفی بارہ سال تک دہلی میں قیام کر  
 تعلیم حاصل کرنے کے بعد ٹانڈہ اور آنولہ پہنچے تھے۔ حالانکہ یہ ہر گز غلط ہے۔  
 (باقی)

۱۵ عبدالحق: مقدمہ تذکرہ ہندی مصحفی، ص ۱۰۰۔

## لدیبا

## غزل

## جناب الم منظر نگری

کئے چہرے پہ زینس جب دو لالہ م آئے گا  
 وہی لے کر متاع لذت بے نام آئے گا  
 مدد کو کون وقت گردشِ ایام آئے گا  
 یہ کیوں مٹھوئے کھوں میں اسے آغوشِ مژگان  
 بدلے گا جو دم بھر میں نظمِ بارہ آستان  
 نگہیں سیکھ رہیں جلے گا اب کی بہاروں میں  
 محبت میں زینجا اور ایسے عزم بے مٹی  
 مصیبت تنہا ہو جس ازل سے اسے چمن وادی  
 نہیں مید در سے بڑھے یہ دور سے  
 یہ تو زائر ہی ہے اسے مہ فرید منزل سے  
 کبھی جس نے لکیم: شبت ایمن کو نوازا تھ  
 سنبھل کر زندگن منزلوں میں رہتے تھ  
 ہے جس کی گرمی پر و زتاب و دنا کی خاطر  
 وہی ساعت و روزِ دھڑکی ہوگی حقیقت میں  
 لہجے گوش پر و ز دشتِ عسجد کا ہنر

نہ بچ آئے گے پھر اور نہ وقتِ شام آئے گا  
 جو دیوانہ کراں کی ہزم سے نکام آئے گا  
 جو کام میں بھی تو کچھ یہ دن ناکام آئے گا  
 کسی دن یہ نہ شکِ عہد بہت کچھ کام آئے گا  
 کوئی ایسے ہی ساقی تشہ کام کام آئے گا  
 یسٹل چمن ہر پھول ب کرہ صراحت آئے گا  
 نہ تھیں زلف سے عشق پر الزام آئے گا  
 مجھے آرام آیا بھی تو زیرِ دام آئے گا  
 جو یہ بھی تو بچے تک زورِ گردن کام آئے گا  
 میرے نرسوں نہ کوئی طالب آرام آئے گا  
 وہی جو ہر کسی دن پھر لب ہر کام آئے گا  
 تیرے گئے ک آغاز کا بج کام آئے گا  
 وہی منہ چمن صیت زیرِ دام آئے گا  
 اب نہ موشِ ہستی پر جب نہ کام آئے گا  
 نہیں بے تان بھن بھن کوئی پناہ آئے گا

## پریشاں نظری

(جناب فضا ابن فیضی)

کیسے کہہ دوں کہ غم بے بھری نے مارا  
کوئی شکوہ نہیں تجھ سے اسے غم گیسوئے دوست  
نکھت زلف پریشاں کا مد کچھ نہ سرائش  
چل سکے چار قدم بھی تو نہ میرے ہمراہ  
تو مرے پاس بھی تجھ سے ملکر دوہوں میں  
یہ اگر سچ ہے کہ تم سے نہ اٹھی تہمت زلیات  
کھائے جاتی ہے مجھے تو غش دیدہ وری  
اب کہے بھرتی ہے یہ روشن چشم کرم  
ابہنی ساموں خود اپنی ہی نگاہوں میں فضا  
مجھ کو اس دور کی بانٹ نظری نے مارا  
مجھ کو خود میری پریشاں نظری نے مارا  
مہ بہت موتِ نسیم سحری نے مارا  
رہا نور دوں کو مری ہمسفری نے مارا  
دیکھو! لیجا کے کہاں بے خبری نے مارا  
یہ بھی پتا ہے کہ تری چاروگری نے مارا  
حیف ہے جن کو غم بے بھری نے مارا  
زہر دے کر تری شیریں نظری نے مارا  
حسن کی خوئے گریزاں نظری نے مارا

## نزل

(جناب سعادت نظیر — ایم۔ اے)

چمن آرائی وحشت کے یہ سماں ہوں گے  
رونقِ بزمِ محبت نہ کبھی کم ہوگی  
یہ وہ منزل ہے جہاں موت کو آجاتی ہے موت  
”طور“ پر رو گیا مہنگا مہسا ہو کر لیکن  
ہم تو منیتے ہیں چھپانے کے لئے زخمِ جگر  
یاد جب آئے گی رُودِ دونوں کو نظیر  
تیرے دیو نوں کے دامن میں گریباں ہوں گے  
بڑھ کے یہ دایہ جگر شمعِ فروزاں ہوں گے  
وہ جنیں گے جو روضہ عشق میں بے جاں ہوں گے  
تم نقابِ لٹو گے جب خنجر کے سماں ہوں گے  
اور بے درد سمجھتے ہیں کہ شاداں ہوں گے  
کیا بی دہ اپنی جفاؤں پہ پشیمان ہوں گے



## قطعات

(جنابِ رعنا جلی،

شام کی تیرگی حقیقت میں صبح کی روشنی کا ہے اک روپ  
موت سے دور بھاگنے والے موت بھی زندگی کا ہر اک روپ

~~~~~

کل ہوئی بھی اگر توکل ہوگی آت کا مہر آت ہی کر لو  
کل یہ موسم یہ پھول ہوں کہ پھول آت پھول کے جھولیاں بھر لو

~~~~~

روشنی کی اگر تنہا ہے نامِ زندگی سیاہ کر دو  
رحمتِ حق نہ روٹھ جائے کہیں احتیاطاً بھی کچھ گناہ کر دو

~~~~~

جب سے دیکھا ہے میری نکھولنے تیری مستی بھری نگاہوں کو  
دور ہی سے سلام کرتا ہوں میکدے کی حسین راہوں کو

~~~~~

ساقِ بزم کو سلام کر دو پیرِ طوافِ سُبُو و جام کر دو  
میکدے کے میں جس قدر آؤں میکدوں کا احترام کر دو

~~~~~

بہ عمل ہے غرض کا اک سوز بہ سخنِ حجبِ ث کی عمارت ہے  
بہ نفسِ رہنِ قدیرِ دوزیوں زندگی یہ ہے کس تجارت ہے

## تبصرے

شرحِ جاوید نامہ : مؤلف پروفیسر سیم چشتی، تالیف نور و نہایت ۱۲۰۲ صفحات، قیمت عامہ شائع کردہ، عرثات پبلشنگ ہاؤس ہسپتال، روڈ، مارکلی، لاہور، پاکستان۔

جاوید نامہ علامہ ابنِ کمالی کی جامع تہذیبی میں رہائش، تفکیکیں بدیدہ بیات، اسلامیہ، سب سے زیادہ بلند اور عمدہ کتاب ہے، ان حقائق و مسائل سے پر نہیں ہے جو علامہ نے قرآن حکیم، احادیث، نبوی اور مثنوی میں سے اندر و مستند کئے ہیں۔ لیکن اس گنجینہ کی اشاعت زیادہ ہو سکتی جس کے کئی سبب ہیں؛ پہلا سبب تو یہ ہے کہ خود اقبال نے اعتراف کیا ہے کہ اس کتاب میں:

انچ گفستہ روزِ جہان دیگر است

یہ کتاب از آسمان دیگر است

ظاہر ہے کہ جہانِ دیگر اور آسمانِ دیگر کے محذور، اتنی روح نہ ہر شخص کے علم و فہم پر تو مثنوی ہو ہی سکتے اور تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ یہ کہہ کر کتاب کو ہاتھ سے رکھ دیتا ہے کہ:

سخنِ زیباں بزمِ سدا دل کنوش تو بہ آسمانِ یرسانی!

جاوید نامہ جیسی طویل نظم میں بے شمار مقامات میں رمز بھی ہیں، استعارے بھی ہیں، اور مجاز بھی ہر فارسی و عربی کے بس کا روگ نہیں کہ رموز کا مفہوم ہی سمجھ سکے اور مجاز کا پردہ ہٹا کر حقیقت کا شاہد کر سکے۔ پھر جاوید نامہ میں ایسے انفرادی ذکر بھی ہیں جن میں سے اکثر و بیشتر کے حالات و خیالات سے عصرِ جدید کا 'مہذب انسان' بالکل ناواقف ہے جیسے بہتری بری، دشواری، فقر، اعیان، ملاطبت، غنی، حبیب ان کے نام ہی سے دنیا واقف ہو تو ان کی غرائز و نفسوں کی کشش محسوس کر سکتا ہے، ان افراد سے اقبال کے مکالمات یا سوالات کو سمجھنے کے لئے قاری کو مفہم احکام، بیانات، تصوف و سیرت کے بنیادی مسائل

سے بھی واقفیت ضروری ہے۔

ہی چند، اسباب میں جن کی وجہ سے اقبال کی یہ کتاب بہتوں کے لئے ایک چھتیاں بنی رہی۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے زیر تبصرہ شرح میں اس بلند پایہ اور عالمانہ کتاب کو سہل اور آسان بنا دیا ہے اور اقبال کے محذرات و حانیہ کو جلوہ گاہ عام پر پہنچا دیا ہے، ان کی یہ شرح ہم بے خوف تردید و انکار کہہ سکتے ہیں کہ :-

حک زرد سے حسن سحر کے ہزار تحسین است

اشعار کی تشریح سے پہلے ایک سبب سے مقدمہ میں انھوں نے جاوید نامہ کی نوعیت، اس کے خصوصیات،

اس کے اہم مباحث کا خلاصہ اور اس کے ادبی پس منظر بھی روشنی ڈالی ہے جاوید نامہ کا دینے کی ڈیو اس کا میدان سے متبادل و مؤثر نکلیا ہے اور اس کے حقائق و معارف کی آسان زبان میں پیش کیا ہے۔

تصوف کے ایک جدید النظر باہر ہونے کی وجہ سے انھوں نے اقبال کے کلام کے حقائق و حقائق کی خوب توضیح کی ہے اور ساتھ ہی اپنے عجز کا اعتراف بھی کرتے گئے ہیں یہ سب مع وجود الکرام و دینار و دینار  
س شہر کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ

زہر حرف آں راحت می و ہر دست

زہر لفظ آں مشکلی می کشاید

## رسالوں کے خاص نمبر

پہلا راہ گراچی کا اسلامی قانون نمبر : بہر جناب خورشید احمد صاحب، خدمات ہدائل

۲۰۲۰ صفحہ ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵،



نصیب ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ پاکستان کے دستور میں اھولی طور پر یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اسٹیٹ کا مذہب اسلام ہوگا۔ اس بنا پر اسلامی قانون کو نافذ کرنے کے حوالہ مسکنات وہاں میں باغفل کسی دوسرے ملک میں نہیں ہیں۔ لیکن اسلامی قانون ہے کیا؟ اس کے نافذ کیا ہیں؟ اس میں رواج اور عرف کو کہاں تک دخل ہے؟ اسکی دوسرے قوانین کے مقابلے میں کیا اہمیت ہے؟ یہ اور اسکی طرح کے بہت سے سوالات ہیں جو آج کل تعلیم یافتہ مسلمانوں کے دماغ میں گزر رہے ہیں اور جب تک ان کا تسلی بخش جواب نہیں مل جاتا اعلیٰ اور فنی اعتبار سے اسلامی قانون کی اہمیت و عظمت مسلم نہیں ہو سکتی۔ اسی غرض کے پیش نظر کراچی کے مشہور علمی اور دینی ماہنامہ چراغ نے اپنا یہ خاص نمبر شائع کیا ہے جو اچھی خاصی دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ لکھنے والوں میں ہندو پاک کے علاوہ دوسرے عرب اور غیر عرب ممالک کے مشہور علماء اور مؤرخین شامل ہیں۔ مضامین میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دونوں قسم کے میں کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی قانون کی نسبت جو نقاط بحث پیدا ہوتے ہیں حتیٰ الامکان ان سب پر ایک دیمضمون آجائیں۔ مضامین مختلف قسم کے ہیں بعض مفصل اور بعض مختصر بعض محققانہ اور بصیرت افروز اور بعض سرسری اور تشنہ۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ نمبر بڑی محنت اور خلوص اور دیدہ وری سے مرتب کیا گیا ہے اور بحیثیت مجموعی لائق مرتب کے بقول۔ اسلامی قانون سے متعلق اس قدر مواد یکجا کر دیا گیا ہے کہ اردو یا انگریزی کی کسی کتاب میں نہیں مل سکتا۔ بعض مضامین میں تجدید کا رنگ بھی ہے لیکن بہر حال بحث کا وہ بھی ایک گوشہ ہے۔ اس کو بھی سامنے آنا چاہیے تھا۔ نمبر کی دونوں جلدیں نو حصوں پر تقسیم ہیں جن کی ترتیب یہ ہے (۱) قانون اور اصول قانون (۲) اسلام کا تصور قانونی۔ (۳) اسلامی قانون کا تقابلی مطالعہ۔ (۴) مآخذ قانون اسلامی (۵) تاریخ قانون اسلامی (۶) دستور شرع میں اسلامی قانون کے مختلف پہلوؤں کی نسبت اکابر شیعہ اہل نظیم اور قطعات وغیرہ میں (۷) اسلامی قانون کی تشکیل جدید۔ اور ہر حصہ کے زیر عنوان متعدد مقالات ہیں۔ کھویں حصہ کی حیثیت سینما کی سی ہے جس میں متعدد مفکرین اسلام شامل ہیں۔ اور انھوں نے اسلامی قانون سے متعلق مختلف سوالات کے جوابات دیئے ہیں۔ نویں حصہ میں جس کا عنوان ”ہمارا قانونی سرمایہ ہے“ نام کتابوں کی فہرست ہے جو انگریزی، عربی۔ اور اردو میں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ اس کے جدفہ جات اور چارٹ ہیں جو بعض خاص خاص اعتبارات سے بہت اہم اور مفید

ہیں۔ اس طرح یہ نمبر اسلامی قانون سے متعلق گویا ایک انسائیکلو پیڈیا ہے جس کا مطالعہ ہر مسلم و غیر مسلم صاحب ذوق کو کرنا چاہیے۔ ادارہ چیرٹراہ اس کا میاب کوشش اور پیش کش پر ہر طرح سزاوارتہ تحسین و ستائش ہے۔

سیرت طیبہ ۱۔ مرتبہ جناب اکرام احمد خاں و محمد مسلم صاحب۔ تقطیع متوسطہ صفحات ۲۳۹ صفحہ کتابت و طباعت بہتر۔ قیمت غیر زینہ ۱۰ دفتر سہ روزہ دعوت۔ محلہ کشن گنج دہلی۔

سیرت پر اردو میں چھٹی بڑی سنکڑوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور بیسوں رسالے اپنے خاص خاص نمبر شائع کر چکے ہیں۔ لیکن سہ روزہ دعوت کا یہ خاص نمبر اس مقصد کے پیش نظر مرتب کیا گیا ہے کہ اس میں ایسے مضامین جمع کئے جائیں جن کا زبان صاف اور سلیس ہو۔ انداز بیان سگفتہ اور سنجھ بوا ہو۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ ان کو پڑھ کر فکر بیدار ہو اور اسوۂ نبویؐ کا اتباع و پیروی کا دلولہ سمجھ کرے۔ مضامین زیادہ گہرے اور محققانہ نہیں اور نہ ان کی ضرورت ہے۔ البتہ ان کے سٹیل سے پیش شعور تازہ ہوتا ہے۔ غلطی والوں میں ہندو پاک کے مل جلنے کے علاوہ تمہر کے بعض اربابِ قلم کے نام بھی ملے ہیں۔ مضامین کے علاوہ نظموں کا جو حصہ ہے وہ بھی منتخب نظموں پر مشتمل ہے۔ بعض مضامین افسانہ یا ڈرامہ کی شکل میں ہیں۔ اس طرح اس خاص نمبر کا مطالعہ ہم خرم و ہم ثواب کا مصداق ہوگا۔

## نئے سالے اور اخبار

تذکرہ ۱۔ مرتبہ مولانا نجم الدین صدیقی۔ تقطیع متوسطہ صفحات ۸۰ صفحہ کتابت

و طباعت بہتر۔ چند سو لہ نہ۔ پہ ۱۰ دفتر اہمارہ تذکرہ دیوبند ضلع بہار پور۔

یہ رسالہ چند عہدہ جہت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار میں دیوبند ضلع بہار پور سے نکل رہا ہے جسہت شیخ کے افادات دیوبند کے علاوہ مختلف دینی صدیقی اور اخلاقی مضامین بھی ملتے جوتے ہیں۔ رسالہ پابندی اور باقی عدالت شائع ہوتا ہے۔ یہ مسلسل نوں و خصوصاً متوسطین حضرت شیخ کرم کی قدر کرنے کی ترویج و شاعت کی کوشش کرنی چاہیے۔ کہ ان کی زیادہ سے زیادہ

نصیب ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ پاکستان کے دستور میں اھوئی طور پر یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اسٹیٹ کا مذہب اسلام ہوگا۔ اس بنا پر اسلامی قانون کو نافذ کرنے کے حوالہ کلمات وہاں ہیں بالفعل کسی دوسرے ملک میں نہیں ہیں لیکن اسلامی قانون ہے کیا؟ اس کے ماخذ کیا ہیں؟ اس میں رواج اور عرف کو کہاں تک دخل ہے؟ اسکی دوسرے قوانین کے مقابلے میں کیا اہمیت ہے؟ یہ اور اسکی طرح کے بہت سے سوالات ہیں جو آج کل تعلیم یافتہ مسلمانوں کے دماغ میں گذر رہے ہیں اور جنھیں ان کا تسلی بخش جواب نہیں مل جاتا عالمی اور نسبی اعتبار سے اسلامی قانون کی اہمیت و عظمت مسلم نہیں ہو سکتی۔ اسی غرض کے پیش نظر کراچی کے مشہور علمی اور دینی ماہنامہ چراغِ را نے اپنا یہ خاص نمبر شائع کیا ہے جو اچھی خاصی دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ لکھنے والوں میں ہندو پاک کے علاوہ دوسرے عرب اور غیر عرب ممالک کے مشہور علماء و زعماء شامل ہیں۔ مضامین میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دونوں قسم کے میں کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی قانون کی نسبت جو نقاط بحث پیدا ہوتے ہیں حتی الامکان ان سب پر ایک دیمضمون آجائیں۔ مضامین مختلف قسم کے ہیں بعض مفصل اور بعض مختصر بعض محققانہ اور بصیرت افروز اور بعض سرسری اور تشنہ۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ نمبر بڑی محنت اور خلوص اور دیدہ وری سے مرتب کیا گیا ہے اور بحیثیت مجموعی اس مرتب کے بقول اسلامی قانون سے متعلق اس قدر مواد یکجا کر دیا گیا ہے کہ اردو انگریزی کی کسی کتاب میں نہیں مل سکتا۔ بعض مضامین میں تجدید کا رنگ بھی ہے لیکن بہر حال بحث کا وہ بھی ایک گوشہ ہے۔ اس کو بھی سامنے آنا چاہیے تھا۔ نمبر کی دونوں جلدیں نو حصوں پر تقسیم ہیں جن کی ترتیب یہ ہے (۱) قانون اور اصول قانون (۲) اسلام کا تصور و قانونی۔ اسلامی قانون کا تقابلی مطالعہ۔ (۳) ماخذ قانون اسلامی (۴) تاریخ قانون اسلامی (۵) دستور شرع میں اسلامی قانون کے مختلف پہلوؤں کی نسبت اکابرِ شعراء کی نظمیں اور قصائد وغیرہ ہیں (۶) اسلامی قانون کی تشکیل جدیدہ اور ہر حصہ کے زیرِ عنایت متعدد مقامات ہیں۔ کٹھنوں حصہ کی حیثیت سینا کی سی ہے جس میں متعدد مفکرین اسلام شامل ہیں اور انھوں نے اسلامی قانون سے متعلق مختلف سوالات کے جوابات دیئے ہیں۔ نویں حصہ میں جس کا عنوان ”ہمارا قانونی سرمایہ ہے“ تمام کتابوں کی فہرست ہے جو انگریزی، عربی، اور اردو میں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ اس کے بعد نقشہ جات اور چارٹ ہیں جو بعض خاص خاص اعتبارات سے بہت اہم اور مفید



ہیں۔ اس طرح یہ نمبر اسلامی قانون سے متعلق گویا ایک انسائیکلو پیڈیا ہے جس کا مطالعہ ہر مسلم و غیر مسلم صاحب ذوق کو کرنا چاہیے۔ ادارہ چیرانج راہ اس کا میاب کوشش اور پیش کش پر ہر طرح منراوا و تحسین و ستائش ہے۔

سیرت طیبہ ۱۔ مرتبہ جناب اکرام احمد خاں محمد مسلم صاحب۔ تقطیع متوسط صفحات ۲۳۹ صفحہ کتابت و طباعت بہتر۔ قیمت غیر پتہ ۱۰۔ دفتر سہ روزہ دعوت۔ محلہ کشن گنج دہلی۔

سیرت پر اردو میں چھوٹی بڑی سیکڑوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ درمیانوں رسالے اپنے خاص خاص نمبر شائع کر چکے ہیں۔ لیکن سہ روزہ دعوت کا یہ خاص نمبر جس مقصد کے پیش نظر مرتب کیا گیا ہے کہ اس میں ایسے مضامین جمع کئے جائیں جن کا نہان صاف اور سلیس ہو۔ نذر بیان شگفتہ اور سنجھا ہوا ہو۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ ان کو پڑھ کر فکر پیدا ہو اور اسوۂ نبویؐ کا اتباع و پیروی کا دلولہ بکھرے۔ مضامین زیادہ گہرے اور محققانہ نہیں اور نہ ان کی ضرورت ہے۔ البتہ ان کے مطالعہ سے بخوشی شعور تازہ ہوتا ہے۔ غصے والوں میں ہمدرد پاک کے بل قلم کے عداوت و تمہر کے بعض باب و قدم کے۔ مہم بھی ت مل ہیں۔ مضامین کے علاوہ نظموں کا جو حصہ ہے وہ بھی منتخب نظموں پر مشتمل ہے۔ بعض مضامین افسانہ یا ڈرامہ کی شکل میں ہیں۔ اس طرح اس خاص نمبر کا مطالعہ ہم خرم و ہم ثواب کا مصداق ہوگا۔

## نئے سالے اور اخبار

تذکرہ ۱۔ مرتبہ مولانا نجم الدین، صدیقی۔ تقطیع متوسط صفحات ۸۴ صفحات کتابت

و طباعت بہتر۔ چند سالہ۔ پتہ ۱۰۔ دفتر ایہامہ تذکرہ دیوبند ضلع سہارنپور۔

یہ سالہ چند سالہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار میں دیوبند ضلع سہارنپور سے نکل رہا ہے۔ حضرت شیخ کے فادات دیوبند کے علاوہ مختلف دینی صدیقی اور اخلاقی مضامین میں جی مفید ہوتے ہیں۔ سب سے پابندی اور باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے۔ یہ مسائل فوں اور خصوصاً متوسلین حضرت شیخ کے کی قدر کر کے ترویج و اشاعت کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ دنیا و دین میں ہوں۔

نقش : مرتبہ مولانا الطر شاہ کشمیری در مولوی بہار الہاری غلطی : تقطیع کلاں ضخامت ۴۴ صفحات  
کتابت و طباعت بہتر چند : سالانہ پانچ روپیہ -

یہ ۱۰ ہائے رسالہ بھی دیوبند سے نکلتا شروع ہو رہے۔ اب تک متعدد پرچے نکل چکے ہیں۔ رسالہ دینی اور  
اصلاحی ہے مگر ادبی چاشنی بھی کم نہیں ہوتی۔ حالات حاضرہ پر لطیف انداز میں تبصرہ ہوتا ہے۔ درمات  
میں دینی اور اصلاحی امور مسائل پر اس طرح تبصرہ ہوتا ہے کہ قلم کی شوخی عنوان کی سنجیدگی سے درست و  
گریہاں ہونے لگتی ہے بہر حال رسالہ دلچسپ بھی ہوتا ہے اور مفید بھی۔

ہفت روزہ آثار : مرتبہ جناب ابراہیم ہوش دس لک صاحب مکتبہ رسالہ اہلال کا۔  
ضخامت ۲۲ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت فی پرچہ ۲۰ نئے پیسے۔ پتہ : ۵۵۔  
فیرس لین کلکتہ ۱۲۔

فلسفہ اردو صحافت کا گھر ہے۔ وہاں سے ابھی حال میں ستر نام کا ایک بہت روزہ بڑی تنہا دین  
سے نکلتا شروع ہو رہا ہے۔ اس کی غنائ د رت ایسے دو دیوں کے ہاتھ میں ہے جو اردو کے بیک وقت مشہور  
شاعر بھی ہیں اور دیب بھی۔ در صحافت کو یہ نا تجربہ رکھتے ہیں۔ اس لئے اس پرچہ میں سیاسی سماجی، دینی  
ورقنی ہر قسم کے مضامین نظر نظر ہوتے ہیں اور اس میں ہر ذوق کا آدمی اس میں اپنی پسند کی چیز پا سکتا ہے۔  
کسی شاعر کے ایک شعر کی تشریح جب سب کے قلم زبانت رہے جو مستقلاً شاعت میں ہوتی ہے  
اس پرچہ کی خاصہ کی چیز ہے اس کے علاوہ معیاریات عامہ پر بھی ایک دو مضمون ہر شاعت میں ہوتے  
ہیں۔ اگرچہ اس میں سب سے زیادہ اس پرچہ کی یہی معیار کے ساتھ رہی رکھ سکے تو اردو زبان کو اردو کی  
سے اس دور میں یہ بڑی بات ہوگی۔

آہنگ دلی : مرتبہ سید عسکرت علی رضوی تقطیع کلاں ضخامت ۴۴ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت سالانہ پانچ روپیہ  
پتہ دفتر آہنگ : ۱۴ چاؤڑی بازار دہلی۔

یہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں کا علمی و ادبی ماہنامہ ہے عام مضامین بھی اس کے کہ دلچسپ و معلومات فرا  
نہیں ہوتے لیکن وقتاً فوقتاً اس رسالہ کے جو خاص نمبر شائع ہوتے ہیں وہ بہت کچھ قلمی قدر مضامین و مقالات  
کے حامل ہوتے ہیں۔ اکثر و بیشتر مضامین کا موضوع فارسی شعری ادب اور ہندو ایران کے ثقافتی تعلقات ہوتے ہیں۔ فارسی  
زبان کی طلباء کیلئے اس کا مطالعہ ادبی شعری اور لسانی شریعت مفید ہوگا عام باباق بھی اس سے فائدہ اٹھا سکے ہیں۔

لمصنفین دینی کا علمی و دینی کامہنا  
ندوة اہلین دینی کا علمی و دینی کامہنا

برکات

مرتب  
سعید احمد کسرا بادی



# احادیث نبوی کا شاندار ذخیرہ اردو زبان میں ترجمان السنہ

ترجمان السنہ حدیث شریف کی ایک، جواب کتاب ہے جس کے ذریعہ ہے  
ذہن دانی نبوی کی نہایت اہم و مستند معتبر ذخیرہ کے عنوانوں اور کی ترتیب کے ساتھ  
ہماری زبان میں منتقل ہو رہا ہے اس کتاب میں احادیث نبوی کے معانی و تفسیر کے  
کے ساتھ عام متعلقہ مباحث کی دلچسپ تشریح و تفسیر بھی کی گئی ہے اور اس تشریح میں  
مباحث صحیح کی پہلی کے ساتھ جدید ذہنوں اور مبالغوں کی بھی پوری پوری رعایت  
کی گئی ہے ترجمان السنہ کی ایف کے موجودہ زمانے کی ضرورتوں اور تقاضوں  
کے مطابق اسلامی انداز میں ایک عظیم الشان اور زبردست اضافہ ہوا ہے  
کتاب کی ترتیب اس طرح قائم کی گئی ہے:

۱۱۔ من سب احادیث (۲) مستحکمہ اور عام فہم ترجمہ (۳) ہر حدیث پر  
مختصر تفسیر بھی نوٹ (۴) باب کے خاتمے پر سند و جہاد ثبوت کے تعلق ایک صفحہ عام  
اور میر حاصل بحث۔

جلد اول جس کے شروع میں ایک مبسوط و تحقیقاتی مقدمہ بھی ہے۔ اس میں  
جلد اول اور دانت نبوی کی اہمیت احادیث کے درجہ اسناد و اعتبارات میں حدیث  
کی اپنی حیثیت میں اور دیگر علوم و فنون کی تفصیل کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بھی احادیث اور  
فہم تفسیر کے درمیان رابطہ بھی شامل کئے گئے ہیں کتاب کا موجد ہے اصل کتاب  
شروع کی گئی ہے قطع ۲۹ x ۲۲ صفحات ۵۹۲ قیمت دس روپے مجلد بارہ روپے۔

جلد دوم اس جلد میں کتاب الایمان والا سلام کی ۵۰ حدیثوں کا ذخیرہ ہے۔  
جلد دوم صفحات ۵۱۲ قیمت نو روپے مجلد گیارہ روپے۔

جلد سوم اس میں کتاب الایمان کے بقیہ بابوں کے علاوہ پوری کتاب الایمان  
جلد سوم بھی ۵۹۰ صفحات ۵۹۰ قیمت دس روپے مجلد بارہ روپے آٹھ روپے۔

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی-۶

# برہان

جلد ۴۴ | دسمبر ۱۹۵۹ء مطابق جمادی الثانی ۱۳۷۹ھ | شمارہ ۶

## فہرست مضامین

- |     |   |   |
|-----|---|---|
| ۳۲۲ | سعید احمد اکبر آبادی  | نظرات   |
| ۳۲۵ | جناب شبیر احمد خالصا غوری ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل   | یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ                     |
|     | بی۔ بی۔ ٹی۔ ایچ جسٹرار امتحانات عربی و فارسی  |   |
|     | اتر پردیش   |   |
| ۳۳۷ | جنہ ڈاکٹر خورشید احمد فارق صاحب استاد ادبیات  | تاریخ الردۃ   |
|     | دہلی یونیورسٹی دہلی   |   |
| ۳۴۴ | مولانا مجاہد الاسلام القاسمی خانقاہ رحمانی نوگیر  | خلافت معاویہ و یزید                                   |
| ۳۶۱ | مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر توحید القرآن کا انتخاب مولانا حکیم فضل الرحمن صاحب ہوائی | مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر توحید القرآن کا انتخاب |
|     | جناب نثار احمد صاحب فاروقی دہلی یونیورسٹی   | ذکر مصحفی   |
| ۳۷۰ | لاہور بری۔ دہلی   |   |
| ۳۷۸ | جناب الم منظر نگر سی  | ادبیات - غزل  |
| ۳۷۹ | جناب مولانا محمد کفیل صاحب فاروقی استاد مدرسہ عالیہ کھنہ                                | قصیدہ و دعا عیہ                                       |
| ۳۸۱ | (دس)  | تبصرے   |

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## نظرات

تخریب چیز کا اندیشہ تھا وہ ہو کر رہی اور مہلافت معاویہ دینار نامی کتاب کے جواب میں ایسی تحریریں (اور ایک مستقل کتاب بھی) شائع ہونی شروع ہو گئیں جو مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقہ کے لئے حد درجہ مہربان اور ایذا رساں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ کسی انسان کے مقدمات کو ٹھیس لگتی ہے تو طبعی طور پر اس میں اشتعال پیدا ہوتا ہے اور اس عالم میں گفتنی بات بھی اس کے لئے گفتنی بن جاتی ہے۔ لیکن اس خاص مسئلہ میں سوچنے کی بات یہ تھی کہ مذکور بالا کتاب سے کئی حضرات کے حلقہ میں بھی سخت بے چینی پیدا ہوئی اور انھوں نے صرف اس کے خلاف پہلک رتھان پر کثرت نہیں کیا بلکہ نہایت سنجیدہ اور خالص علمی و تحقیقی تنقید کر کے اس کتاب کی بے حیثیتی کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جو تحریریں ہماری نظر سے گزری ہیں ان میں سب سے زیادہ مدلل ایک دیوبندھی عالم اور دوسری ایک ندوی قاضی کی تحریریں ہیں جو علی الترتیب ”صدیق جدید اور الجمعۃ“ میں شائع ہوئی ہیں پوری کتاب پر مفصل تنقید بھی کیں تحقیقی اعتبار سے یہ کہ کس درجہ کی ہے؟ اس کو دانشگاہ کرنے کے لئے یہ صف میں کافی ہیں۔ سلامت روی کا تقاضا تھا کہ اس تنقید کو کافی سمجھتا، اور بات کو آگے نہ بڑھنے دیا جاتا۔ لیکن سخت انوس بے کربیا نہیں کی گئی۔ درایت و حکمت کا جواب پتھر سے اس طرح دیا جانے لگا کہ جو لوگ اس کتاب سے حد درجہ بیزار تھے اور جنہوں نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا تھا ان کے سر بھی زخمی ہونے سے نہ بچے۔ جواب کے اس طریقہ کو کوئی ایک انصاف پسند شخص بھی پسند نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کا نتیجہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ آج جو لوگ آپ کے سناخی ہیں وہ بھی دوسری صف میں جا شریک ہوں اور اس طرح اختلاف و افتراق کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہو جائے۔



جب دو آدمی یا دو گروہ یک جگہ رہتے ہیں تو ان میں کچھ باتیں بہ الاشتراک ہوتی ہیں اور چند چیزیں



ماہ الاختلاف۔ دونوں کو اگر ایک ہی جگہ میں جل کر رہنا ہے تو اس کا طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ لاخلاف خیروں کو زیادہ نہ ابھارا جائے اور گران کو بیان کیا بھی جائے تو اس سنجیدہ اور منقول لب و لہجہ کے ساتھ کہ اس میں دوسرے پر طنز و تعریف کا شائبہ نہ ہو یہ زندگی کا ایک عام اصول ہے۔ لیکن اس زمانہ میں مسلمان تاریخ کے جس نازک دور سے گزر رہے ہیں اس کا خصوصی مطالبہ اور تقاضا ہے کہ وہ اس اصول پر سختی سے عمل پرا ہوں اور ان کے ملی وجود کے لئے چاروں طرف سے جو خطرات پیدا ہو رہے ہیں ان کا متفق و متحد ہو کر مقابلہ کریں آخرت میں جس چیز کی باز پرس ہوگی اور صرف آخرت میں نہیں بلکہ دنیا کی زندگی میں بھی کامیابی اور سرخروئی کا جس پر دار و در رہے وہ صرف ایمان اور عمل صالح ہے۔ اس ایمان کا یہ تقاضا تو ضرور ہے کہ اگر کسی طرف سے ہماری تاریخ ملی کی کسی محترم شخصیت پر حملہ ہو تو اس کا دفاع کریں۔ لیکن کسی پر سب و تتم کرنا اور اس کی تنقیص و مذمت کے لئے تاریخ کے کمزور بہاروں سے مدد لینا ہرگز ایمان کا متقاضی نہیں ہے۔ ابوجہل اور ابولہب بڑھ کر اسلام کا اور پیغمبر اسلام کا دشمن کین ہے؟ لیکن ان پہنچت بھیجنا نہ اسلام کی تعلیم ہے اور نہ ایمان کا منشاء پس جب ابوجہل اور ابولہب کا حال یہ ہے تو ظاہر ہے کہ جو حضرات مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ کے نزدیک واجب الاحرام ہیں ان کی نسبت تنقیص و مذمت کے الفاظ لکھنا کیونکر روا ہو سکتا ہے؟

جوفتنہ کہ اس وقت پیدا ہو چکا ہے ضرورت ہے کہ اس کو ختم کی جائے اور اس کو فتنہ عظیم بننے سے روکا جائے اس لئے ہماری رائے میں یہ مناسب ہو گا کہ کسی اور شیعہ علما جو کسی سجدہ پنہیگی سے غور کر سکتے ہیں وہ کسی ایک جگہ جمع ہو کر پوری صورتِ حال کا جائزہ لیں اور کوئی ایسا نوٹ علی قدم اٹھائیں جو اس فتنہ کا سدِ باب کر دے اور صورتِ حال کو دیر سے بدتر نہ ہونے سے بچالے۔

فدیس ہے کچھ دنوں بعد محمد صاحب کاشی کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم مولانا سید طفیل احمد صاحب شگوری کے فرزند ارجمند اور ایک نامور فاضل ان کے ختم و چراغ تھے۔ الہ آباد ہائیکورٹ کے بڑے کامیاب پریذیکٹ اور بمبر پریسبیٹ تھے۔ پریسبیٹ میں وقف ایکٹ کے مسند میں تھے۔ پیشذکر گویا ان کی کٹھی میں پڑتی تھی۔ ان کے علاوہ جمیعہ علمائے ہند اور مجلس احرار کے بھی سرگرم کارکن تھے۔ اخلاقی اعتبار سے بڑے درویش صفت اور فدا ترس انسان تھے۔ گزشتہ سال جب کراچی کے آئے تھے اس وقت سے ان کی دینداری میں عظیم الشان

پیدا ہو گئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق کا یہ عالم تھا کہ نام نامی زبان پر آیا اور چشم پر پیم ہو گئی۔ یہی  
بندہ سے انگریزی زبان میں ایک ضخیم سیرت نبوی مرتب کر رہے تھے جو افسوس ہے کہ نامکمل رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ  
معفرت بخشش کی نعمتوں اور رحمتوں سے نوازے۔

گذشتہ ماہ نومبر میں جناب اسد طانی بھی کراچی میں وفات پا گئے۔ مرحوم صاحب فن استاد سخن تھے قدرت  
کلام کا یہ عالم تھا کہ ہر صنف شاعری میں بے تکلف واد سخن دے سکتے تھے۔ مگر ان کا اصل میدان قومی شاعری تھا۔  
اس رنگ میں ڈاکٹر اقبال مرحوم کے قطع تھے۔ سرکاری نوکری کی مصروفیتوں کے باعث ان کو اپنے حوصلہ کے  
مطابق شاعری کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ پھر بھی جتنا کچھ لکھ گئے ہیں صنف اول کے شعرا میں ان کا نام نہ رہ سکتا  
کے سے کافی ہے۔ جناب بڑے مخلص و منکسر المزاج، مرتب و منجان قسم کے انسان تھے۔ ہم غفرلہ و ارحمہ۔

تو ہمیں تک پہنچی تھا کہ چانک مورخان فضا احمد سعید صاحب۔ دہلی کی وفات حسرت آیت کی تلامذہ کی رہائش  
والہ ایئر جٹون۔ مولانا جمیعۃ العلماء نے بند کے بیوں میں سے ہر س کے پہلے جڑیں سکریٹری تھے اس حیثیت سے  
انھوں نے ملک میں دور سے کئے اور بعد جگہ تقریریں کیں یہ زمانہ تحریک عدوت کے شباب کا زمانہ تھا مولانا کی تقریروں  
نے دھوم مچا دی۔ اور بچہ بچہ کی زبان پر ان کا نام تھا۔ دل کی لکڑی زبان بولتے اور اسی میں گھنٹوں خاص لہجہ  
کے ساتھ تقریر کرتے تھے۔ اس سے ان کی گفتگو اور تقریر دونوں اس قدر شیریں و شگفتہ ہوتی تھیں کہ بس وہ کہیں  
اور سنا کر سے کوئی: قرن مجید کے بہت اچھے ناطے تھے اور اس کے ساتھ بڑا شغف رکھتے تھے نہایت آسان زبان  
میں قرن کا ترجمہ و تفسیر رکھ رہے تھے جو غائب پائے تکمیل کو پہنچ گئی ہے۔ دنیا پر مستعد رہتے ہیں ان کی یادگار ہیں  
مستعد و با حریّت وطن کی راہ میں جیل گئے۔ طبعاً بعد خلیق۔ منار خوش طبع۔ اور بڑے بلند سنج بزرگ تھے۔ اگرچہ  
ادھر دہلی سے جمعیت کے صدر تھے۔ بس چند در چند عوارض و اسقام کے باعث ہر سو سے گوشہ نشین ہو گئے  
تھے۔ دن سے ہر کے لوگ ان کی تقریر سننے کو ترستے تھے مگر انھوں نے سفر کرنا بالکل ترک کر دیا تھا۔ عجیب بات وہ  
بہر انسان تھے۔ ان کا غرض فتنہ ہاربان کی لطافت و نفاست کا مرقع ہوتا تھا۔ دلی وہ دلی ہی نہیں رہی ہے  
بایسے بزرگ کہاں میں گئے؟ کل من عید علفان و سقعی وجہ سربلذذ الجلال و اکاکیر اہم اللہ تعالیٰ کر و  
کر و شہادت نصیب اور صدیقین و شہد کا مقام جیل عطا فرمائے۔ آمین

# یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ

## ۲۔ اموی خلافت

راہ جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ بی۔ تی

(جسٹار امتحانات عربی و فارسی اتر پردیش)

(۲)

۴۴۴ میں سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے منصب خلافت سے دستبردار ہونے پر امیر معاویہؓ عالم اسلام کے باضابطہ خلیفہ قرار پائے۔ مستقر خلافت کو ذی سے دمشق میں منتقل ہو گیا جو اس سے پہلے شامی بازنطینی تہذیب کا مرکز و گرد دنیا کے مسیحیت کا گہوارہ رہ چکا تھا۔ اسلام یوں بھی مذہبی رواداری کی تعلیم دیتا ہے، اس پر مزید یہ کہ انتظامی ضرورت سچی المذہب رومی عمل کو جو اس علاقہ کے نظم حکومت کا عین تجربہ رکھتا تھا، بڑے اور چھوٹے انتظامی عہدوں پر مقرر کرنے کی داعی تھی۔ بس طرح یہاں میں بڑی عمل کو بہتر رکھنا گزیرہ تھا۔ اس طرح دیوان خراج پر رومی نصرانی چھا گئے۔

مستشرقین کا کہنا ہے کہ اس اثر و رسوخ کے نتیجے میں مسیحی فضلاء نے اسلامی فکر کو متاثر کرنا شروع کیا۔ چنانچہ فان کریمر نے لکھا ہے :-

میش و عشرت کی مشنولیت کی بنیاد اکثر اموی خلفاء نے عیسائیوں اور دیگر غیر مسلم قوم کے ساتھ بہت زیادہ رواداری برتی۔ نصف یہ کہ عیسائیوں کو خلفاء کے دربار میں آراوی کے ساتھ و خدا کی اجازت تھی بلکہ انھیں اکثر اہم ترین ذمہ داری کے عہدے بھی دیئے جاتے تھے۔ بحر حوں جو یونان کے دمشق کے تھے خلیفہ عبدالملک کے دربار میں مشیر اعلیٰ کے عہدے پر فائز تھا اور اس کی وفات پر یہ عہدہ اس کے



جیسے کوئی شخص ہوا۔ یہاں تک کہ: ہر کامک شمار ایک عیسائی ہی تھا۔ عیسائیوں کی حالت ایسی اچھی تھی کہ انھیں مسجد میں بے رتبہ ٹوک دینے کی اور عام مجبوروں میں حدی صلیب کے ساتھ چلنے پھرنے کی اجازت تھی۔ خلفاء کی رواداری نے ناگزیر طور پر عیسائیوں کی مسلمانوں کے ساتھ تبادلی خیالات کے لئے بہت افزائی کی۔ اس طرح یونانی علمائے دینیات کی صحبت میں جوہدلیات و مناظرہ کے فن میں ہمارے نامور رکھتے تھے عربوں نے پہلی مرتبہ طیفانہ استدلال کو سکھا۔ جسے آگے چل کر انھوں نے یہ اہمیت دی۔ نیز یونانی علماء دینیات ہی سے عربوں نے کلامی تدقیقات کا پہلا سبق لیا اور یہ ایسا ہی تھا جس میں باز لطیفی ذہانت یہ طوٹا رکھتی تھی۔

فان کریمر کی مندرجہ بالا رائے کی تکلیف نے مزید توضیح کی۔

”عیسائیوں کو اموی خلفاء کے دربار میں آزادی کے ساتھ نقل و حرکت کی اجازت تھی۔ نصرانی شہر اقطر و ہار کا ملک اشعار تھے۔ درائس کے بہت سے چہرہ زیب حکومت کے فی عہدوں پر فائز تھے۔ مسلمان اور عیسائی دوستانہ گفتگو نیز مذہبی مناظروں میں تبادلی خیالات کی کرتے تھے۔“

لیکن مشرقیوں کے شرعی عقیدہ مندوں نے اس محدود نظریہ کو رد جو صرف سرقی علم پر مبنی دینیات سے متاثر ہونے سے متعلق تھا۔ انہوں نے کہا کہ اس کی عقلی تشریح کو اس کے فوائد طوائف و مسکینوں کا مدد پر احسان قرار دیا۔

مسلمانوں کی عقلی بزرگانیوں میں اس کے فوائد ثنائی فلسفیوں و منجموں کے راہزنہ ہونے چھیڑی رہنمائی کی ہے۔ ... جہاں تک نہضت و منظر فکر کا تعلق ہے وہ کون سا مملکت علم سے ہی حاصل ہوئی اور مسلمانوں کو فلسفہ کا چپکانا باں ہی سے لگا۔ ... فلسفہ کو مسلمانوں سے متعارف کرنے اور اس کو ان میں پروانہ بنانے میں تائی جہاں نے فائدہ حاصل کیا ہوگا۔ ... یہ الج

VON KREMER: CONTRBUTION TO THE HISTORY OF ISLAMIC CIVILIZATION, PAGE 53

NICHOLSON: LITERARY HISTORY OF THE ARABS, PAGE 22

مسلمانوں کی پہلی عقلی ادنیٰ کی ناگزیر ضرورت تھی۔ پھر امر، اور دوسا کی غلوت کے نزدیک.....

تمام میں قبل از اسلام یونان کو فلاحی فلسفہ کافی مقبول ہو چکا تھا..... مسلمانوں کو منظم اور

منضبط فکر کے لئے اسی مکتب خیال سے سابقہ پڑا..... تمام کتب اہل عیسائی مکمل

کا کتب تھا جس نے یونان کے رواجی فلسفے کو اپنے خاکہ پر ڈھال دیا تھا۔

اس طرح چند مورخین طلب میں :-

۱۔ کیا دیوانِ خراج کے رومی عملہ نے بازنطینی دنیائی رجحانات کو اسلامی مفکرین سے متعارف

کرایا

ب۔ کیا دربار میں عیسائی شعرا کی قدر و منزلت نے مسیحیت کو عام، اسلامی فکر کو متاثر کرنے میں

مدد دی۔

ج۔ کیا اموی دربار کے طبائے فلسفہ کو مسلمانوں سے متعارف کرنے میں کوئی حصہ ہوا۔

د۔ مسلمانوں میں یونانی علوم کی عقلی کہان تک تمام کے مسیحی عباد کی وساطت کی رہیں منت ہے۔

اور

۲۔ مسلمانوں کی عقلی موثر گائیوں میں تمام کے نو فلاحی فلسفیوں اور سکالین کے آزاد و مراد بہ

نے کہاں تک رہنمائی کی ہے۔

دیوانِ خراج کے رومی | ایہ معاویہ سے پہلے نظامِ حکومت سیدھا سادھا تھا جس کے چلانے کے لئے کارکنوں

عمل کی بے اثری | میں دیانت و خدا ترسی کے علاوہ کسی فنی مہارت کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے

انتظامی امور کے لئے مسلمانوں ہی میں سے کام کرنے والے مل جاتے تھے۔ ایہ معاویہ کے عہد سے ملکِ مفضول

کا زمانہ شروع ہوا۔ حکومت کی مشینری میں پیچیدگیاں شروع ہوئیں جو انہوں نے ”رومی قیعدت“ سے ورثہ

پائی تھیں۔ اس لئے ان پیچیدگیوں سے عہدہ براہمنے کے لئے اس جتنہ ممکن کی جگہ ہوئی جو قیعدہ کے

زمانہ میں ان انتظامی امور کو نبھاتا تھا ایسی دیوانِ خراج کا عہدہ چاہیے بن و نشت یہ معقول لگتا ہے کہ ایہ معاویہ

کے زمانہ سے عیسائی دیوانِ خراج پر چھانا شروع ہوئے۔

وَأَسْتَعْمَلَ مَعَاوِيَةَ ابْنَ أَنَاثَ بْنَ النَّصْرِ  
عَلَى خُرَاجِ حِمصَ وَلَمْ يَسْعَمْ لِقَاءَ  
أَحَدٍ مِنَ الْخُلَفَاءِ قَبْلَهُ ۝  
امیر معاویہ نے ابن اناث بن نصرانی کو شہر حمص کے  
خراج کی دھولی پر مقرر کیا حالانکہ اُن سے پہلے کسی  
نفیہ نے عیسائیوں کو کسی عہدے پر مقرر نہیں کیا تھا۔

بہر حال امیر معاویہ کے زمانہ سے دیوان خراج بردگان گریمر کے لفظوں میں اہم سرکاری عہدوں پر  
ردی چھانے لگے چنانچہ انھوں نے اس اہم عہدے پر سرجون ردی کو مقرر کیا (جسے فان گریمر وغیرہ مستشرقین  
(JOHN OF DAMASCUS) کا باپ (SERGIUS) بتاتے ہیں)

وَكَانَ يَكْتُبُ لِمَعَاوِيَةَ ..... عَلَى  
دِيَانَ الْخُرَاجِ سَرْجُونُ بْنُ مَنْصُورٍ الرَّومِيَّ  
جہشیاری آگے ہیں کہ لکھا ہے کہ سرجون یزید اور معاویہ بن یزید کے عہد حکومت میں دیوان خراج کا  
کاتب تھا۔

وَكَانَ يَكْتُبُ لِيَزِيدَ بْنِ مَعَاوِيَةَ .....  
عَنِ دِيَانَ الْخُرَاجِ سَرْجُونُ بْنُ مَنْصُورٍ ۝  
وَكَانَ يَكْتُبُ لِمَعَاوِيَةَ بْنِ يَزِيدَ .....  
عَنِ دِيَانَ سَرْجُونُ بْنُ مَنْصُورٍ الصَّرَافِيَّ ۝  
یزید بن معاویہ کے زمانہ میں دیوان خراج کا کاتب  
سرجون بن منصور تھا۔  
معاویہ بن یزید کے عہد میں دیوان خراج کا کاتب  
سرجون بن منصور نصرانی تھا۔  
سرجون عہد ملک بن مروان کے زمانہ ۶۸۵-۸۰ میں بھی بہت دن تک دیوان خراج کا کاتب رہا۔  
جہشیاری لکھتا ہے :

وَكَانَ يَتَقَلَّدُ دِيَانَ السَّاهِرِ بِالرَّصْمِيَّةِ  
لِعَبْدِ الْمَلِكِ وَلَمَّا تَقَدَّمَ سَرْجُونُ  
ابْنُ مَنْصُورٍ النَّصْرَانِيَّ ۝  
شام میں دیوان خراج کا جو رومی زبان میں تھا  
نظم علی عبد الملک کے زمانہ میں یزید کے پیشرو  
کے زمانہ میں سرجون بن منصور نصرانی تھا۔

لِقَائِهِ يَعْقُوبُ بْنُ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰ ۱۰۰۱ ۱۰۰۲ ۱۰۰۳ ۱۰۰۴ ۱۰۰۵ ۱۰۰۶ ۱۰۰۷ ۱۰۰۸ ۱۰۰۹ ۱۰۱۰ ۱۰۱۱ ۱۰۱۲ ۱۰۱۳ ۱۰۱۴ ۱۰۱۵ ۱۰۱۶ ۱۰۱۷ ۱۰۱۸ ۱۰۱۹ ۱۰۲۰ ۱۰۲۱ ۱۰۲۲ ۱۰۲۳ ۱۰۲۴ ۱۰۲۵ ۱۰۲۶ ۱۰۲۷ ۱۰۲۸ ۱۰۲۹ ۱۰۳۰ ۱۰۳۱ ۱۰۳۲ ۱۰۳۳ ۱۰۳۴ ۱۰۳۵ ۱۰۳۶ ۱۰۳۷ ۱۰۳۸ ۱۰۳۹ ۱۰۴۰ ۱۰۴۱ ۱۰۴۲ ۱۰۴۳ ۱۰۴۴ ۱۰۴۵ ۱۰۴۶ ۱۰۴۷ ۱۰۴۸ ۱۰۴۹ ۱۰۵۰ ۱۰۵۱ ۱۰۵۲ ۱۰۵۳ ۱۰۵۴ ۱۰۵۵ ۱۰۵۶ ۱۰۵۷ ۱۰۵۸ ۱۰۵۹ ۱۰۶۰ ۱۰۶۱ ۱۰۶۲ ۱۰۶۳ ۱۰۶۴ ۱۰۶۵ ۱۰۶۶ ۱۰۶۷ ۱۰۶۸ ۱۰۶۹ ۱۰۷۰ ۱۰۷۱ ۱۰۷۲ ۱۰۷۳ ۱۰۷۴ ۱۰۷۵ ۱۰۷۶ ۱۰۷۷ ۱۰۷۸ ۱۰۷۹ ۱۰۸۰ ۱۰۸۱ ۱۰۸۲ ۱۰۸۳ ۱۰۸۴ ۱۰۸۵ ۱۰۸۶ ۱۰۸۷ ۱۰۸۸ ۱۰۸۹ ۱۰۹۰ ۱۰۹۱ ۱۰۹۲ ۱۰۹۳ ۱۰۹۴ ۱۰۹۵ ۱۰۹۶ ۱۰۹۷ ۱۰۹۸ ۱۰۹۹ ۱۱۰۰ ۱۱۰۱ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ ۱۱۰۴ ۱۱۰۵ ۱۱۰۶ ۱۱۰۷ ۱۱۰۸ ۱۱۰۹ ۱۱۱۰ ۱۱۱۱ ۱۱۱۲ ۱۱۱۳ ۱۱۱۴ ۱۱۱۵ ۱۱۱۶ ۱۱۱۷ ۱۱۱۸ ۱۱۱۹ ۱۱۲۰ ۱۱۲۱ ۱۱۲۲ ۱۱۲۳ ۱۱۲۴ ۱۱۲۵ ۱۱۲۶ ۱۱۲۷ ۱۱۲۸ ۱۱۲۹ ۱۱۳۰ ۱۱۳۱ ۱۱۳۲ ۱۱۳۳ ۱۱۳۴ ۱۱۳۵ ۱۱۳۶ ۱۱۳۷ ۱۱۳۸ ۱۱۳۹ ۱۱۴۰ ۱۱۴۱ ۱۱۴۲ ۱۱۴۳ ۱۱۴۴ ۱۱۴۵ ۱۱۴۶ ۱۱۴۷ ۱۱۴۸ ۱۱۴۹ ۱۱۵۰ ۱۱۵۱ ۱۱۵۲ ۱۱۵۳ ۱۱۵۴ ۱۱۵۵ ۱۱۵۶ ۱۱۵۷ ۱۱۵۸ ۱۱۵۹ ۱۱۶۰ ۱۱۶۱ ۱۱۶۲ ۱۱۶۳ ۱۱۶۴ ۱۱۶۵ ۱۱۶۶ ۱۱۶۷ ۱۱۶۸ ۱۱۶۹ ۱۱۷۰ ۱۱۷۱ ۱۱۷۲ ۱۱۷۳ ۱۱۷۴ ۱۱۷۵ ۱۱۷۶ ۱۱۷۷ ۱۱۷۸ ۱۱۷۹ ۱۱۸۰ ۱۱۸۱ ۱۱۸۲ ۱۱۸۳ ۱۱۸۴ ۱۱۸۵ ۱۱۸۶ ۱۱۸۷ ۱۱۸۸ ۱۱۸۹ ۱۱۹۰ ۱۱۹۱ ۱۱۹۲ ۱۱۹۳ ۱۱۹۴ ۱۱۹۵ ۱۱۹۶ ۱۱۹۷ ۱۱۹۸ ۱۱۹۹ ۱۲۰۰ ۱۲۰۱ ۱۲۰۲ ۱۲۰۳ ۱۲۰۴ ۱۲۰۵ ۱۲۰۶ ۱۲۰۷ ۱۲۰۸ ۱۲۰۹ ۱۲۱۰ ۱۲۱۱ ۱۲۱۲ ۱۲۱۳ ۱۲۱۴ ۱۲۱۵ ۱۲۱۶ ۱۲۱۷ ۱۲۱۸ ۱۲۱۹ ۱۲۲۰ ۱۲۲۱ ۱۲۲۲ ۱۲۲۳ ۱۲۲۴ ۱۲۲۵ ۱۲۲۶ ۱۲۲۷ ۱۲۲۸ ۱۲۲۹ ۱۲۳۰ ۱۲۳۱ ۱۲۳۲ ۱۲۳۳ ۱۲۳۴ ۱۲۳۵ ۱۲۳۶ ۱۲۳۷ ۱۲۳۸ ۱۲۳۹ ۱۲۴۰ ۱۲۴۱ ۱۲۴۲ ۱۲۴۳ ۱۲۴۴ ۱۲۴۵ ۱۲۴۶ ۱۲۴۷ ۱۲۴۸ ۱۲۴۹ ۱۲۵۰ ۱۲۵۱ ۱۲۵۲ ۱۲۵۳ ۱۲۵۴ ۱۲۵۵ ۱۲۵۶ ۱۲۵۷ ۱۲۵۸ ۱۲۵۹ ۱۲۶۰ ۱۲۶۱ ۱۲۶۲ ۱۲۶۳ ۱۲۶۴ ۱۲۶۵ ۱۲۶۶ ۱۲۶۷ ۱۲۶۸ ۱۲۶۹ ۱۲۷۰ ۱۲۷۱ ۱۲۷۲ ۱۲۷۳ ۱۲۷۴ ۱۲۷۵ ۱۲۷۶ ۱۲۷۷ ۱۲۷۸ ۱۲۷۹ ۱۲۸۰ ۱۲۸۱ ۱۲۸۲ ۱۲۸۳ ۱۲۸۴ ۱۲۸۵ ۱۲۸۶ ۱۲۸۷ ۱۲۸۸ ۱۲۸۹ ۱۲۹۰ ۱۲۹۱ ۱۲۹۲ ۱۲۹۳ ۱۲۹۴ ۱۲۹۵ ۱۲۹۶ ۱۲۹۷ ۱۲۹۸ ۱۲۹۹ ۱۳۰۰ ۱۳۰۱ ۱۳۰۲ ۱۳۰۳ ۱۳۰۴ ۱۳۰۵ ۱۳۰۶ ۱۳۰۷ ۱۳۰۸ ۱۳۰۹ ۱۳۱۰ ۱۳۱۱ ۱۳۱۲ ۱۳۱۳ ۱۳۱۴ ۱۳۱۵ ۱۳۱۶ ۱۳۱۷ ۱۳۱۸ ۱۳۱۹ ۱۳۲۰ ۱۳۲۱ ۱۳۲۲ ۱۳۲۳ ۱۳۲۴ ۱۳۲۵ ۱۳۲۶ ۱۳۲۷ ۱۳۲۸ ۱۳۲۹ ۱۳۳۰ ۱۳۳۱ ۱۳۳۲ ۱۳۳۳ ۱۳۳۴ ۱۳۳۵ ۱۳۳۶ ۱۳۳۷ ۱۳۳۸ ۱۳۳۹ ۱۳۴۰ ۱۳۴۱ ۱۳۴۲ ۱۳۴۳ ۱۳۴۴ ۱۳۴۵ ۱۳۴۶ ۱۳۴۷ ۱۳۴۸ ۱۳۴۹ ۱۳۵۰ ۱۳۵۱ ۱۳۵۲ ۱۳۵۳ ۱۳۵۴ ۱۳۵۵ ۱۳۵۶ ۱۳۵۷ ۱۳۵۸ ۱۳۵۹ ۱۳۶۰ ۱۳۶۱ ۱۳۶۲ ۱۳۶۳ ۱۳۶۴ ۱۳۶۵ ۱۳۶۶ ۱۳۶۷ ۱۳۶۸ ۱۳۶۹ ۱۳۷۰ ۱۳۷۱ ۱۳۷۲ ۱۳۷۳ ۱۳۷۴ ۱۳۷۵ ۱۳۷۶ ۱۳۷۷ ۱۳۷۸ ۱۳۷۹ ۱۳۸۰ ۱۳۸۱ ۱۳۸۲ ۱۳۸۳ ۱۳۸۴ ۱۳۸۵ ۱۳۸۶ ۱۳۸۷ ۱۳۸۸ ۱۳۸۹ ۱۳۹۰ ۱۳۹۱ ۱۳۹۲ ۱۳۹۳ ۱۳۹۴ ۱۳۹۵ ۱۳۹۶ ۱۳۹۷ ۱۳۹۸ ۱۳۹۹ ۱۴۰۰ ۱۴۰۱ ۱۴۰۲ ۱۴۰۳ ۱۴۰۴ ۱۴۰۵ ۱۴۰۶ ۱۴۰۷ ۱۴۰۸ ۱۴۰۹ ۱۴۱۰ ۱۴۱۱ ۱۴۱۲ ۱۴۱۳ ۱۴۱۴ ۱۴۱۵ ۱۴۱۶ ۱۴۱۷ ۱۴۱۸ ۱۴۱۹ ۱۴۲۰ ۱۴۲۱ ۱۴۲۲ ۱۴۲۳ ۱۴۲۴ ۱۴۲۵ ۱۴۲۶ ۱۴۲۷ ۱۴۲۸ ۱۴۲۹ ۱۴۳۰ ۱۴۳۱ ۱۴۳۲ ۱۴۳۳ ۱۴۳۴ ۱۴۳۵ ۱۴۳۶ ۱۴۳۷ ۱۴۳۸ ۱۴۳۹ ۱۴۴۰ ۱۴۴۱ ۱۴۴۲ ۱۴۴۳ ۱۴۴۴ ۱۴۴۵ ۱۴۴۶ ۱۴۴۷ ۱۴۴۸ ۱۴۴۹ ۱۴۵۰ ۱۴۵۱ ۱۴۵۲ ۱۴۵۳ ۱۴۵۴ ۱۴۵۵ ۱۴۵۶ ۱۴۵۷ ۱۴۵۸ ۱۴۵۹ ۱۴۶۰ ۱۴۶۱ ۱۴۶۲ ۱۴۶۳ ۱۴۶۴ ۱۴۶۵ ۱۴۶۶ ۱۴۶۷ ۱۴۶۸ ۱۴۶۹ ۱۴۷۰ ۱۴۷۱ ۱۴۷۲ ۱۴۷۳ ۱۴۷۴ ۱۴۷۵ ۱۴۷۶ ۱۴۷۷ ۱۴۷۸ ۱۴۷۹ ۱۴۸۰ ۱۴۸۱ ۱۴۸۲ ۱۴۸۳ ۱۴۸۴ ۱۴۸۵ ۱۴۸۶ ۱۴۸۷ ۱۴۸۸ ۱۴۸۹ ۱۴۹۰ ۱۴۹۱ ۱۴۹۲ ۱۴۹۳ ۱۴۹۴ ۱۴۹۵ ۱۴۹۶ ۱۴۹۷ ۱۴۹۸ ۱۴۹۹ ۱۵۰۰ ۱۵۰۱ ۱۵۰۲ ۱۵۰۳ ۱۵۰۴ ۱۵۰۵ ۱۵۰۶ ۱۵۰۷ ۱۵۰۸ ۱۵۰۹ ۱۵۱۰ ۱۵۱۱ ۱۵۱۲ ۱۵۱۳ ۱۵۱۴ ۱۵۱۵ ۱۵۱۶ ۱۵۱۷ ۱۵۱۸ ۱۵۱۹ ۱۵۲۰ ۱۵۲۱ ۱۵۲۲ ۱۵۲۳ ۱۵۲۴ ۱۵۲۵ ۱۵۲۶ ۱۵۲۷ ۱۵۲۸ ۱۵۲۹ ۱۵۳۰ ۱۵۳۱ ۱۵۳۲ ۱۵۳۳ ۱۵۳۴ ۱۵۳۵ ۱۵۳۶ ۱۵۳۷ ۱۵۳۸ ۱۵۳۹ ۱۵۴۰ ۱۵۴۱ ۱۵۴۲ ۱۵۴۳ ۱۵۴۴ ۱۵۴۵ ۱۵۴۶ ۱۵۴۷ ۱۵۴۸ ۱۵۴۹ ۱۵۵۰ ۱۵۵۱ ۱۵۵۲ ۱۵۵۳ ۱۵۵۴ ۱۵۵۵ ۱۵۵۶ ۱۵۵۷ ۱۵۵۸ ۱۵۵۹ ۱۵۶۰ ۱۵۶۱ ۱۵۶۲ ۱۵۶۳ ۱۵۶۴ ۱۵۶۵ ۱۵۶۶ ۱۵۶۷ ۱۵۶۸ ۱۵۶۹ ۱۵۷۰ ۱۵۷۱ ۱۵۷۲ ۱۵۷۳ ۱۵۷۴ ۱۵۷۵ ۱۵۷۶ ۱۵۷۷ ۱۵۷۸ ۱۵۷۹ ۱۵۸۰ ۱۵۸۱ ۱۵۸۲ ۱۵۸۳ ۱۵۸۴ ۱۵۸۵ ۱۵۸۶ ۱۵۸۷ ۱۵۸۸ ۱۵۸۹ ۱۵۹۰ ۱۵۹۱ ۱۵۹۲ ۱۵۹۳ ۱۵۹۴ ۱۵۹۵ ۱۵۹۶ ۱۵۹۷ ۱۵۹۸ ۱۵۹۹ ۱۶۰۰ ۱۶۰۱ ۱۶۰۲ ۱۶۰۳ ۱۶۰۴ ۱۶۰۵ ۱۶۰۶ ۱۶۰۷ ۱۶۰۸ ۱۶۰۹ ۱۶۱۰ ۱۶۱۱ ۱۶۱۲ ۱۶۱۳ ۱۶۱۴ ۱۶۱۵ ۱۶۱۶ ۱۶۱۷ ۱۶۱۸ ۱۶۱۹ ۱۶۲۰ ۱۶۲۱ ۱۶۲۲ ۱۶۲۳ ۱۶۲۴ ۱۶۲۵ ۱۶۲۶ ۱۶۲۷ ۱۶۲۸ ۱۶۲۹ ۱۶۳۰ ۱۶۳۱ ۱۶۳۲ ۱۶۳۳ ۱۶۳۴ ۱۶۳۵ ۱۶۳۶ ۱۶۳۷ ۱۶۳۸ ۱۶۳۹ ۱۶۴۰ ۱۶۴۱ ۱۶۴۲ ۱۶۴۳ ۱۶۴۴ ۱۶۴۵ ۱۶۴۶ ۱۶۴۷ ۱۶۴۸ ۱۶۴۹ ۱۶۵۰ ۱۶۵۱ ۱۶۵۲ ۱۶۵۳ ۱۶۵۴ ۱۶۵۵ ۱۶۵۶ ۱۶۵۷ ۱۶۵۸ ۱۶۵۹ ۱۶۶۰ ۱۶۶۱ ۱۶۶۲ ۱۶۶۳ ۱۶۶۴ ۱۶۶۵ ۱۶۶۶ ۱۶۶۷ ۱۶۶۸ ۱۶۶۹ ۱۶۷۰ ۱۶۷۱ ۱۶۷۲ ۱۶۷۳ ۱۶۷۴ ۱۶۷۵ ۱۶۷۶ ۱۶۷۷ ۱۶۷۸ ۱۶۷۹ ۱۶۸۰ ۱۶۸۱ ۱۶۸۲ ۱۶۸۳ ۱۶۸۴ ۱۶۸۵ ۱۶۸۶ ۱۶۸۷ ۱۶۸۸ ۱۶۸۹ ۱۶۹۰ ۱۶۹۱ ۱۶۹۲ ۱۶۹۳ ۱۶۹۴ ۱۶۹۵ ۱۶۹۶ ۱۶۹۷ ۱۶۹۸ ۱۶۹۹ ۱۷۰۰ ۱۷۰۱ ۱۷۰۲ ۱۷۰۳ ۱۷۰۴ ۱۷۰۵ ۱۷۰۶ ۱۷۰۷ ۱۷۰۸ ۱۷۰۹ ۱۷۱۰ ۱۷۱۱ ۱۷۱۲ ۱۷۱۳ ۱۷۱۴ ۱۷۱۵ ۱۷۱۶ ۱۷۱۷ ۱۷۱۸ ۱۷۱۹ ۱۷۲۰ ۱۷۲۱ ۱۷۲۲ ۱۷۲۳ ۱۷۲۴ ۱۷۲۵ ۱۷۲۶ ۱۷۲۷ ۱۷۲۸ ۱۷۲۹ ۱۷۳۰ ۱۷۳۱ ۱۷۳۲ ۱۷۳۳ ۱۷۳۴ ۱۷۳۵ ۱۷۳۶ ۱۷۳۷ ۱۷۳۸ ۱۷۳۹ ۱۷۴۰ ۱۷۴۱ ۱۷۴۲ ۱۷۴۳ ۱۷۴۴ ۱۷۴۵ ۱۷۴۶ ۱۷۴۷ ۱۷۴۸ ۱۷۴۹ ۱۷۵۰ ۱۷۵۱ ۱۷۵۲ ۱۷۵۳ ۱۷۵۴ ۱۷۵۵ ۱۷۵۶ ۱۷۵۷ ۱۷۵۸ ۱۷۵۹ ۱۷۶۰ ۱۷۶۱ ۱۷۶۲ ۱۷۶۳ ۱۷۶۴ ۱۷۶۵ ۱۷۶۶



مرحوم کے علاوہ اموی عہد میں اور بھی سچی کتاب رہمدارانِ محکمہ خراج کے نام ملتے ہیں مثلاً ابن  
 نائل جسے امیر معاویہ نے حمص کے خراج کی دھولی پر مامور کیا تھا اس کا ذکر اوپر گزرا۔ مزید تفصیل آگے  
 آئے گی، یا شعل جو عبد الملک کا ایک اور معمولی کاتب تھا جہشیری لکھتا ہے۔

وَحَكِي أَنَّهُ كَانَ لِعَبْدِ الْمَلِكِ كَاتِبٌ      بیان کیا گیا ہے کہ عبد الملک کے، م کاتب  
 نَصْرَانِي مِّنْ أَوْسَاطِ كِتَابَةِ يَعْقَالِ      میں سے ایک عیسائی کاتب بھی تھا جس کا نام  
 لَهُ شَمْعَلُ ۞      شمعل تھا۔

اسی طرح سلیمان بن عبد الملک کا ایک کاتب فلسطین کا ایک عیسائی تھا جو بن البطریق کے نام سے  
 مشہور تھا جہشیری لکھتا ہے۔

وَكَانَ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ فَلَسْطِينَ      فلسطین کا ایک شخص جو بن البطریق کے نام  
 يَعْرِفُ بِابْنِ الْبَطْرِيقِ يَكْتُبُ      سے مشہور تھا سلیمان بن عبد الملک کے یہاں  
 لَهُ ۞      کاتب تھا۔

خلفاء کے علاوہ امراء کے یہاں بھی کتابت کا کام عیسائی انجام دیتے تھے چنانچہ عبد الملک بن مروان  
 کا کاتب نیاس بن خایا لہادی تھا جہشیری لکھتا ہے:

وَكَانَ يَكْتُبُ لِعَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مَرْوَانَ      عبد العزیز بن مروان کا کاتب شہر رباکار بنے  
 يَذُوقُ مِثْلَ مَا مَنِ أَهْلُ الرَّهَاءِ ۞      ذائقہ میں بن خویا تھا۔

لیکن نصرانی کتابت ایک انتہائی ضرورت تھی جس سے ان کی ہمیشہ پالیسی یہی رہی کہ وہ فتح کے بعد  
 مغربہ مدافعت کے معاشرتی و تمدنی نظام میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے بلکہ سے علی حوالہ لے سکتے رہیں۔  
 ایران سے وہاں دیوان خراج کو فارسی زبان میں بہت دور رکھ اور اس کی تنظیم کے لئے محض کتابت و دبیران  
 کو سپرے کی طرح باقی رکھا۔ جب محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا تو وہاں نہایت پہلے کی مدت بعد عملہ کے تھیں  
 رکھ کر صرف چھ دیوان غصبت رہا۔ بن خویا نے دیوان خراج میں یہی پالیسی اختیار کی۔

شام میں رکھی۔ جہیاری لکھا ہے :-

ولم یزل بالکوفہ والبصرة دیوانان  
احد هما بالعربية لاحصاء الناس  
واعطيا بقمر وهذا الذي كان عمار  
قد سمسره والاخر لوجو الاموال  
بالفارسية وكان بالشام مثل  
ذلك احد هما بالرومية والاخر  
بالعربية، فخرى الامر على ذلك  
الى ايام عبد الملك<sup>١</sup>  
كونا اور لہرہ میں دس ستر تک (دو دفتروں پر ایک  
عربی میں جہاں لوگوں کی مردم شماری دران کے  
ولائف کا حساب رکھا جاتا تھا۔ اس دفتر کی  
بنیاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈالی تھی۔ اور دوسرا  
نصف مہدیوں کے حساب کے لئے جو فارس  
میں تھا۔ اسی طرح شام میں ایک دفتر رومی زبان  
میں تھا۔ درود سراوانی میں یہی طریقہ عبد الملک  
بن مروان کے عہد حکومت تک برقرار رہا۔

اس لئے چاہئے امر کی نظروں میں، مور محبوب ہو رہی ہے ابن ثل امیر معاویہ کی نظروں میں، یا  
مہنوف رہی ہے سرحدوں عبد الملک کی نظروں میں، دیوان خزانہ کا عہد شام میں رومی زبان جاننے والا ہی  
ہو سکتا تھا جو شامی مسیحیوں سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے دیوان خزانہ پر شامی مسیحیوں کا چھ جانا فطری تھا۔  
اس میں خفا کے پسند و ناپسند کو متاثر نہیں تھا جتنا انتظامی ضرورت کو۔ اس سے اسے خفا کی بے تعلقی  
درودری پر تو عمول کیا جا سکتا ہے مگر اس سے نتیجہ نہیں نکال سکتا یہ کتاب پنے آقاؤں کے مزاج  
میں بھی دخل ہو گئے تھے۔ ان کے قان کی علمی و فکری صلاحیتوں سے متاثر تھے یا کسی نہج سے اس  
کے خوشہ چیں تھے۔

امیر معاویہ معاویہ فہمی و حسن تدبیر کے ساتھ مہنوف تھے۔ وہ بابت تھے کہ جس ملک عضوہ کی  
نبی و انھوں نے ڈالی تھی صحابہ و تبعین میں سے کسی مسلمان کی دیانت و ہذا ترسی اس کی پیچیدگیوں سے  
عہدہ برہان کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔ لہذا انھوں نے شام کے عوام کی انتہائی دست برد کے  
سی طبقہ کو بہ قرقر جو اس کام میں بہارت رکھتا تھا۔ انھوں نے شام کے دیوان خزانہ پر سرحدوں کی

کو مقرر کیا جو اس اہم عہد پر عہد الملک کے زمانہ تک فائز رہا۔ مگر یہ تقرر ایک ناگزیر انتظامی ضرورت تھا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ اس میں نہ تو انتظامی صلاحیت کے علاوہ سرخون کے علم و فضل کو دخل تھا اور نہ امیر معاویہؓ کے کسی علم و دوستی کے جذبے کو۔ تاریخ بھی نہیں بتاتی کہ سرخون نے براہ راست یا بالواسطہ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کی کسی عقلی تحریک کو کسی بھی نہج سے متاثر کیا ہو۔

امیر معاویہؓ کے بعد نیز بر تخت خلافت پر ممکن ہوا۔ اس نے بھی اپنے باپ کے زمانہ کے کاتب خراج سرخون کو اس اہم عہد پر برقرار رکھا۔ اس کے علاوہ اُس نے اسے اپنا ذیم و شیر بنایا جس کی وجہ سے اس کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی کہ عام اسلامی شعار کے برخلاف جس کی کم از کم ظاہری حد تک ہی دوسرے اہل دربار مراعات کرتے ہوں گے (نیز یہ ہو و لعب غنا و سرور و بادہ گساری کاریا تھا۔ دربار کے کسبی ملازمین کو ان باتوں سے کیا دریغ ہو سکتا تھا۔ ان ملازمین میں سب سے بلند مرتبہ دیوان خراج کا کاتب تھا۔ لہذا اس نام نہاد خلیفہ نے اسے اپنا حریف بادہ پیا اور ذیم خاص بنایا۔ ابو الفرج نے کتاب الانانی میں لکھا ہے :-

کان یزید بن معاویہ اول من

سن الملاحی فی الاسلام من الخلفاء

و اوسى المغنیین و اخص الفلک و شر

الخصر و کان ینادہ علیہا سرخون

النصرانی مولی و الا حطل و کان

یاتیہ من المغنیین سائب خاص

فیقیم عندہ فیخلع علیہ و اصلہ

فمن یزید اسے خلعت دیتا اور صے دیتا۔

اس لئے اگر بالفرض اس علی دین ملوک کی حد کے عام اصول کے برعکس ایک ذیم نے

اپنے ولی نعمت پر کوئی شریک بھی ہو تو وہ اسی سے نوشی و عیش کو نشی کے سلسلے میں مجبور نہ ہو سکتا۔

اس لئے کہ کتاب الانانی جزو ثانیہ و ہم ص ۶۸۔



یہ نیزہ کے خمریات میں ایک خاص کیفیت ہو۔

رجسٹری نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے کوہِ پہنچنے کی خبر موصول ہوئی تو نیزہ نے اس کے مدارک کے لئے سرخون ہی سے مشورہ کیا۔

ولما اتصل بیزید محبہ الحسین جب نیزہ کو امام حسین رضی اللہ عنہ کے کوہ کی طرف

رضی اللہ عنہ الی الکوفہ..... جانے کی خبر ملی..... تو اس نے سرخون

...تا ورسرخون بن منصور فی من بن منصور ہی سے مشورہ کیا کہ عراق کا گورنر

یولی العراقؓ

کے بنائے۔

لیکن اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اُمراء اسلام اتنے تنگ نظر نہ تھے کہ سلطنت کے اہم معاملات میں مشورہ کرنے کے لئے مسلم و غیر مسلم کی تفریق کو روا رکھتے ہیں اس قسم کی دینِ فردوسی کے معاملے میں دین دار مسلمانوں کے مقابلے میں ایک بے دین نصرانی ہی کا مشورہ زیادہ قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔ خرمزبانان رسولؐ انصاریؑ کی عجو کے لئے اُسے کون مسلمان شاعر تھی جو اس عجمی فردوسی ہی کے لئے مل جاتا۔ انصاریؑ کی عجو کے لئے اسے ایک نصرانی شاعر اخطلؑ ملا تفصیل آگے آئے گی اور خاندانِ رسالت کی ہر بادی کے لئے بھی اس نے ایک نصرانی مشیری سے مشورہ کیا۔

بہر حال سرخون نے نیزہ کی خمریات کی لطیف و دقیق میں کوئی حصہ یا ہویا نہ لیا ہو جس کی تحقیق عربی دہ کے مورخین کا منصب ہے۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اس نے شامی نو فلطونی نوکار کو اس کی نظروں میں ہر دلعزیز بنایا ہو یا بازنطینی مسیحی ذمیات کے رجحانات کو اسلامی مفکرین سے متعارف کیا ہو۔

نیزہ کے بعد اس کا بیٹا معاویہ خلیفہ ہوا۔ اُس نے بھی سرخون کو دیوانِ خراج کی کتاب پر برقرار رکھا۔ مگر جدید کی خدمت کے بعد وہ اس اہم ذمہ داری سے مستعفی ہو کر گوشہ نشین ہو گیا۔ اس کے بعد عام خاندان کا دور شروع ہوا۔ شام میں مروان نے قبضہ جمایا، اس کے زمانہ میں بھی سرخون اپنے عہد پر برقرار رہا۔

دکانِ مکتب ملوہاں... علی لدیوان مروان کے زمانہ میں دیوانِ خراج کا کاتب سرخون

۱۔ کتاب الزمر اور کتاب ص ۱۳۱

سرجون بن منصور النصرانیؒ، بن منصور نصرانی تھا۔

مردان کے بعد اس کا بیٹا عبد الملک اُس کا جانشین ہوا بعد اللہ بن زبیر کو شکست دے کر وہ عالم اسلام کا خلیفہ ہوا۔ اُس نے بھی دیوان خراج پر سردست سرجون ہی کو برقرار رکھا۔

وكان يتقلد ديوان الشام بالرومية

شام میں دیوان خراج کا جو رومی زبان میں تھا،

بعد الملك ولما تقدمه سرجون

منظم اعلیٰ عبد الملک کے زمانہ میں نیز اُس کے

ابن منصور النصرانیؒ

پیشروں کے زمانہ میں سرجون بن منصور نصرانی تھا

فان کریم کہتا ہے:-

"SERGIUS, THE FATHER OF JOHN OF DAMASCUS ENJOYED

ED

AT THE COURT OF THE CALIPH ABDUL - MALIK, THE PLACE

OF FIRST COUNCILLOR, AND AFTER HIS DEATH HIS

SON WAS GIVEN THE SAME POST"

(VON KREMER: CONTRIBUTION TO THE HISTORY

OF ISLAMIC CIVILIZATION, P. 59)

یعنی (۱) سرجون عبد الملک کا مشیر اعلیٰ تھا، اور

(۲) سرجون کی وفات پر یہ عہدہ عبد الملک نے اُس کے بیٹے یوحناؒ کو تفویض کیا۔

مگر یہ دونوں قول محل نظر ہیں:-

۱۔ واقعہ ہے کہ جو بھی اسباب ہوں عبد الملک سرجون کو پسند نہیں کرتا تھا۔ ممکن ہے سرجون جیسے بزرگ

اول کی منادیت کا اعزاز حاصل رہ چکا تھا عبد الملک کو اُن طریق میں نہ لانا ہو۔ ممکن ہے بزرگ کے زمانہ میں عبد الملک

کو کوئی خاص وقار حاصل نہ ہوا اور سرجون نے اس کا استخفاف کیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس خانہ جنگی و سیاسی

انتشار اور عدم یقین کے زمانہ میں سرجون نے ٹھہرا اور دیکھو اُسے اچھول پھینک کر تے ہوئے عبد الملک کے

لے کتاب اور راجہ راجہ پ ص ۳۲ تا ایضاً ص ۳۰

یہ زید کے خمریات ہیں ایک خاص کیفیت ہو۔

وجہ تیسری نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے کوفہ پہنچنے کی خبر موصول ہوئی تو زید نے اس کے تدارک کے لئے سرخون ہی سے مشورہ کیا۔

ولما اتصل بیزید محبہ الحسین جب زید کو امام حسین رضی اللہ عنہ کے کوفہ کی طرف

رضی اللہ عنہ الی الکوفہ..... جانے کی خبر ملی..... تو اس نے سرخون

...شاہد سرخون بن منصور فی من بن مشورہ کیا کہ عراق کا گورنر

یولی العراق، کے بنائے۔

لیکن اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اُمراء اسلام اتنے تنگ نظر نہ تھے کہ سلطنت کے اہم معاملات میں مشورہ کرنے کے لئے مسلم و غیر مسلم کی تفریق کو رد کر دیتے نیز اس قسم کی دین فروشی کے معاملے میں دین دار مسلمانوں کے مقابلے میں ایک بے دین نصرانی ہی کا مشورہ زیادہ قابل قبول ہو سکتا ہے۔ خرمیز بان رسول رانہار کی عجو کے لئے اسے کون مسلمان شاعر ملتا تھا جو اس عقیقہ فروشی ہی کے لئے مل جاتا۔ انہار کی عجو کے لئے اسے ایک نصرانی شاعر اخطل مار تفیس آگے آئے گی، اور خاندن رسالت کی بربادی کے لئے بھی اس نے ایک نصرانی شیریں سے مشورہ کیا۔

بہر حال سرخون نے زید کی خمریات کی لطیف و دقیق میں کوئی حصہ یا ہویا نہ لیا ہو جس کی تحقیق عربی ادب کے مورخین کا منصب ہے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اس نے شامی لوفلاطونی دکار کو اس کی نظروں میں ہر دلعزیز بنا ہویا یا نہ نطنسی سچی ذمیات کے رجحانات کو اسلامی مفکرین سے متعارف کیا ہو۔

زید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ خلیفہ ہوا اس نے بھی سرخون کو دیوان خراج کی کتابت پر مقرر کیا۔ مگر جب یہ کتابت کی خدمت کے بعد وہ اس اہم ذمہ داری سے مستعفی ہو کر گوشہ نشین ہو گیا۔ اس کے بعد عام خراج کا دور شروع ہوا۔ شام میں مردان نے قبضہ جابایا۔ اس کے زمانہ میں بھی سرخون اپنے عہدہ پر مقرر رہا۔

دہان مکتب مروان۔۔۔ علی لدیوان مرد لکے نہ میں دیوان خراج کا کاتب سرخون

مکتب مروان و کتابت مروان



سرجون بن منصور النصرانیؒ بن منصور نصرانی تھا۔

مروان کے بعد اس کا بیٹا عبد الملک اُس کا جانشین ہوا عبد اللہ بن زبیر کو شکست دے کر وہ عالم اسلام کا خلیفہ ہوا۔ اُس نے بھی دیوان خراج پر سردست سرجون ہی کو برقرار رکھا۔

وكان يتقلد ديوان الشام بالرومية  
عبد الملك ولما تقدمه سرجون  
ابن منصور النصرانيؒ

شام میں دیوان خراج کا جو رومی زبان میں تھا،  
مظلم اعلیٰ عبد الملک کے زمانہ میں نیز اُس کے  
پیشروں کے زمانہ میں سرجون بن منصور نصرانی تھا

فان کریم کہتا ہے:-

"SERGIUS, THE FATHER OF JOHN OF DAMASCUS ENJOYED  
AT THE COURT OF THE CALIPH ABDUL - MALIK, THE PLACE  
OF FIRST COUNCILLOR, AND AFTER HIS DEATH HIS  
SON WAS GIVEN THE SAME POST"

(VON KREMER: CONTRIBUTION TO THE HISTORY  
OF ISLAMIC CIVILIZATION, P-59)

یعنی (۱) سرجون عبد الملک کا مشیر اعلیٰ تھا، اور  
(۲) سرجون کی وفات پر یہ عہدہ عبد الملک نے اُس کے بیٹے یوحناؒ کے دستِ حق تعالیٰ سے لے لیا۔  
مگر یہ دونوں قول محل نظر ہیں:-

۱۔ واقعہ ہے کہ جو بھی اسباب ہوں عبد الملک سرجون کو پسند نہیں کرتا تھا۔ ممکن ہے سرجون جیسے بزرگ  
اول کی منادست کا، غار حاصل رہ چکا تھا عبد الملک کو خاطر میں نہ لانا ہو۔ ممکن ہے مزید کے زمانہ میں عبد الملک  
کو کوئی خاص وقار حاصل نہ ہوا اور سرجون نے اس کا استخفاف کیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس خانہ جنگی اور سیاسی  
انتشار اور عدم یقین کے زمانہ میں سرجون نے تھہرو اور دیکھو کے اصول پر عمل کرتے ہوئے عبد الملک کے

لے کتاب ایوارڈ لکھتا ہے ص ۳۳ تا ایضاً ص ۳۴

اقتدار کو بکا حقہ تسلیم کرنے میں پس و پیش کیا ہو جو بھی وجہ ہو سر جو بن عبد الملک کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ عبد الملک اور ابن زبیر کی خانہ جنگی کے دوران میں سر جو بن نے قیصر روم کے ساتھ خفیہ ساز باز کرنا شروع کر دیا ہو۔ اسلامی تواریخ اس شبہ کے ذکر سے خاموش ہیں مگر یوحنا کے دمشق (جس کے باپ کو مسٹر سر جو بن بتاتے ہیں) کے متعلق جیسا کہ اس کے عقیدہ مند سوانح نویس یوحنا کے بیروشلیم نے لکھا ہے کہ یہ الزام ناقابل تردید حد تک ثابت ہو چکا تھا کہ اس نے قیصر سے خلیفہ کے خلاف سازش کی ہے (تفصیل آگے آئے گی) مسٹر مین کا یہ بھی خیال ہے کہ سر جو بن کے باپ منصور ہی کی دغا بازی کی وجہ سے دمشق مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ ریورنڈ جے۔ ایچ۔ لپٹن (Lupton) نے یوحنا کے دمشق کی سوانح حیات میں لکھا ہے۔

ASSEMANUS EVEN THINKS IT WAS THIS MAN SUR,

WHO HELPED TO BETRAY DAMASCUS TO THE SARA

CENS

IN 634 (LUPTON: ST. JOHN OF DAMASCUS) P. 25 NOTE.

اس لئے ممکن ہے سر جو بن نے بھی کوئی ساز باز کرنا شروع کیا ہو یا عبد الملک کو اس کے متعلق کوئی شبہ ہو گیا ہو (جس کے لئے بقول مسٹر مین قوی قرائن موجود تھے)۔

بہر حال جو بھی وجہ ہو عبد الملک اور سر جو بن کے درمیان ایک دوسرے کی طرف سے صاف نہیں تھے اور آخر کار عبد الملک نے سر جو بن کو اس عہدے سے برطرف کر دیا یہی نہیں بلکہ اس محکمہ ہی کو سچی روپیوں کے قبضہ سے نکال لیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے:-

چونکہ سر جو بن در اس کی جماعت دسچی کتاب، دیوان خراج پر عہدہ سے چھلے ہوئے تھے عبد الملک کا حسن تدبیر سے مستثنیٰ ہونے کی جرأت نہ کرتا تھا مگر جب دیوان ارباب کے منظم علی سیہ بن سعد، عسکری نے اسے یقین دلایا کہ وہ اسے سر جو بن اور سر جو بن کے ماتحت عہدہ کی ضرورت سے بے نیاز کر سکتا ہے تو پھر عبد الملک نے اسے سر جو بن کو انور معطل کر دیا۔ ابن ندیم لکھتا ہے:-

وقد فسر لادیوان نقد فی ایام

عہد الملک فامانہ، سر جو بن بعض





قال بو ثورث لحوالت الحساب الخائفة  
 قال فانعل. فرد الیہ عبد الملک  
 جمع دوادین الشام  
 وکتب الوزير وکتب ص ۴۱

کیا تم اس کا کچھ مذاکرہ کر سکتے ہو؟" ایمان بن  
 سعد نے کہا اگر آپ چاہیں تو میں تمام حسابات کو  
 میں منتقل کر سکتا ہوں۔ بعد الملک نے کہا تو پھر کرواؤ  
 اس کے بعد عبد الملک نے شام کے تمام رفاہ کو  
 ایمان بن سعد احشانی کے تحت کر دیا۔

دیگر مؤرخین نے بھی جیشاری ہی کی تائید کی ہے تفصیل آگے آرہی ہے، اس کے بعد یہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا  
 کہ سرجون عبد الملک کا معتمد عبید یا شیراعلیٰ تھا۔  
 غالباً فان کریمیر کا ماخذ یوحنا کے برہنہ کی تصنیف "سوانح یوحنا کے دمشق" ہے جس میں یوحنا کے  
 دمشق کے باواہد کے متعلق لکھا ہے۔

"HIS FORE FATHERS..... HAD BEEN STEWARDS  
 IN HIGH TRUST EVEN AMONG THE SARACENS .....  
 THE FATHER OF THIS SECOND JOHN (OF DAMASCUS) ...  
 .... WAS A MAN OF HIGH POSITION, BEING APPOINTED  
 TO ADMINISTER THE PUBLIC AFFAIRS THROUGH THE  
 WHOLE COUNTRY"

(LUPTON: ST. JOHN OF DAMASCUS: P 24-25).

اس کے علاوہ مسلمانوں کے زبانی میں بھی نصر مرقی و رٹ کے معتمد علیہ تھے۔ اس یوحنا کے  
 نامی یوحنا کے دمشق ابو پ... بڑا صاحب مرتبہ جس کا تقریر پوری سلطنت کے امور کی کے انتظام کیلئے ہوا تھا  
 سین آگے پس درمدم ہو گا کہ یہ سوانح حیات اور اس کی تفصیلات نامابل اعتماد ہیں۔

اسی طرح یہ قول بھی محض نظر ہے کہ بعد الملک نے سرجون کی وفات پر اس کے بیٹے یوحنا کے دمشق کو اپنا مشیراعلیٰ  
 چاہا جب کہ جیشاری عبد الملک نے سرجون کی زندگی ہی میں اسے درمدم کو یوحنا بن شریح سے عہدہ کر دیا تھا بعد یوحنا  
 رٹ کو رومی زبان سے عربی میں منتقل کر کے دیون کی اجازت دی کہ وہی نامہ لکھ دیا تھا تو یوحنا بن کریمیر کا کہنا کہ عبد الملک نے سرجون

(باقی) اس کے بیٹے یوحنا کے دمشق کو تفویض کر دیا تھا قطعاً غلط ہے۔

# تاریخ الرده

اجاب ڈاکٹر خورشید احمد ذوق صاحب اسناد و بیات عربی و دینی بیوٹکی

(۸۱)

عمر بن ضبائی لشکر سی خالد کے دوستوں اور یاروں کے سادات میں سے تھے، ان کا تعلق بحرِ بحرین سے نہیں بلکہ قلم سے تھا جو بنو لشکر کا ایک تختان تھا۔ خالد نے عمر سے کہا: اپنی قوم کے پاس جاؤ اور ان کو یہ خبریں سنو جن سے ان کے جو بھلے پست ہو جائیں۔ عمر کا نام ہے ابو حنیفہ کو اس بات کا علم نہ تھا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں، وہ غیبی عمدہ گھوڑ سوار درمقدار آدمی تھے انھوں نے کہا: صاحبو! جہا بحرین و اندلس کے یہ لشکر کے ساتھ خالد تھا اسے سر پر پہنچے ہیں مسلمان یہ مہر فتح کرتے بڑھے چلے رہے ہیں، سر غلطان اور عیب بود زن کو ٹھکانے لگائے اب تم ان کے جنگل میں ہو ان کا نعرہ ہے: لا قوت الا باللہ! لا قوت الا باللہ! لا قوت الا باللہ! میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ تم ان پر صبر کے ذریعہ غالب ہو، چاہو تو وہ خدا کی مدد سے ذریعہ غلبہ ہو جائیں گے، اگر تم زندہ کی کشتی سے ان پر غلبہ چاہو تو موت کی کشتی ان کو تم پر غلبہ کر دے گی اور اگر تم کثرتِ فوج سے ان کو ہرانا چاہو تو وہ خداوندی مدد سے تم پر فتح حاصل کر لیں گے تمہاری درسدلوں کی حالت یکساں نہیں ہے سلام سر منہ ہوا ہے ترک منہ لگوں کا لہڑی ہے درتھ رکتھ اب ان کے دل بھی خوشی اور ولولوں سے منور ہیں، تم دھوکہ میں مبتلا ہو، اس وقت جب کہ ان کی مودتِ مذہب میں ورنہ کاتیر کش میں ہے تمہارے لئے سرشتی اندر سلام کی ہدایت ہے، ان کے موتیوں میں مسلمانوں کی فوج میں دس دس رہا کرتے رہا ہوں جو دھوکہ مارتی تھاری طرف چلی رہی ہے، ابو حنیفہ نے عمر کی بات نہ مانی ورنہ یہ جاسوسی کا لازم لگایا، عمر لوٹ گئے

ان کے جانے کے بعد، سر بن مال نے عام جلسہ میں تقریر کی اور کہا: ”ہا جو امیری باتیں گوش ہوش سے سنئے اور عمل کیجئے، اس میں آپ کا بھلا ہے، دینی ایک مشن میں شریک نہیں ہوتے، محمد کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور خدا نے ان کے ساتھ کوئی دوسری بنا کر بھی نہیں بھیجا ہے، تمہارے قرآن کی یہ آیت عادت کی بحکم تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم: غافر الذنب قابل التوب شدید العقاب لا الہ الا هو الیہ المصیر اور کہا: یہ خدا کا کلام ہے۔ اس سے سیمہ کے اس کلام کا منہ بند کیجئے: یا صفا ع لقی کومستقین لا الشرب تمنعین ولا الماء تکدرہن، کتنا بے شکا ہے یہ کلام۔ محمد کے بزرگین کی ایک مثال میں آپ کو سنتا ہوں، رسول اللہ میرے پاس سے گزرے، میں اپنی قوم کے دین پر تھا، میں نے ان کو قتل کرنا چاہا، نو عمر ابن ضائبی شکاری آڑے آئے، رسول اللہ نے میرا خون بہا کر دیا، میں نے سفر کیا جب مدینہ کے نواح میں آیا تو رسول اللہ کے آدمیوں نے مجھے گرفتار کر لیا، لیکن آپ نے مجھے معاف کر دیا، میں مسکون ہو گیا، آپ نے مجھے حج بیت اللہ کی اجازت دی، میں نے کہا، رسول اللہ بنو قریظہ نے اس کو سلام سے پہلے مار ڈالا تھا، آپ نے مجھے ان سے بدلہ لینے کی اجازت دیدی، میں نے ان پر چھاپہ مارا اور ماں غنیمت کہ جس رسول اللہ کے پاس بھیجا، رسول اللہ کا جب انتقال ہوا تو ایک ایسا شخص ان کا جانشین ہوا جو سارے مسلمانوں سے زیادہ دین کی بصیرت رکھتا ہے اور جو اسلام کے اصول کو نافذ کرنے میں کسی رمت کی پروا نہیں کرتا، اس جانشین نے تمہارے پاس ایک شخص بھیجا جو نہ تو اپنے نام سے مشہور ہے نہ اپنے آپ کے بے سیف اللہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، ان کے ساتھ بہت سی خدائی تواریخ ہیں، حضرت خوب غور و فکر کر لیجئے، ابو حنیفہ نے تمہارے آڑے ہاتھوں یا اور خوب گت بنائی، تمہارے یہ شعر کہے:

مسیلۃ رجع ولا تمحک فامک فی الامر لشرک

مسافر و راست پر تیرا جواز، اڑو جگر و مت۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم کو نبوت یا خدائت میں دیکھ سکتا تو (شریک نہیں کیا گیا ہے۔

کذبت علی اللہ فی وحیہ فکان ہواک ہوا لا نولک



جی کا دعویٰ کر کے تم نے خدا پر بہتان تراشا ہے تمہاری آرزو میں بڑی احمقانہ ہیں

هَذَا قَوْمٌ اَنْ يَمْنَعُوْكَ وَاِنْ يَأْتِيَهُمْ حَالٌ مِّثْلُ

تمہاری قوم نے تم کو سبز باغ دکھایا ہے کہ وہ تمہاری مدد کریں گے۔ حالانکہ اگر خالد آگئے تو وہ تم کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

فَمَا لَكَ مِنْ مَّصْعَدٍ فِي السَّمَاءِ وَلَا لَكَ فِي الْأَرْضِ مِنْ مَسَلِكٍ

اس وقت نہ تو آسمان پر تم چڑھ سکو گے اور نہ زمین پر تمہارا ٹھکانا ہو گا۔

بطاح سے خالد بن ولید کا ہراول دستہ بھیجا

جب خالد بن ولید بطاح سے چل کر تبوک کے علاقہ میں داخل ہوئے تو انھوں نے دو سو سواروں پر مشتمل ہراول دستہ معن بن عدی عبدانی کی قیادت میں بھیجے۔ ورنہ کن رہبر کے لئے فرات بن حیان بھی کوا مور کیا اور جاسوس بھی مقرر کئے ایک کلث بن زید النخیل طائی اور دوسرا ان کا بھائی۔ قاضی و قدی: خالد جب عرض پہنچے تو انھوں نے دو سو سواروں پر مشتمل چند ٹوئیاں بھیجیں اور کہا کہ جو مے اس کو پکڑ لو یہ ٹوئیاں روانہ ہوئیں اور مجاہد بن مرارہ خنقی کو اس کے پیس ہم قوموں کی ہمراہی میں پکڑ لیا یہ لوگ ایک نیرسی عرب کے ثقات میں نکلے تھے جس نے ان کے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا، ان کو خالد کی پیش قدمی کا علم نہ تھا، ٹویوں کو انھوں نے بتایا کہ ہمارا تعلق بنو ضیفہ سے ہے سناں سمجھ رہے تھے کہ یہ سید کی طرف سے خالد کے پاس بھیجی ہوئی سفارت ہے جب صبح ہوئی اور سپاندہ فوت آگئی تو یہ ہراول ٹوئیں مجاہد اور ان کے ساتھیوں کو خالد کے پاس لیکر آئیں، وہ بھی سمجھے کہ یہ سید کے قاصد ہیں انھوں نے پوچھا تمہاری سیلہ کے بارے میں کیا رائے ہے تو انھوں نے کہا وہ رسول اللہ سے ہے مجاہد سے مخاطب ہوتے ہوئے اور تمہاری کیا رائے ہے؟ مجاہد: نجد میں ایک نیرسی عرب کے ثقات میں نکلے تھے جس نے ہمارے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا مجھے سید سے کوئی عقیدت یا قربت نہیں ہے میں رسول اللہ کی خدمت میں باکرہ اسلام قبول کر چکا ہوں اور اس پر بدستور قلم نموں، خالد نے مجاہد کے ساتھیوں کو

ایک ایک کر کے قتل کرنا شروع کیا۔ جب ساریہ بن مسیحہ کی باری ڈیڑھ گھنٹے لگے۔ خالد بن ولیدؓ کے ساتھ بر کر دیا بھلا، مجاہد کو مارنا کیونکہ وہ جنگ ہوا صلح دونوں حالتوں میں تمہارے کام آئے گا۔ مجاہد سی اثر آدمی تھا، خالدؓ نے اس کو قتل نہیں کیا، خود ساریہ اور اس کی بایں ان کو اتنی لہذا میں کہ اس کی جان بھی بخش دی دونوں کے پٹریاں ڈنوا دیں۔ خالدؓ مجاہد کو وقتاً فوقتاً ہا کر اس سے باتیں کیا کرتے، مجاہد سمجھا کہ خالدؓ اس کو قتل کر دیں گے، ایک ننگی کے دوران مجاہد نے کہا: ”ابن المغیرہ میں مسلمان ہوں میں نے اپنا مذہب نہیں چھوڑا ہے، میں رسول اللہؐ سے ملتا تھا درمیان ہو کر لوٹا میں لڑنے کے لئے نہیں نکلا ہوں۔ اس نے میری عزت کے قتل کی بات پھر دہرائی۔ خالدؓ نے اور ترک قتل کے درمیان ایک منزل ہے اور وہ ہے قید میں تم کو اس وقت تک قید رکھوں گا جب تک اسے لڑاؤ جنگ کا فیصلہ نہ ہوگا خالدؓ نے مجاہد کو اپنی بیوی ام مہتمم کے حوالہ کر دیا۔ وہ ۲۵۴ھ میں اس سے نکاح بن کر قتل کر کے بھڑوں نے شادی کر لی تھی، ام مہتمم کو بھڑوں نے، یاد کر دی کہ مجاہد کے ساتھ چھ بتاؤں ہیں، مجاہد نے خالدؓ سے کہا: جس کو تم سے رشتہ ہوگا وہ کیا آج دریا کھل تم سے بہا بہا دے گا اور جس کو تم سے بھدائی کی یہ ہوگی وہ کیا آج دریا کھل وہ ہر وقت تم سے بھدائی ہی کی توقع رکھے گا، مجھے تم سے امید بھی دیرم بھی، تم کو معلوم ہے کہ میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ہاتھ پر وفاداری سدا کی سبقت کر چکا ہوں، پھر وطن لوٹا اور بدستور سدا پڑھتا ہوں، اگر کوئی جوتا، مٹی ہارے درمیان پیدا ہو تو اس پر ہم پر کیا ذمہ داری ہے؟ کلاثر دروازہ دروازہ آخری۔ تم نے میرے ساتھیوں کے مارنے میں بڑی عجلت کی، جدی میں اکثر غلط کام ہوتے ہیں، خالدؓ مجاہد تم نے وہ مذہب چھوڑ دیا ہے جو کل فخر کیا تھا، تم جیسے چوٹی کے معزز آدمی اس مذہب کی نبوت پر خاموش رہنا، اس کی نبوت تسلیم کرنے کے برابر ہے۔ تم نے وہ روش کیوں نہ اختیار کی جس پر تمہاری گرفت نہ ہوتی، تم نے بو حنیفہ کو اسلام کی وفاداری پر قائم رکھنے کے لئے دوسرے لوگوں کی طرح تعزیریں یوں نہیں جیسے نہ بنیں۔ در غیر شیری، اگر تم کہو کہ مجھے بو حنیفہ کی طرف سے رشتہ تھا تو تم میرے پاس کیوں نہ چلے آئے یا تم مجھے خدا کیوں نہ کھا، میرے پاس کوڑا تو صد کیوں نہ بھیجا، ہاں ہر جہ سے میری جنگ اور ان کی

شکستہ نش کا ہاں تم کو معلوم تھا اور یہ بھی کہ میں فوج کے ساتھ تمہاری طرف بڑھا آ رہا ہوں! "مجماعہ امیری سب تقصیریں معاف کر دو تو بہتر ہے" خالدؓ میں نے تمہاری جان بخشی کی لیکن مسیہ کے بارے میں تمہاری خاموشی سے ہنوز میرے دل میں تمہاری طرف سے شبہ ہے اور میں تم کو گرفتار رکھوں گا! "مجماعہ" تم نے میری جان بخش دی تو اب مجھے قید کا خوف نہیں ہے! "خالدؓ جب کہیں پڑاؤ ڈالتے تو مجمعہ کو بلاتے اور اس کے ساتھ کھانا کھاتے اور باتیں کرتے! ایک دن انھوں نے مجھ سے پوچھا "یاد ہو تو بتاؤ مسیہ کیسا کلام سنایا کرتا ہے" مجمعہ نے اس کی فرعونہ وحی کی کچھ جزئیات بتیں سنائیں! "خالدؓ تم سمجھو اور مغفرت دے دو! کلام اللہ سنو اور پھر دشمن خدا کا کلام دیکھو جس سے وہ قرآن کا مقابلہ کرتا ہے! خالدؓ نے مجمعہ کو سچ اسم ربک الا علی والی آیت ماوت کر کے سنائی! "مجماعہ" ایک بحرئی عرب سید کا بیٹا، مغرب تھا وہ ہمارے پاس آتا اور رہتا تھا! یہ ہو رہا ہے کہ تمہارا یہ لیڈر نجد کا رہتا ہے میرا خیال ہے کہ تم اس سے میرے تقرب کو دیکھتے ہوئے اس کے بارے میں میری رائے کو غلط بیانی پر غیروں میں کر دے بغیر وہ دروغ باف اور باطل فروش ہے! خالدؓ اس بحرئی نے یہ کیا کیا! "مجماعہ" وہ بھاگ گیا تو وہ یہ مسیہ کی یوں کھیل کرتا تھا اس کے نزدیک وہ کہ نہیں سیدہ ہارنہ ڈالے! اس نے وہ بھاگ کر نجد چلا گیا! خالدؓ اس مغرب کی باتوں سے بھی بے حسیہ کی گتھیں نہ کھیں! اس نبیؐ کی کچھ اور دروغ بیانی سنو! "مجماعہ" اخراج مکہ حنظلہ و زانا و سبھا و تمنا! "خالدؓ اور تم اس کلام کو منزلاً من اللہ سمجھتے رہے! "مجماعہ" اگر اس کو حق نہ سمجھتے تو دس ہزار سے زیادہ جاندار اس کے جھنڈے تلے جیتے ہوئے جاتے ان سے کل تمہارا مقابلہ ہو گا! خالدؓ خدا ہماری مدد کرے گا اور سلام کا بول بالا ہو گا! ان کا مقابلہ دراصل خدا اور اس کے سامنے ہے۔

کتاب النبیؐ میں ہے: پھر خدا درود نہ ہو گا اور یہاں تک کہ وہی میں یا خیمہ لگا یا بوضیفہ مسیہ کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے عید مترب عبد مترب عبد! جب خالدؓ نے قریب پہنچے اور عفرہ میں پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا تو انھوں نے اسے دے دیا! "مجماعہ" یہاں سے گزرو! مسیہ اور اس کی فوج پہلے ہی سے عفرہ میں خیمہ زن ہے! خالدؓ نے اپنے مشیروں سے سہارا کی درخواست کی اور ان کی طرف مشیر قدامی کریں! خود بھی عفرہ کا قریب پہنچے! "مجماعہ" یہاں سے گزرو! خالدؓ نے



فوج کے ساتھ روانہ ہوئے اور عفر بارہا کر اترے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلے خاٹرنے عفر بارہا میں اپنا کیمپ لگایا اور پھر سید نے اور ایک قول یہ ہے کہ دونوں بیک وقت وہاں فروکش ہوئے اور اولوں کا بیان ہے کہ مسلمان ہرار رقاں بن عنقرہ کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے رہے تھے غنہ پہنچ کر انھوں نے دیکھا کہ وہ سیلہ کی ہراؤں فوج کا ساما رہے، انھوں نے اس کو خوب لعنت ملامت کی جب خالد اپنا کیمپ لگا چکے اور بنو ضیفہ نے اپنی صفیں درست کر لیں تو خاندنی صفوں کی طرف گئے درزید بن خطاب کو اپنا جھنڈا دے کر آگے بڑھایا، اور انصار کا جھنڈا ثابت بن قیس بن ثمال کے حوالہ کیا، وہ اس کو لیکر بڑھ گئے اپنے مہینہ یزید بن عتبہ بن ربیعہ کو اور مسیرہ پر شجاع بن وہب اور گھوڑا فوج پر بردار بن مالک کو مقرر کیا پھر ہرا کو ہٹا کر ان کی جگہ اسامہ بن زید کو، مور کیا، اس کے بعد انھوں نے اپنے خیمہ میں ایک تخت بچھوایا اور اس پر لیٹ کر مچھ جو تم تمہ کی حرارت میں تھے نیز متاڑ بھاہ سے باتیں کرنے لگے بنو ضیفہ تو ایں سوئے آگے بڑھے اور سارا دن بڑھتے رہے تو ایں دیکھ کر خاندنہ بولے، خوش ہو جاؤ مسلمانو! خاندنہ دشمن کو تھکانے لگا دیا، اس کا دور سے تو ایں سوئے تناس بات کی دیں جے کہ وہ تم سے ڈرتا ہے اور اس کے معنی میں یقینی بزدلی در شکست: ”مچھ جے“ ہر گز نہیں ذرا غور سے دیکھو ابوسیدان! یہ ٹھنڈی تو ایں ہیں۔ اس ڈر سے کہ ہیں دہج صبح کی سردی سے ٹوٹ نہ جائیں بنو ضیفہ ننگا کر کے دھوب دکھ رہے ہیں: ”جب بنو ضیفہ سناؤں کے قریب آئے تو انھوں نے لٹکار کر کہا: ”واضح ہو کہ تم نے تو ایں نہ تو تم کو ڈرانے کے لئے سوئی ہیں، نہ اس کی ذمہ داری ہے بلکہ بات یہ ہے کہ وہ ہندی ہو ہے ریشل اکی ہیں صبح ٹھنڈی تھی، ہیں مذیشہ ہو کہ کہیں ٹوٹ نہ جائیں، اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ تم سے دینے تک ن کو سینک لیں عنقریب تمہاں کی گرمی محسوس کر دو گے“ سخت لڑائی ہوئی، دونوں فریق بڑی پامردی سے لڑتے رہے ن کے بہت سے لوگ مرے اور بہت سے گھائل ہوئے۔ مسلمانوں میں پہلے مقتول مالک بن زور تھے جن کو محکمہ بر طغیس نے مارا، پرانے درقرن خون صحابہ کو دشمن نے ہستی طرح بھریا، معذو دے چند کو چھوڑا، یہ سب کیت رہے دونوں فریق کئی بار پسپا ہوئے، مسلمان مشرکوں کے اور مشرک مسلمانوں کے کیمپ میں کئی بار گھس آئے، جب مسلمان اپنا

کیمپ چھوڑ کر پسا ہوئے اور بنو حنیفہ اس میں گھس پڑے تو انھوں نے چاہا جماعہ کو لے جائیں لیکن چونکہ اس کے بیڑاں پڑی تھیں اور مسلمانوں کی ترکتا زبھی برابر جاری تھی وہ لے جانے میں کامیاب نہ ہوئے جو ابی حملہ کر کے جب مسلمان پھر کیمپ پر قابض ہوئے تو وہ یہ کہتے ہوئے جماعہ کو قتل کرنے چھپے: قتل کر دو دشمن خدا کو ان کا سرغنہ ہے: وہ اگر بنو حنیفہ کی اس تک رسائی ہو گئی تو وہ اس کو لے جائیں گے: مسلمانوں نے جماعہ پر تلوار سونپی تو خالد کی بیوی ام مہتمم نے اپنے جسم کی اوٹ میں اس کو لے لیا اور کہا ہٹو یہ میری پناہ میں ہے: جماعہ نے بھی کئی بار ام مہتمم کو بنو حنیفہ سے بچا یا تھا جب خالد نے جماعہ کو ام مہتمم کے حوالہ کر کے اس کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی تھی تو جماعہ نے ام مہتمم سے کہا: کیا تم مجھے تہ عہد کر دو گی کہ اگر میری طرف کے لوگ فتح ہوں تو تم میری پناہ میں رہو گی اور اگر تمہارے لوگ فتح ہوں تو تم مجھے اپنی پناہ میں لو گی: ام مہتمم نے یہ عہد کر لیا تھا۔

(باقی)

## ۱۸۵۷ء کی تاریخی روزنامہ

۱۸۵۷ء کے واقعات پر ہندوستان و پاکستان میں متعدد کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں لیکن یہ روزنامہ اپنی مختلف خصوصیات کے لحاظ سے ایک عجیب تاریخی دستاویز ہے۔ روزنامہ نگار نے عبداللطیف میں جنھوں نے متعدد دہلی کا آنکھوں دیکھا جاں جہاں شہر اور یوٹر انداز میں سپرد قلم کیا ہے، اس روزنامہ میں بعض ایسی معلومات بھی ملتی ہیں جو پہلی بار اسی روزنامہ نگار کے ذریعہ ملت آتی ہیں۔ اس کو پڑھ کر ۱۸۵۷ء کے سبق آموز اور عبرت ناک تاریخی ہنگامہ کے چشم دید حالات و واقعات کا نقشہ ایک خاص ترتیب کے ساتھ سامنے آتا ہے۔

کتاب کے مرتب شہوین فضل اور یوٹر خلیق احمد صاحب نظامی ہیں جن کی تاریخی بصیرت مسلمات کا درجہ رکھتی ہے۔ شہر دہلی میں ڈاکٹر بوسنہ میں صاحب پرورش جی ایس ایس کے یونیورسٹی گزٹ کے پیش لفظ کے علاوہ خلیق احمد صاحب کا بیڑا بیت جامع اور بصیرت افزا و مفید ہے اس کے بارے میں روزنامہ نگار کا دل میں اور پھر اس کا سہل و سگفتہ اور وزیر جہد، صحت ۱۹۷۰ء تقیظ ۲۰۰۰ء قوت غیر محمد میں روپے یکا میں نئے پیسے۔ مجید چار روپے پچاس نئے پیسے۔







اداکرے وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح بعض جگہ تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ صرف حضرت علیؓ پر حضرت معاویہؓ ہی کو نہیں بلکہ زیر کو ہند کرنا چاہتے ہیں۔ ایک جگہ حضرت معاویہؓ کے فضائل کا ذکر کرتے کرتے سیاست و حکومت حضرت عمرؓ سے بھی انھیں بڑھا دیتے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں تمام میں، سف کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ ہم ان کے باہمی نزاعات کے بارے میں مکلف لسان کریں اور خود انھیں اپنے لئے تفصیل و موازنہ کی بحثوں سے اپنے زبان و قلم کو آلودہ نہ کریں۔

ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، عطاء بن ابی ریحانؓ، حسینؓ، حسنؓ، سب ابوبکرؓ، تھے۔ ان سب نے قرآن و نبوت سے روشنی حاصل کی تھی اور سب ہمارے لئے امت پر امت تھے قرآن کریم نے انھیں

رضی اللہ عنہم ورضوان اللہ

کا تیار کیا۔ اور جناب رسالت آتے

اصحابی کا لہجہ، با بعد اقتدا یتو، لہتد یتو

فرمایا۔

انہیں حضرت کی جدوجہد نے دین کو محفوظ و مامون شکل میں پہنچایا، اور ان کا یہ احسان قیامت تک امت کے سر پر رہے گا۔ تمام حق و باطل نے صحابہ کرام کو ان کے باہمی نزاعات میں غصہ تسلیم کیا ہے۔ دیر یہ کہا ہے کہ یہ حضرت اہل اجتہاد کی راہوں پر عمل تھے، ظاہر ہے کہ ان کا اختلاف ظنی مسائل میں ہوا ہے۔ ورنہ ان مسائل میں اجتہاد کے مجاز تھے۔ ان کی جہاد کے ذریعے، بہت خصوص اور حد پرستی کی بھی زندگی اس پر مشابہ ہے کہ صحابہؓ اپنی خواہش نفس کے پیرو نہیں تھے۔ وہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر جزئیہ میں صرف "رضائے الہی" کو سامنے رکھتے تھے۔ یہ ان کا مطلق نظر تھا، اور یہی ان کا نصب العین بہر حال کتاب کے جن بیانیہ : دست پر گفتار کی بنیاد ہے۔ اس کے نتیجہ یہ ہے کہ یہ دوری ہے کہ اس کے

کچھ اقتباسات پیش کئے جائیں۔ اور نتائج نکال کر گفتگو کی جائے مصنفؒ پر تحریر فرماتے ہیں:

”ہم عصر حضرات کو جن میں کثیر تعداد صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین کرام کی شاہان  
تھی امیرنیرید کی سیرت در کردار میں کوئی خامی ایسی نظر نہیں آتی تھی جس کی بنا پر عقد بیعت خلافت  
باجائز ٹھہرے یا بعد بیعت ان کے خلاف خروج و بغاوت کا جواز نکالا جائے“

۴۹ پر لکھا ہے

”علم و فضل، تقویٰ و پیرہیزگاری، پابندی صوم و صلوٰۃ کے ساتھ امیرنیرید درجہ کریمہ النفس،  
صوم الطبع، سنجیدہ و متین تھے۔“

۵۰ پر دیکھئے

سیرت امیرنیرید کا یہ مختصر سا تذکرہ اس سلسلہ میں کیا گیا ہے کہ ان کے کردار میں کوئی ایسی خامی نہیں  
تھی کہ ان کے خلاف خروج کا جواز نکالا جاسکتا

۵۱ پر تحریر ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور حکام شریعت کی نصیحتات سے ورنہ بے کھڑے حضرت حسینؑ  
کے امیرنیرید کے خلاف قریباً چوبیس مرتبہ خط لکھے۔“

مصنف نے نیرید کے ایک شعر سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت حسینؑ نے بھی امیر المومنین معاویہؓ کی  
زندگی میں امیرنیرید کی ولایت کی بیعت کی تھی۔ مثلاً

اور اپنے اس دعویٰ کی تائید میں ایک یورپین مورخ دوزی کے حوالے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں  
”آزاد و بے لاگ مورخین نے حضرت حسینؑ کے اقدام خروج کے سلسلے میں اسی بات کو بیان  
کیا ہے۔ مشہور مورخ دوزی کا ایک فقرہ اس بارے میں قابل حوالہ ہے۔“

یہ فی ثبوت تصدیق اس تہویر میں خود بخود بھرے درخت کی سیڑھی کی طرح ہونے کی قیمت دار  
کے جو یک آنکھی لغزش و خٹکے زنی اور زبیب قریب غیر مسئول کیسے کہ ان ہمت کی چوب  
نیرنگی سے رواں دواں ہوں مدد اللہ کے روبرو میں نہیں کیا ہے۔ ان کے جمعہ دہائیوں میں کثرت و مشرت



انہیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ انہیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصور وار خیال کرتے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے حضرت مدوئے کی زندگی میں یزید کی وسیعہ کی بیعت کی تھی اور اپنے حق یا دعوائے خلافت کو ثابت نہ کر سکے تھے۔

اسی طرح ۹۰ پر اقدام خروج کی غلطی کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں ”گردار خلیفہ میں کوئی فہمی یا برائی ایسی نہ تھی کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نہ لایا جاسکتا تھا۔“  
پھر ۹۱ پر جو کچھ لکھتے ہیں۔ اسے غور سے پڑھا جائے۔

اب اگر بالفرض یہ ثابت کر دیا جائے کہ حضرت حسینؑ نے اپنے موقف سے رجوع نہیں کیا تھا تب بھی دینی زاویہ نگاہ سے امیر المومنین پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ اس سے پہلے جو واقعات گزر چکے ہیں ان کی روشنی میں یہ اعتراض بھی حکومت پر عائد نہیں ہوتا۔ جب کہ حضرت علی مرتضیٰ پر۔

حضرت علیؑ کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی۔ امت کی بڑی اکثریت ان کی بیعت میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ ان کے خلاف جو حضرات کھڑے ہوئے وہ بڑی جمیعت رکھتے تھے۔ ان کے قبضہ میں ملک تھے اور انہوں انسانوں کی حمایت نہیں حاصل تھی۔ پھر لیا خلیفہ جسے جمہور کی حمایت حاصل نہ ہو جب شرعاً اس کا مجاز ہے کہ اپنے مخالفین کے خلاف قیام نہ کرے تو امیر یزید جو متفق علیہ خلیفہ تھے جن کا پرچم تمام عالم اسلام پر ہوتا تھا جن کی بیعت میں سیکڑوں صحابہ کرام خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ نیز حضرت حسینؑ کے بھائی حضرت محمد بن علیؑ راہنہ خلیفہ اسی مقتدر اور مقدس ہتیاں داخل تھیں۔ وہ اس کے مجاز کیوں نہیں کہ اپنے خلاف خروج کرنے والوں کا مقابلہ کریں۔ ۹۲

حاصل یہی ہوا کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ جن کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی، امت کی بڑی اکثریت ان کے خلاف تھی اور جمہور امت کی حمایت حاصل نہیں تھی۔ اگر حضرت معاویہؓ اور حضرت عائشہؓ کے خلاف کارروائی کر سکتے ہیں تو شرعی یزید کو جو متفق علیہ خلیفہ تھا جس کی حکومت کا پرچم تمام عالم اسلام پر ہوتا تھا اس کا حق کیوں نہیں کہ وہ حضرت حسینؑ پر تدارک ٹھاکے جو حکومت عادلانہ سے بغاوت کے مجرم تھے۔ آگے مصنف نے خود واضح کیا ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ کی تواراگرام الدینین عائشہؓ کے خلاف بے نیام ہو سکتی ہے..... تو حضرت حسینؑ کے خلاف توار کیوں نہیں اٹھائی جاسکتی۔

اس کے بعد مصنف نے حضرت حسینؑ کی دعوت اور تحریک کی بنیاد کون لفاظ میں واضح کیا ہے جن کی (حضرت حسینؑ کی) دعوت محض یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ و حضرت علیؑ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ نہیں بنایا جائے۔

اس طرح حضرت حسین بن علیؑ مصنف کے نقطہ نظر سے محض خاندانی اور نسلی فضائل کی بنیاد پر یزید کے خلاف دعوت خلافت لے کر اٹھے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ اسلام اس طرح کے دعاوی تسلیم کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہے۔ اسی لئے مصنف کے خیال میں حضرت حسینؑ ایک حکومت عادلہ اور خلافت صحیحہ کے باغی تھے لیکن اس جرم بغاوت کے باوجود شروع سے ان کے خلاف کوئی سخت کارروائی نہیں کی گئی خود لکھتے ہیں "باوجود اس کے، ان کے خلاف شروع سے مشدودانہ کارروائی نہیں کی گئی" ۱۸

ان اقتباسات اور کتاب میں پھیلے ہوئے دوسرے خیالات کی روشنی میں مصنف کے تصورات کا خلاصہ یہ ہے

الف :- یزید علم و فضل، تقویٰ و پرہیزگاری کا جامع تھا۔ صوم و صلوٰۃ کی پابندی کے ساتھ ہر درجہ کریم النفس، حلیم الطبع، سنجیدہ و متین تھا۔ خلافت کے لئے جن صفات کی ضرورت ہے وہ اس میں بدرجہ اتم اس میں موجود تھیں۔

ب :- ان سب باتوں کے بعد وہ خلیفہ منتخب ہوا۔

ج :- صحابہ کرامؓ اور جمہور صحابہؓ و عقدا اس کی خلافت پر متفق تھے اور کردار یزید میں کوئی ایسی خامی نہ پاتے تھے جس کی بنیاد پر اس کے خلاف خروج کو جائز کیا جائے۔

د :- ایسے عادل و متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج شرعاً حرام ہوگا اور سے بدعت و بدعت کے خلاف بدعت کہ جائز ہے۔

س :- ان مقدمات کی روشنی میں ظاہر ہے کہ مصنف کے نقطہ نظر سے حضرت حسینؑ کا قد م خروج

حرام ہو گا اور بغاوت۔ اور چونکہ حضرت حسینؑ نے.... حضرت معاویہؓ کی جہات میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت بھی کرتی تھی۔ اس لئے وہ شرعاً مدبر اور نقض عہد کے مجرم تھے۔

س :- ان سب امور سے زیادہ اہم جرم ان پر یہ عائد ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی دعوت اور تحریک کی بنیاد ہی ایک ایسی غلط بات پر رکھی جو قطعاً شریعت اسلامی کی روح کے خلاف ہے اسلام آیا ہی تھا نسلی اجارہ داری کو مٹانے اور اسے جڑ سے اکھڑنے سے حضرت حسینؑ کا مطلقاً یہ خود مصنف کے الفاظ میں ایسا نہ تھا کہ کتاب اللہ سے اس کی کوئی سند پیش کی جا سکتی ہے نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ نہ تعامل فعلی راشدین اور نہ غزکم بل بیت سے۔ (۱)

لیکن ان سب جرائم کے باوجود حکومت وقت نے ان کے خلاف شروع سے تشدد نہ کارروائی نہیں کی، حضرت حسینؑ کو بل پیہچے اور ان کی طاقت اس فوجی دستہ سے ہوئی جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا حضرت حسینؑ کے ساتھیوں نے جو سبائی زہنیت رکھتے تھے۔ اس دستہ پر حملہ کر دیا اور اچانک جنگ چھڑ گئی اور یہ دو قہر مخروں پیش گیا۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد رقم الحروف نے جو کچھ محسوس کیا۔ وہ یہی امور ہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ تمام بل لفظ اس احساس میں شریک ہوں گے۔ کتاب کے پیش کردہ مندرجہ بالا صورت حق ہیں۔ یا باطل؟ اس کے فیصلہ کی ایک راہ یہ ہے کہ ہم تاریخ کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔ اس سلسلہ میں تاریخ تمام کتابیں وضع نظریات پیش کرتی ہیں۔ لیکن جب کہ غرض کیا یہ مصنف کو عام کتب تاریخ پر اعتماد نہیں ہے۔ ان کو ان تمام کتب تاریخ میں بن صدوں پر اعتماد ہے۔ جب کہ مصنف کی تصریح گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ ایک اور جگہ رقم طراز ہیں۔

عُدۃ موعود نے وراثت عہد کی بحث میں امیر یزید کی ولی عہدی کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے۔ وہ اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہے۔ اس کے پیش نظر رقم الحروف کا یہ استنباط شاید غلط نہ ہو کہ تنہا وہی ایک مودعہ ہیں جنہوں نے دیر غرضی روایات کی طرح نہ نچ کر ہر کی موضوعات کو اسی معیار سے جلیجھے کی کوشش کی تھی جس کی پاداش میں ان کی کتاب کے تمام نسخوں سے صرف یہی تین ورق.... جو



اس حادثہ کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ آج تک کسی فروش کو چارواں گ عالم میں دستیاب نہ ہو سکے  
عرض مولف

مصنف کا یہ استنباط کس حد تک صحیح ہے اس سے بحث نہیں۔ یہاں تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ مصنف  
کو ابن خلدون پر پورا بھروسہ ہے اس لئے ہم دوسری تاریخوں کا سہارا لینے کے بجائے خود ابن خلدون کی  
راے مذکورہ بالا مسائل کے بارے میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

کیا یہ عادل و مستقیم | علامہ ابن خلدون نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ تاریخ میں رجوان کی تاریخی معلومات  
اور پرہیزگار تھا | اور تحقیقات کا پتھر ہے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کہ تمام صحابہ شمع ہدایت تھے۔  
ان کی عدالت، ان کا تقویٰ اور ان کا اخلاص محتاج بحث و نظر نہیں وہ اس سے بہت بالاتر ہیں کہ ان کے  
بارے میں نفاقیت کا وہم بھی کیا جائے۔ اس لئے حضرت امیر معاویہؓ کا یہ زیور کو ولی عہد بنانا بھی <sup>مصلحت</sup>  
سے تھا۔ اور ان مباحث کی تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے۔

وعرض هنا امور تدعو للضرورة  
یہاں چند معاملات ایسے ہیں جن کے بارے میں  
الحی بیان الحق فیہا (۱۷۶) حق کا واضح کر دینا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں پہلا سوال کیا ہے؟ اور ابن خلدون نے اسے کس طرح حل کیا ہے؟ ذرا غور  
سے سنو وہ کہتا ہے

فالاول منها ما حدث فی یزید  
من الفساق ايام خلافتہ (۱۷۶)  
پہلا مسئلہ تو یہ کہ فساد کا ہے جو اس کے  
زینہ خلافت میں پیدا ہو گیا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب یزید فاسق تھا تو حالت معاویہؓ جیسے اس سجدہ کرنے والے سے وہی عہد کیوں بنی؟  
اس کا نہ ورنہ اس لئے کہ ابن خلدون صاحب حدیث من الفساق یزید کے فساد کا چرچہ و یقین کے ساتھ  
ذکر کرتا ہے۔ یہودی روایت کیا جاتا ہے، صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سبب فساد کی اس طرف  
نسبت کی جاتی ہے، اس طرف کے دوسرے نفاذ ستوں کے لئے جس سے یہ سمجھا جاتا کہ ان کے نزدیک  
یہ روایات کمزور و رواہی ہیں۔

اگر افسق یزید کی روایتیں و اہیات و مختصرات تھیں تو اس کا ہدف جو یہی تھا کہ ابن خلدون ان روایتوں پر نقد کرتے جب کہ ان کی عادت ہے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ انہیں دوسرے جواب کا سہارا لیا پڑا۔ وہ لکھتے ہیں۔

فایا لہ ان تلحن بمعاولیہ رضی اللہ  
عنہ املہ علم ذالک من یزید فامانہ  
اعدل من ذالک و افضل  
ہرگز ہرگز تم حضرت معاویہؓ کے بارے میں یہ گنا  
مت کرنا کہ وہ یزید کے اس فسق سے وقت تھے  
اور انہوں نے اس کو پھر بھی ولی عہد بنا دیا

وہ اس سے بالاتر درجہ ہیں۔

(۱۷۶)

یزید کو ابن خلدون عدست و تقویٰ کے اعلیٰ درجہ پر سمجھتے ہیں۔ یا فسق و فجور کا مرتکب۔ اس کا اندازہ  
تو مندرجہ بالا جملوں ہی سے ہوتا ہے۔ لیکن اگلے جملہ میں تو ابن خلدون نے اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ  
یزید کی طرف جو موسیقی اور گانے بجانے کی شوق کی نسبت کی جاتی ہے وہ صحیح ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ  
عنہ کی حیات ہی میں پیدا ہو چکی تھی اور حضرت معاویہؓ اس کی اس حرکت پر مدست بھی کرتے تھے۔  
بل کان یعدلہ ایام حیاتہ فی  
سماح الغناء وینہا کا عنہ  
بلکہ حضرت معاویہؓ یزید کو اپنی زندگی میں غنا کے  
سننے پر مدست کرتے تھے اور اس سے منع  
فرماتے تھے۔

(ص ۱۷۷)

ابھی تو مندرجہ بالا تصریح پر قناعت کیجئے۔ آئندہ صفحات میں اس سلسلہ کی کچھ اور تفصیل آ رہی ہے۔

### صحابہ کا موقف یزید کے بارے میں

حنف نے بہت تفصیل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صبیحہ یزید کی امارت پر خاموشی ہی  
نہیں رہی۔ مگر انہوں نے اس کی ہدف کو بخوشی قبول کیا۔ مختلف عہدوں کو قبول کیا اس سے کہ وہ  
یزید کو ولی و منتفی ہدف کے رائق سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں یزید کے گرد میں کوئی حامی نہیں تھی۔  
وغیرہ وغیرہ۔

دیکھنا یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا موقف خلافتِ یزید اور کردارِ یزید کے بارے میں کیا تھا؟ کیا وہ واقعہ اس کی عدالت و تقویٰ کے معترف تھے۔ اور اسی لئے وہ حضرت حسینؑ کو اس اقدام سے روک رہے تھے۔ ابن خلدون یزید کے فسق اور اس کے بارے میں صحابہ کرامؓ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

وما حدث فی یزید ما حدث  
من الفسق اختلفت الصحابة  
حیث فی شأنہ (۱، ۱۱)

جب یزید میں فسق و فجور ظاہر ہوا تو اس وقت صحابہ کے مابین اس کے بارے میں اختلاف رائے ہوا۔  
خیال رکھئے کہ یزید کا فسق محتاجِ بحث مسئلہ نہ تھا۔ اختلاف ہوا تو اس میں کہ اس اہم فاسق کے سلسلہ میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے؟

فمنہم من ساءى الخروج عليه  
ونقض بعيثه من اجل ذلك كما  
فعل الحسين وابن الزبير ومن  
اتبعهما في ذلك (۱، ۱۲)

پس صحابہ کی ایک جماعت تو یزید کے خلاف خروج کرنے اور اس کے فسق و فجور کی وجہ سے بیتِ یزید کی قائل تھی جیسا کہ حضرت حسینؑ اور ابن زبیرؓ نے ان کے پیروں کی

اور دوسری جماعت کا مسلک یہ تھا  
ومنہم من ابى  
کیوں؟ کیا اس لئے کہ "یزید کے کردار میں کوئی غامی نہیں تھی؟ نہیں! بلکہ  
ما فیہ من آثار کما الفتنۃ وکثرۃ  
القتل مع الجحش عن الوقاعملہ  
اس لئے کہ اس سے فتنہ مٹھے گا اور قتل و قتل  
ہوگا، پھر حالات بھی ایسے نہیں ہیں کہ یہ  
دعوت پوری ہوگی۔

اب صحابہ نے جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے وہ بھی سنئے  
فاقصوا عن یزید بسبب  
من فتنہ و فتنہ و فتنہ سے یزید کے خلاف



اقاموا علی الدعاء بعد ایستہ اب و اوگ یزید کی ہدایت اور اس سے سناؤ

والراحة منه کی نجات کے لئے دعا کرنے میں مشغول ہو گئے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مسکب یزید کے بارے میں جو کچھ تھا، اس کا خلاصہ یہی ہوا کہ فاسق اسے بھی سمجھتے تھے، بعضوں نے اس بلایہ سے نجات دلانے کے لئے خروج کیا، اور اپنی جانیں "حکومت عادلہ اور خلافت راشدہ" کے قیام کی جدوجہد میں قربان کر دیں اور دوسری جماعت نے عام مسلمانوں کو فتنہ و فساد سے بچانے کی خاطر سکوت اختیار کیا۔ اور دعا کی راہ اختیار کی، ابن خلدون نے اس خلیفہ رائے کا ذکر کرتے ہوئے بہت قیمتی حجتیں لکھی ہیں۔

والکل مجتہدون ولا ینکر علی احد یہ سب حضرات مجتہد تھے ان میں سے کسی پر نیکر

من الفرقین فمقاصدھم فی البد کرنا جائز نہیں۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ ان سب

وتحرى الحق معا وقتہ۔ وقتنا للہ حضرت کا منصب العین صرف نیکی اور حق ہوتا

الاحقاد بعصر تھا۔ اندران کی اقتدار کی ہیں تو فیق عطا

فرمائے، آمین

(۱۴۷)

جیسے کہ عرض کیا گیا۔ محمود، حماد، عیسیٰ بن حرب کے نقطہ نظر سے حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت محض یہ تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور حضرت عثمان کے بیٹے ہیں، اس لئے انھیں خلیفہ بن جائے، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مصنف کا یہ نقطہ نظر یہ نہیں ہے جس کی تائید میں کوئی تاریخی شہادت پیش کی جائے، بلکہ ایرٹ کا جائزہ ہمارے

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیوں خروج کیا؟ ان کی دعوت کیا تھی؟ کیا وہ محض نسل و نسب کی بنیاد پر دعویٰ نسبت لے کر ٹھٹھے

رہنمائی کر رہے تھے کہ حضرت حسینؑ کے قدم کا نصب العین "خلافت عادلہ صحیحہ" کا قیام تھا۔ یزید کا فسق و فتنہ نبوت کو خلافت قیصر دوسری اسے بدل رہا تھا۔ یہ فسق گھر کی چار دیواریوں میں محدود نہ رہا تھا۔

بلکہ عوام انسان کے سامنے کھل چکا تھا، اس وقت حضرت امام حسین بن علیؑ کے اجتہاد نے اس طرف رہنمائی کی کہ اس "امام جائز" کے سامنے حق کا اظہار ضروری ہے۔ اور انھوں نے اس راہ میں اپنی جان دیدی۔ ابن خلدون لکھتا ہے۔

واما الحسين فانه لما ظهر فسق  
يزيد عند الكافيه من اهل  
عصره بعثت شيعه اهل البيت  
بالكوفه الحسين ان ياتيه حقيقوا  
بامره - (۱۸۰)

حضرت حسینؑ کا معاملہ یہ ہوا کہ جب یزید کا فسق  
اس زمانہ کے تمام لوگوں کے سامنے کھل گیا تو  
کوفہ کے طرفدار ان ہی بیت نے انھیں پیغام  
بھیجا کہ وہ ان کے پاس چلے آئیں، اور یہ لوگ  
ان کی سرکردگی میں اٹھ کھڑے ہوں۔

اب یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک طرف خلیفہ کا فسق ہے جو تمام بیک کے سامنے بے پردہ ہو چکا ہے۔ دوسری  
طرف اہل کوفہ کی دعوت ہے جو تحریک کے لئے شوکت کا سامان ہیا کرتی ہے حضرت امام حسینؑ نے اپنے  
کو اس دعوت کا اہل سمجھا، اور خروج کا فیصلہ کیا اور اہل کوفہ کے اس پیغام کو لبیک کہا۔ اب آپ غور کریں  
کہ کیا حضرت حسینؑ نے اس پکار پر لبیک محض اس لئے کہا کہ وہ جاہ و اقتدار کے بھوکے تھے؟ یا محض اس  
لئے کہ وہ نبی کے نواسے تھے؟ ابن خلدون لکھتا ہے۔

سأى الحسين ان الحق وج على  
يزيد متعين من اجل فسقه  
لا سيما من له القدره على ذلك  
حضرت حسینؑ نے رائے قائم کی کہ یزید کے فسق  
و فجور کی وجہ سے اب اس کے خلاف خروج  
ضروری ہے خصوصاً اس شخص پر جو اس کی  
قدرت رکھتا ہو۔ (۱۸۰)

معلوم ہوا کہ حضرت حسینؑ کے قدم خروج کی وجہ یہ تھے، ابلی تھی، ان کا اپنا کمال مستحق نہیں۔  
آگے چل کر ابن خلدون لکھتا ہے کہ  
حضرت حسینؑ نے اپنے اندر خروج کی قدر محسوس کی اپنی اہمیت اور اپنی شوکت کی وجہ سے  
ابن خلدون لکھتا ہے کہ جہاں تک خداوند کی اہمیت و وحدیت کا تعلق ہے۔

اہمیت جیسی وہ سمجھتے تھے ویسی ہی تھی بلکہ

اس سے بھی زیادہ

ہاں شریعت کے انداز میں ان سے غلطی ہوئی۔ اس لئے کہ اس وقت ساری کلیدی طاقتیں، اور  
عصبیت بنو امیہ کے ہاتھ میں تھی۔ زمانہ جاہلیت کی عصبیت جو اہم مسائل کے پیش آ جانے کی وجہ سے  
دب گئی تھی پھر ابھرتی تھی، اس لئے اس کا متعابدہ مشکل تھی۔ اس نکتہ پر بعد لکھتا ہے کہ

قد تبین لك غلط الحسین الا انه

فی امر دنیوی ولا یضارک الغلط

قیہ (۱۸۱)

حضرت حسینؑ کے اندازہ کی غلطی تھی رے سلنے  
و واضح ہو گئی، لیکن یہاں رکھو کہ یہ غلطی دنیاوی  
امر میں ہوئی، اور دنیاوی (سیاسی) غلطی سے

بغیر کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا،

ربا اس خروج کا شرعی حکم تو ظاہر ہے کہ اس کے جواز میں شک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لئے  
کہ اس کی بنیاد مجتہد کے اجتہاد پر ہے۔

۴۔ اصل یہ ہے کہ حضرت، امام کے خروج کی بنیاد زیر کافق و فوج تھا اس کی تحریک کی بنیاد خلافت  
عادلہ کا قیام تھی۔ وہ خدا نخواستہ ایک غیر سادہ جبرائیلی نسی فیضیت کی بنیاد پر خلافت کے مدعی  
نہ تھے۔

جب عام صحابہؓ کو، رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ مسلک سلنے آ گیا کہ  
دو زیر کافق کے فسق کے باوجود اس کے خلافت خروج کے قائل نہ تھے، بعض

میں پڑھنا موقوف حضرت حسینؑ  
کے بارے میں

اس لئے کہ فتنہ و فساد کا خطرہ تھا، مگر یہ اپنے اس اجتہاد کی بنیاد پر حضرت امامؑ کا ساتھ تو نہ  
دے سکے

لوریا بعوا الحسین

لیکن، امام حسینؑ کو غیر سادہ تحریک کا داعی و رہنما گار بھی نہ کہا،

ولا انکر واعیہ ولا اثموا (۱۸۲)

نہ انھوں نے حضرت حسینؑ پر تکبر کی، ورنہ انھیں



گنہ گار قرار دیا۔

اور عام صحابہؓ کو حضرت حسینؑ نے بھی مورد الزام قرار نہیں دیا۔ اس لئے کہ وہ بھی اپنے اجتہاد پر عامل تھے، لیکن اپنی دعوت کی حقانیت پر اور اپنی تحریک کی سچائی پر انھیں صحابہؓ کو گواہ بناتے تھے، جو علما ان کے اس اقدام میں شریک نہیں تھے اور کربلا میں اعلان کرتے تھے،

یستشهد یصور و یقاتل بکربلا حسینؑ جب کربلا میں قتل کر رہے تھے انھیں

علیٰ فضلہ و حقہ و یقول سلوا صحابہؓ کو اپنے فضل اور اپنے حق پر گواہ بناتے

حابر بن عبد اللہ و اباسعید

تھے اور کہتے تھے،

الحذامی و النعمان بن مالک

پوچھو ابابکر بن عبد اللہ ابو سعید خدریؓ انس

و مہمل بن سعید و زید بن ارقم

بن مالک، مہمل بن سعید، اور زید بن ارقمؓ

وامثالہم (۱۸۰)

وغیرہ سے۔

فدا یہ یہی ہوا کہ حضرت حسین بن علیؑ اپنے اجتہاد پر عمل پیرا ہو کر یزیدوں سے ہمدرد نہ ہوئے اور عام صحابہؓ نے فتنہ و فساد کا خیال کرتے ہوئے اسی میں نجات سمجھی کہ یزید کی ہدایت کے لئے دعاں جائے، اور اس سے نجات اور راحت کی دعاں چلے حضرت حسینؑ سمجھ رہے تھے کہ عام صحابہؓ بھی یزید کے فتنے سے واقف ہیں، اور وہ بھی ہدایت عادلہ کے قیام کو ضروری سمجھتے ہیں لیکن نبویہ کی طاعت اور عصیت کی بنیاد پر کسی نئی تحریک کا باساؤ و بنیاد مشکل ہے، اور پھر مسلمانوں کے مابین قتل و خون کا اندیشہ ہے اس لئے وہ اس طرح کی تحریک اٹھانے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے حضرت حسینؑ نے انھیں مدد نہ کرنے پر مورد الزام بھی نہ سمجھا، اور دوسری طرف انھیں اپنی دعوت پر گواہ بناتے رہے یہیں سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے، کہ بعض صحابہؓ نے حضرت حسینؑ کو اس اقدام یا کوفہ کی طرف جانے سے روکا تھا اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ یزید کے کردار میں کوئی ایسی نہی نہ تھی جس کی وجہ سے اس کے خلاف خروج جائز نہ ہو، بلکہ اس کی وجہ یہی تھی کہ سمجھ رہے تھے کہ حالات ایسے نہیں ہیں جس میں یہ تحریک کامیاب ہو سکے۔

یزید اور دوسرے کے لئے حضرت حسینؑ سے تباہی و ترقی؟ | اس شبہہ کو زائل کرتے ہوئے کہیں حضرت حسینؑ کے

قتل میں صحابہ کی رائے کو بھی دخل تھا؟ ابن خلدون لکھتا ہے:

”حضرت حسینؑ سے یزیدوں کا قتال حضرت صحابہؓ کی رائے اور ان کے اجتہاد سے نہ تھا۔ (۱۸۱)

بلکہ

انما انفس حبیۃ لہ یزید و اصحابہ بلکہ ان کے قتل کے ذمہ دار صرف یزید اور

اس کے ساتھی ہیں۔

(۱۸۰)

اس کے بعد اس طرح کے خیالات کی ترمیم کرتا ہے کہ جب حضرت حسینؑ باغی تھے تو ان سے قتال شرعاً

جائز ہوتا، چاہیے اور لکھتا ہے کہ

باغیوں سے قتال علماء کے نزدیک اسی وقت جائز ہے جب کہ آپ امام عادل کا ساتھ دے رہے

ہوں، اور یہاں ایسا نہیں ہے۔

اس لئے کہ یزید طیار ہے کہ عادل نہیں تھا پس اس کے خلاف خروج امام عادلؑ کے خلاف بغاوت

نہ ہوگی لہذا شرعاً حضرت حسینؑ سے قتال جائز نہیں ہوگا۔

فلا یجوز قتال الحسین مع یزید ہذا حضرت حسینؑ سے قتال کرنا نہ دوسروں کے

لئے یزید کی محبت میں جائز تھا اور نہ خود یزید

کے لئے جائز تھا۔

ولا لیزید

اور اگلا جملہ سنئے

کہ حضرت حسینؑ سے قتل و قتال تو یزید کی ان

حرکتوں میں سے ایک حرکت ہے جو اس کے منق

کے دیکھتے رہتی ہیں۔

بل ہی من فعلاً ملوکتاً

نفسہ

(۱۸۰)

حضرت حسینؑ کی حیثیت اس معاملہ میں کیا تھی؟

حسینؑ شہید تھے، اللہ کی طرف سے اجر و ثواب کے

مستحق ہوئے وہ باحق تھے اور اپنے اجتہاد پر عامل

و احسینؑ فیہ مشہد مشاب و هو علی

حق و اجتہاد۔

ابن العربی اور واقعہ شہادت | قاضی ابوبکر بن العربی نے "العوامم والقوامم" نامی کتاب میں حضرت حسین بن علیؑ کے قتل کو حق بجانب قرار دیا ہے اور اس مسئلہ پر بحث کی ہے محمود احمد صاحب عباسی نے بن عربی کی رائے سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، لیکن بن خلدون اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے،

قد غلط القاضی ابوبکر ابن العربی  
الماکی فی هذا فقال فی کتابہ الذی  
سمی العوامم والقوامم معناه  
ان الحسين قتل بشرا عیاداً  
قاضی ابوبکر بن العربی سے اس مسئلہ میں غلطی  
ہو گئی انھوں نے اپنی کتاب "العوامم والقوامم"  
میں ایسے الفاظ لکھے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ  
حضرت حسینؑ اپنی ذات کی شریعت کے مطابق  
قتل کئے گئے

(۱۸۰)

ابن عربی کا اشارہ اسی طرف ہے کہ اس میں نقطہ نظر سے باغی کی سزا قتل ہے اس لئے حضرت حسینؑ کا قتل جائز تھا۔ بن خلدون لکھتا ہے کہ ابن عربی کا یہ خیال غلط ہے اس لئے کہ باغی کا قتل جائز اس وقت ہی جب کہ امام عادل ہو یہاں تو مسئلہ کی صورت ہی دوسری ہے۔ ایک طرف یہ ہے جس کا فسق و فجور روزگار کی طرح واضح ہو چکا تھا یہ "اہل آراء" تھے جو اپنی شہوات اور خواہش نفس کے مطابق حکومت چلا رہے تھے دوسری طرف حسینؑ تھے جو مجتہد عدالت و تقویٰ اور سراپا شرف و دیانت تھے پس حضرت حسینؑ کے اقدام خروج کی حیثیت امام عادل کے خلاف بغاوت کی نہیں بلکہ امام جائز و فاسق کے مقابلہ میں "حق و صداقت کے علمبرداروں کے خروج کی ہے یہ حکومت عادلہ کے خلاف بغاوت نہیں تھی بلکہ امام جائز کے سامنے کلمہ حق کا اظہار تھا۔ اور قتل کا قانون اس بغاوت و عہد شکنی کے لئے ہے جو امام عادل کے مقابلہ میں اختیار کی جاتی ہے نہ کہ اس شخص کے لئے جو کھڑا ہو "ہر قیمت و کسر ویت" اپنی عصیت اور فسق و فجور کو تاکر حق و عدالت کی بنیاد پر حکومت قائم کرنے کے لئے پس ایسے شخص کے قتل کو کیسے جائز کہا جاسکتا ہے؟ بن خلدون لکھتا ہے،

وهو غلط حملته عليه الغفلة عن  
اشتراط الامام العادل ومن اعد  
ابن عربی کی یہ رائے غلط ہے انھوں نے غلطی سے  
اس لئے قائم کی کہ امام عادل کی شریعت سے



منہ الحسین فی زمانہ فی امامتہ  
 وعد اللہ فی قتال اهل الاسراء  
 غافل ہو گئے اور حضرت حسینؑ سے بڑھ کر ان کے زمانہ  
 میں امامت اور عدالت کے اعتبار سے اہل آراء  
 کے قتال کس لئے کون اہل تھا۔ (۱۸۰)

## حاصلِ کلام

- ۱) ابنِ فلدون کی اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ
- ۲) یزید فاسق و فاجر تھا، اس کا فسق و فجور عوام و خواص پر بڑا بوجھ پڑا تھا۔
- ۳) تمام صحابہؓ کو اس کی ان خامیوں کا احساس تھا لیکن عام صحابہؓ فتنہ و فساد کے خوف سے خروج کے قائل نہیں تھے اور بعض حضرات اس کے فسق کی وجہ سے خرید و فروخت بھی سمجھتے تھے،
- ۴) حضرت حسینؑ نے اس وقت خروج کیا جب یزید کا فسق کھل کر سامنے آ گیا۔
- ۵) حضرت حسینؑ پر صحابہؓ یہ نہیں کرتے تھے اور نہ گنہگار سمجھتے تھے۔
- ۶) حضرت حسینؑ سے قتال کو شرعاً جائز نہیں کہا جاسکتا۔
- ۷) اس قتال کی ذمہ داری یزید اور اس کے ساتھیوں پر تھی۔
- ۸) حضرت حسینؑ برحق تھے وہ واقعہ کریمہ میں شہید ہوئے۔
- ۹) حضرت حسینؑ کی حیثیت باغی کی نہیں تھی، بلکہ وہ "غلامِ بنیادوں پر قائم حکومت" کو مٹا کر جائز اسلامی خلافت اور حکومتِ عادلہ قائم کرنا چاہتے تھے،
- ۱۰) اب ان حقائق کی روشنی میں کتاب کا مطالعہ کیجئے، کہ مصنف کے پیش کردہ تصورات کس حد تک صحیح ہیں۔

# مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن کا انتساب

اندر :- مولانا حکیم فضل الرحمن صاحب، صواتی

مولانا محمد یوسف صاحب کو کئی ایم۔ اے نے حال ہی میں حافظ ابن تیمیہ پر ایک بڑی ضخیم اور محققانہ کتاب تصنیف کر کے شائع کی ہے اس کو پڑھ کر مدراں کے ایک نامور فاضل اور بزرگ مولانا حکیم فضل الرحمن صاحب صواتی نے موصوف کو ایک طویل خط لکھا تھا جس میں مذکورہ بالاکتاب سے متعلق رائے کے اظہار کے علاوہ حکیم صاحب نے ضمناً اس شخص کی بھی نشاندہی کر دی ہے جس کے نام مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب ترجمان القرآن کو معنون کیا ہے چونکہ یہ نکشاف بہت اہم ہے اور ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے خط کے فاضل مکتوب یہ اور کاتب دونوں کے شکریہ کے ساتھ ہم اس کو ذیل میں شائع کرتے ہیں۔

(برہان)

سے، یاد اگر نگلشن اجباب بگری  
ز بہار غرض وہ برہان پیام ما  
گو نام ما زیاد بہ عمدہ چہ می بری  
خود آید نکہ یاد نیاری ز نام ما

یوسف ایچا الصدیق : السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکہ گزاردی کے سلسلے میں متذکرہ بالا قطعہ پر کٹا کرتا ہوں اس سے آگے قدم بڑھانا مناسب نہیں ہے  
اگر یک سر موئے برتر پریم  
فرز نعلی بسوز دیرم

آپ کی حدیث النطر اور لاجواب التعریف امام ابن تیمیہؒ کو میں نے بالستیعاب پڑھا۔ اس قدر خوش  
ہوا کہ "تم درجہ تہجد" کتاب پڑھتا جاتا تھا اور آپ کو دعائیں دیتا رہتا تھا۔ جزاک اللہ فی الدین  
خیراً۔ ۵

اے دلت تو خوش باد کہ وقت مارا خوش کردی

سچ اس کار از تو آید و مرداں چنین کند

دیکھنے میں تو چند صفحات کی کتاب ہے۔ لیکن درحقیقت علوم عقلیہ و نقلیہ کا ایک بھرپور خزانہ  
ہے۔ لوگ تو اسے شاید مطول کہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ ایک مختصر کتاب ہے۔ علم معانی میں مختصر کی تعریف  
تفیل البانی کثیر المعنی ہے اور یہ تعریف آپ کی کتاب پر بوجہ صادق آتی ہے۔ ماہن الدین تو مختصر سی  
کتاب رکھتی رہتی ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ ایک بڑا کتب خانہ ہے۔ اسے علوم اسلامیہ کا انسائیکلو پیڈیا کہیں  
بجا ہے۔ فقہ۔ اصول۔ تفسیر، حدیث، منطق، فلسفہ، علم کلام، تصوف، تاریخ، علم معانی و بیان، صرف اور نحو  
کا مجموعہ ہے۔ ابو نواس کا یہ شعر اس پر صادق آتا ہے۔

ولیس علی اللہ بستنکر ان یجمع العالم فی واحد

کاش یہ کتاب دوسری پہچانت ہو جاتی اور حضرت ابن تیمیہؒ کے سب سے بڑے قدر دان کی نظر سے  
گزر جاتی تو وہ کس قدر خوش ہو جاتے۔ میں نے مولانا آزاد سے بڑھ کر کسی اور کو حضرت ابن تیمیہؒ کا قدر دان  
نہیں دیکھا ہے۔ آپ نے ابتدائے کتاب میں "تذکرہ کا ذکر کیا ہے کہ مولانا آزاد نے "تذکرہ" میں ابن تیمیہؒ  
کا ذکر کیا ہے۔ لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تذکرہ سے تین سال قبل مولانا آزاد نے "شہداء" میں ابلاغ  
میں حضرت ابن تیمیہؒ کا ذکر نہایت خوشگوار اور قیمتی الفاظ میں کیا ہے۔ دارالارشاد میں حضرت مولانا آزاد  
کے پاس نویسی منظر لدین شیر کوٹی مرحوم "الامان" والے کام کرتے تھے۔ انھوں نے ابلاغ میں تفسیر  
سورہ وائتین کے عنوان سے ایک مبسوط مضمون لکھا اور میں اور زینون کے غذائی اور طبعی فوائد گنا کر  
ان کی خدمت و رہبیت ثبت کی کہ انھیں فوائد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بچوں کی قسم  
کھائی ہے۔ اس پر جناب بھی احمد صاحب بکرامی نے اعتراض کیا کہ ان دونوں بچوں سے اور بھی بھل



ایسے میں کہ ان کے فوائد متذکرہ بالا پھلوں سے بھی زیادہ اور وسیع ہیں۔ پھر ان دونوں کی خصوصیت کیا ہے اور مولانا سے استدعا کی تھی کہ منظر الدین صاحب کے مضمون سے تشفی نہیں ہوئی۔ آپ ہی روشنی ڈالئے۔ اس سوال سے مولانا آزاد کے بحرِ فہم و علم و دراک میں جوش اور تہوج پیدا ہو گیا اور ایسا بند پایہ اور عالِیٰ مضمون سپردِ قلم فرمایا کہ لوگ دیکھ کر حیران اور شذر رہ گئے۔ یہ مضمون ابلاغ کے دو نمبروں میں شائع ہوا تھا۔ مولانا آزاد نے لکھا تھا کہ مولوی منظر الدین صاحب نے جو کچھ لکھا ہے تفسیرِ کبیر کو سامنے رکھ کر لکھا ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ کو اللہ تعالیٰ نے اور تو سب کچھ دیا ہے لیکن حشمتِ حقیقت میں سے محروم رکھا ہے۔ یہ شرف اور مجدِ الہ العالمین نے حضرت علامہ ابن تیمیہؒ کو عطا فرمایا ہے۔ ان کا دل اور دماغ حقائق و معارف سے مالا مال ہے۔ مولانا آزاد نے حضرت ابن تیمیہؒ کے حوالے سے مضمون سپردِ قلم کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ تین اور زیتون سے مردیہ تین اور زیتون جو پھل میں مراد نہیں ہیں۔ بلکہ یہ اشارہ ہے سحر میں شام کی طرف۔ چونکہ یہ دونوں پھل شام کی پیداوار میں اس لئے ان کا ذکر بہ سبیل ذکرِ حال اور مراد میں ہے۔ اور یہ اشارہ ہے دعوتِ عیسوی کی طرف جس طرح طورِ سینین سے مراد دعوتِ موسوی اور ہذا البلد الامین سے دعوتِ محمدی مراد ہے۔ اس مضمون میں مولانا آزاد نے امام رازیؒ پر سخت تنقید کی تھی اور حضرت امام ابن تیمیہؒ کے علم و فضل و راسخ بہت راسخ کی بڑی تعریف فرمائی تھی اس سے پہلے حضرت امام ابن تیمیہؒ کے متعلق میرے خیالات تصحیح نہیں تھے۔ یہ بزرگ تھی کہ شام میں جب میں فلسفہ قدیم پڑھ رہا تھا وہ میز کی اہلیات میں یہ قول اموجود مع لونه واجبا قد انبسط فی تصاکل الموجودات جب آیا تو مولانا عبدالحق صاحب نقاشی جو اس وقت افغانیوں میں فلسفہ اور منطق پڑھانے میں اپنی نظریہ تھے اور میں ان کے پاس پڑھ رہا تھا اور وہ مولانا عبدالحق خیر آبادی گئے گشت گرد تھے اور بہت بچھے صوفی منش عالم تھے انھوں نے قول متذکرہ بالا کی بڑی تشریح فرمائی اس ضمن میں انھوں نے علامہ امام ابن تیمیہؒ پر سخت رد و تردید کی اور کہا وہ صحابہ ظوہر سے ہیں۔ ان کی کچھ حقیقت میں بصارت نہیں ہے صرف علم و فضل سے کوئی دامل کی مصلوب نہیں ہو سکتا۔ توں سے جہاں کوئی پہنچ نہیں سکتا وغیرہ وغیرہ۔ مگر ان کا اثرات گردِ بہت گہرا ہوتا ہے یہی بات شریعہ و احکامات و عبادت و عبادت کے

متعلق سخت بدظن تھا۔ لیکن ۱۹۱۵ء میں "سراج الاخبار افغانیہ" کابل کے دفتر میں جب البلاغ کے پرچے  
 نظر سے گذرے تو مولانا آزاد کے مضمون سے میں بہت متاثر ہوا اور میں نے جناب علامہ محمود طرزی ایڈیٹر  
 سراج الاخبار افغانیہ سے عرض کیا کہ ان پرچوں کو مجھے مستعار دے دیجئے۔ میں انھیں اپنے استاد مولانا  
 عبدالحمن صاحب متوطن نغان کے پاس لے جانا چاہتا ہوں تاکہ وہ مطالعہ فرما کر شاید اپنی رائے جو  
 علامہ ابن تیمیہ کے متعلق ہے تبدیل کر دیں۔ انھوں نے پرچے عنایت فرمائے۔ نغان کابل سے چار دن  
 کی مسافت پر ہے میں وہاں سے براہ تنگ غار و پیدل روانہ ہوا اور چوتھے روز مولانا عبدالحمن صاحب  
 کی خدمت میں پہنچ گیا اور پرچے سامنے رکھ دیئے۔ انھوں نے شوق سے تینوں پرچوں کو ملاحظہ فرمایا اور  
 مولانا آزاد کی حق گوئی اور سچائی کی بڑی تعریف فرمائی کہ اب امام فخر الدین رازیؒ اہل خدوخال میں  
 نظر آ رہے ہیں مولانا رومؒ نے بھی امام رازیؒ کی مشائرت نواز طرزیؒ کا پردہ چاک کر دیا ہے۔  
 گرہ استدلال کا دیں بد سے      فخر رازیؒ رازدار سے دیں بد سے



بائے استدلیاں جو ہیں بود      پائے چو ہیں سست و بے تکلیں بود

مگر ہم لوگوں پر امام رازیؒ کا ایسا جادو چلا تھا کہ ان کے قول کو ہم ہمیشہ کے لئے دوسرے اقوال  
 پر ترجیح دیتے تھے۔ مضمون نگار صاحب مولانا آزاد، بڑے جری اور حق گو معلوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ  
 ان کو جزائے خیر دے۔ یہ تو انھوں نے ہماری بڑی رہنمائی کی۔ در حضرت امام ابن تیمیہؒ کے متعلق جو ہم کو غلط فہمی  
 راقی ہوئی تھی وہ اس مضمون کے پڑھنے سے بالکل دور ہو گئی۔ مولوی دین محمد صاحب قندھاری دہلی  
 ہمدانیہ پیشتر آئے تھے وہ بھی ابوالکلام صاحب کی ہامیت اور سچائی کی تعریف کر رہے تھے اور ارادہ  
 رکھتے تھے کہ گندہ جاکر ابوالکلام صاحب کے قائم کردہ دارالارصاد میں شریک ہو کر ان سے معارف  
 قرآنی کا درس حاصل کریں۔ میں نے ان کو اس وقت سخت ملامت کی تھی کہ بایں قدر عالم و فضل ایک  
 ایک معمولی اجہ رئیس کے سامنے رانہ نوئے تلمذ کرنا علم کی توہین ہے۔ لیکن وہ اس بات پر صبر تھے کہ اپنے  
 ہمال دیکھ ہی نہیں درناپ ایسا نہ کہتے تھے۔

ذوق اس بادہ نہ دانی بخدا تاناہ چشتی

اب اس مضمون کے پڑھنے سے مجھے معلوم ہوا کہ مولوی دین محمد صاحب قندھاری جو کہ رہے تھے وہ صحیح کہہ رہے تھے۔ قندھار سے ان کا ایک خط آیا تھا میں نے اس کا اب تک جواب نہیں دیا ہے اب لکھوں گا اور اس مضمون کا حوالہ دوں گا۔

مولوی دین محمد صاحب قندھاری میرے بڑے دوست تھے۔ مقولات میں تو وہ مولانا فضل حق صاحب رام پوری اور مولانا پردل قندھاری کے شاگرد تھے۔ قاضی محمد مبارک، حمد اللہ، شمس ہانفہ، میرزا ابراہیم اور عامرہ ان کو ازبہ تھیں، اخیر میں مقولات کی طرف ان کا رجوع ہوا اور اس میں اس قدر منہمک ہوئے کہ فقہ، حدیث اور تفسیر کے سوا باقی تمام علوم کو گھدستہ نسیاں کر دیا اس قدر دنیاویات میں مستغرق رہے کہ کسی کو نہیں چھوڑا جہاں معلوم ہوا کہ فلاں بحث میں فلاں شخص کو درک اور ملکہ حاصل ہے بلا خوف و تردد لائکم ان کے پاس پہنچے اور استفادہ کر لیا۔ ایک روز گیسو میں میرے یہاں پہنچے میں نے کہا کہ یہاں کیسے آئے، کہنے لگے کانپور گیا تھا۔ مدرسہ الہیات میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے ایک مہینہ رہا۔ باب وہاں سے رہا ہوں میں نے کہا۔ استغفر اللہ! آپ اور مدرسہ الہیات کانپور وہاں کے اساتذہ بھی تو آپ کی شاگردی کی سند از نہیں رکھتے۔ چہ جائیکہ آپ ان سے تعلیم حاصل کریں، انہوں نے کہا چپ رہ، بہت سے معلومات حاصل کر چکا ہوں غرض کہ تحصیل علوم دینیہ کا ان کو بڑا شوق تھا۔ ملک کو تو وہ نہ جاسکے کیونکہ مولانا آزاد کو بہت جلد گورنمنٹ نے خارج ہند کر دیا۔ نہ ابدلہ خان رہا اور نہ دارالاشاد سکین رانچی پہنچے تھے۔ قندھار سے تاہر رنجی بہت اب سفر ہے یہ سفر انہوں نے اکثر پیادہ کیا تھا۔ کچھ دن تک مولانا آزاد کے پاس رہے اور استفادہ کیا۔ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معرکہ الآراء تفسیر ترجمان القرآن کو ان کے نام پر مضمون کیا ہے۔ چنانچہ ترجمان القرآن جداول میں انساب کے عنوان سے جو مختصر مضمون ہے اس میں انہی کی طرف اشارہ ہے۔ افسوس کہ عمر نے وفا نہیں کی در قندھار میں سترہ سال میں انتقال کر گئے۔ اور مولانا آزاد کی تفسیر کے دیکھنے کہاں کو

ایمان نہیں ہوا۔



مولانا آزاد کا ذکر آیا تو کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا ہے

ازیں ایوں کرسیانی در می افکند حرفیاں را نہ سر ماند و نہ دستار

آپ کی تصنیف "امام ابن تیمیہ" اس قابل ہے کہ کلمہ از کلمہ جامعہ دارالسلام عمر آباد کے نصاب تعلیم میں رکھی جائے۔ کیونکہ اس بے نظیر کتاب میں جو معلومات ہیں وہ بڑی بڑی کتابوں میں بھی یکجا نہیں ہیں۔ اگر یہی کتاب کسی کو مستحضر رہی تو دہر فن کے موضوع پر بڑی جامعیت کے ساتھ بحث کر سکتا ہے۔ اہل توحید اور سلف صالحین کا صحیح عقیدہ اگر کوئی حاصل کرنا چاہے تو اس کو پابھیہ کہ حضرت امام ابن تیمیہ قدس سرہ تعزیر کا نمونہ سامنے رکھے اور اس پر عمل پیرا ہو۔

جناب سیٹھ یعقوب حسن صاحب مرحوم کی کتاب کشف الہدیٰ جب شائع ہوئی اور میری نظر سے گزری تو میں ان دنوں جامعہ دارالسلام کے طبی کلاسز کا پروفیسر تھا۔ میں نے حضرت مولانا الحاج فضل صاحب مرحوم، ظمہ بنامہ سے عرض کیا کہ کتاب بہت اچھی اور متنوع معلومات سے باللب ہے۔ اسے جامعہ کے نصاب تعلیم میں رکھنا چاہیے۔ اس وقت جامعہ کا نصاب بن رہا تھا۔ جو کمپنی نصاب تعلیم مرتب کرنے پر مامور تھی اس کا میں بھی ایک ممبر تھا میں نے تحریک کی اور جناب مولوی مفتی خاں صاحب شاہ جہاں پوری نے بڑے زور سے اس کی تائید کی نتیجہ یہ نکلا کہ درس میں تو نہیں سکیں لیکن مطالعہ رکھی گئی جس سے طلبہ نے بڑا فائدہ حاصل کیا۔ کشف الہدیٰ اور آپ کی کتاب میں آسمان و زمین کا فرق ہے جب کشف الہدیٰ کو لکھ کر مطالعہ رکھا گیا تھا تو پھر امام ابن تیمیہ کو زور و زور میں شامل کر دینا چاہیے۔ میرا اثر و رسوخ اس وقت جامعہ میں چند دن زیادہ نہیں ہے۔ پھر بھی میں کوشاں ہوں خدا کرے کہ کامیابی ہو جائے۔ اس وقت تک تو دو چار اہل مذہب کو جو ارکھ چکا ہوں۔ انہوں نے میری رائے کی تائید کی ہے اور اس تحریک کو نعم التجویز کہا ہے لیکن بڑا خطرہ آپ کے ماموں مولانا شاہ صاحب سے ہے کیونکہ وہ صوفی صافی ہیں اور حضرت علامہ بن تیمیہ تو صوفیائے کرام کے سخت مخالف بلکہ دشمن ہیں۔ میرے خیال میں وہ حضرت امام تیمیہ کو درس میں رکھنے پر مشکل رکھنا مند ہوں گے۔ میں نے ان کا عندیہ اب تک معلوم تو نہیں کیا ہے۔ یہ صرف بالابالاکہ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری اس نیک خواہش اور ارادہ کو پائے تکمیل تک پہنچائے۔

آمین یا رب العالمین۔

صفات باری میں حضرت علامہ ابن تیمیہؒ کا مسلک بہت ٹھیک ہے مسئلہ میں نے تو اس بارے میں بڑی بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں خود شارح عقائد نسفی نے اپنی بے بسی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔ "ولصعوبة هذا المقام ذهب المعتزلة والفلاسفة الى نفى الصفات والكرامية الى حد وثبات المحققين من المتكلمين الى لا عينتها والى لا غير بقا۔"

میرے قلم میں وہ جولانی اور زور نہیں ہے کہ میں اپنے اثرات کا منبغی قلم بند کر سکوں۔ آپ کی کتاب کی تعریف کے لئے آپ جیسے بھر اور فاضل اہل عالم کے قلم کی ضرورت ہے میں اپنے جذبات اور اثرات سے مجبور ہو کر کچھ ناپ شاپ لکھنے لگا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں اہل زبان نہیں ہوں اور نہ میں نے اردو میں تعلیم پائی ہے بس یوں دیکھا دیکھی اور بے سرو پا اردو لکھ رہا ہوں میری مثال اس بوڑھیا کی طرح ہے جو اپنے غول رکاتے ہوئے، کو لیکر حضرت یوسفؑ کی خریداری کے سے باز رہتا ہے۔ مہر میں کچھ بھی ہے۔

فی الجہد نیستے ہ تو کافی بود مرا      بس ہیں کہ تہ نگل شود بس است

ورنہ

ط سنینہ چہیئے اس بھر بکریں کے لئے

اور میرے پاس سنینہ تو کچھ ناؤ تک نہیں ہے۔

اب ایک دو گزارش بھی سنئے گا

صفحہ ۸ پر آپ نے لکھا ہے کہ علامہ خواجہ نصیر الدین طوسی (محقق طوسی) کو بلا کوخان نے اپنا وزیر بنا دیا تھا۔ لیکن یہ شہور غلطی ہے بہت سے لوگوں نے محقق طوسی کو بلا کوخان کا وزیر لکھا ہے۔ حضرت مولانا شبلیؒ نے بھی شعر الجہم حصہ دوم میں محقق طوسی کو بلا کوخان کا وزیر لکھا ہے۔ اس پر پروفیسر محمود شبیرؒ کی مرحوم لکھتے ہیں

"محقق طوسی کی وزارت کا وقت کسی حدیث پر منہ نہیں ہے، یہ نہیں متفق ہیں کہ جو کابوہر وزیر میر سیف الدین چنگی بہادر بن عبد اللہ خوارزمی بھٹا جو ہمیشہ وزیر شہرہ میں جو کابوہر کے ساتھ ہی رہے۔"

تا ہے در فتح بغداد کے بعد نجف اشرف کی حفاظت کے لئے ہلاکو سے سو منو لی سپاہی مانگتا ہے جس میں جب ہلاکو برکہ خان بادشاہ قباچاق کی جنگ کے لئے جاتا ہے وزیر موصوف دشمنوں کی بدگوئی کی بنا پر خان کے حکم سے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اس واقعے کے بعد دیوان شمس الدین محمد جو منی منصب وزارت پر مقرر ہوئے ہیں۔ اور مستقد ۲۲ سال پر ابوعینی بانی ایام ہلاکو کا مل عہد ابا قافان و سلطان احمد اس عہدہ جلیلہ پر ممتاز رہتے ہیں۔ خود محقق طوسی نے کتاب اوصاف الاشراف صاحب دیوان کے نام پر اور کتاب ترجمہ قرطیوس ان کے فرزند خواجہ بہار الدین محمد حاکم صہبان کے نام پر لکھی ہے۔ (تفید شعرا المعجم ۳۴۳) شیخ الریس کی تصنیف "اشارات" کی دو شرحیں مشہور ہیں ایک "شرح اشارت" ر. م. ر. زئی اور دوسری شرح اشارت لمحقق طوسی۔ اول الذکر درس میں نہیں ہے۔ لیکن مؤخر لذر درس نظامی میں ہے۔ ۱۹۰۰ء میں نے یہ سب قاپڑھی تھی۔ یہ کتاب محقق طوسی نے کسی اور میر کے نام پر لکھی ہے۔ ہلاکو خان کے نام پر نہیں ہے۔ میں نے جامعہ دار السلام میں ڈھونڈی ہے۔ مگر وہاں نہیں ہے۔ پچاس سال کا عرصہ گزرتا ہے کہ میں نے پڑھی تھی۔ پھر دیکھنے میں نہیں آئی اس لئے اس امیر کا نام یاد نہیں رہا۔

سنو ۵۲۰ پر آپ نے حضرت ابن تیمیہ کا قول یوں نقل کیا ہے "ولكن هذه الفلسفة التي يسلکها الفارابی وابن سینا وابن رشد والسهرواردی المقتول ونحوه فلسفة المشائین وهي المنقولة عن ارسطو الذي يسمونه المعلم الاول"

فلسفہ مشائین اور مشائین نے "عالم" کے چار قسم کئے ہیں۔ مثنوی، شرعی، تسکیم، مشائی، دروجہ انحصار یوں لکھی ہے کہ عالم یہ تو اثبات مدعی، تدریس سے کرنا ہوگا اور اس پر کیا نفس سے درس میں سے ہر ایک یا تو اثبات دین سادہ ہوگا یا نہ ہوگا۔ جو استدلال سے کام لیتا ہو اور اثبات دین سادہ ہو وہ مسئلہ ہے اور جو اثبات دین سادہ نہ ہو اور استدلالی ہو وہ مشائی ہے۔ جیسے ارسطو اور اس کے متبعین اور جو تدریس سے کام لیتا ہو اور اس کے تدریس دین سادہ ہو وہ مثنوی ہے درجہ اثبات دین سادہ ہو وہ سادہ یا نہ ہو وہ مشائی ہے جیسے کہ افدھوں درس کے متبعین۔ شیخ شہاب الدین مقتول مشائی نہیں بد اشراقی ہے درمیانوں اشراقی بھی نہیں عبد شیخ الاشراف کے لقب مشہور ہے۔ اس کو مشائیر



کی صف میں کھڑا کر دیا اس پر سخت ظلم ہے۔ مشائیوں کا تو وہ اس قدر خلاف ہے جس قدر کہ خود ابن تیمیہ خلاف ہیں۔ ان کی مخالفت کا نقشہ کوئی دیکھنا چاہے تو صدر المصنف صدر الدین شیرازی کا مطالعہ کرے۔ بحث اثباتِ نبوت میں مشائیوں اور اشرافیوں کی جو لڑائی ہے اس میں اشرافیوں کی طرف سے مشائیوں کے مقابلے میں شیخ شہاب الدین مقبول دیشخ الاشراق، اشرافیوں کے پسہ سالار معلوم ہوتے ہیں اور مشائیوں پر سخت حملے کر رہے ہیں اور ان کے دلائل کی بڑی عمدگی سے تردید کرتے جاتے ہیں۔

انچے ایک سے زیادہ مرتبہ لکھ ہے کہ شہاب الدین دو ہیں ایک مقبول اور دوسرے صاحب طریقہ یعنی شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ میں ان دونوں شہاب الدینوں کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں طبیب بھی تھے جس اتفاق سے یہ دونوں شہاب الدین مشائیوں کے سخت خلاف میں مقبول کا تو اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اب حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی سننے کا طبقات الاطباء میں یہ متن شہر حضرت موصوف کی طرف منسوب کئے گئے ہیں یہ

و کفو قلت للقوم انتم علی شفا حضرت من کتاب الشفا

فلما استبھاوا بتو بمنحنا فرغنا الی اللہ حبیبی کما

فما تو اعلیٰ دین رسلط الحلیس وعشنا علی ملکہ المصطفیٰ

شفا شیخ الرئیس کی مشہور کتاب ہے۔ اس کے ایہات میں شیخ الرئیس نے بہت کچھ کہا اس کی ہے سند عالمہ معاد کا انکار حشر جہانی کا انکار، دوزخ و رحمت کا انکار، عذاب قبر کا انکار، ملائکہ کا انکار ہے۔ درحقیقت بہت سے خرافات اس میں بھر دیئے ہیں۔ شیخ الرئیس ارسطو کا متبع ہے اور ارسطو مرخیل مشائیں ہیں۔

خود بخنے جب بیٹا تو یہ خیال تھا کہ پہلے مسودہ کر کے پھر بیضہ کر دیا جائے گا۔ بیضہ آپ کی خدمت میں بھیج دیں گا۔ مسودہ میں پنہاں رکھوں گا۔ اس لئے ردی کا غدا پر لکھنا شروع کیا۔ مگر خط لبا ہو گیا۔ اب مہت صاف کرنے کی نہیں رہی۔ اس لئے مسودہ ہی آپ کی خدمت والا میں بھیج رہا ہوں۔ فرد گزشتہ بہت ہیں اور مجھے صاف کرنے کی فرصت نہیں ہے۔ لکھیں بھی جواب دے رہی ہیں۔ اچھا اب اجازت دیکھئے گا۔ زیادہ والسلام۔

# ذکر مصحفی

خطبہ شمار محمد صاحب فاروقی، ایجوکیشنل بورڈ، دہلی

(۸)

انہیں بعض قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ امروہ میں ابتدائی درجہ تکمیل حاصل کرنے کے بعد مصحفی کو کھانسی کے باعث ترمیم کرنے کے لئے کرب و محن پر مجبور ہونا پڑا اور وہ امروہ سے نکل کر پہلے آنولہ پہنچے یہاں پر کرسے گشت کوئی شہادت نہیں تھی کہ وہ امروہ سے دہلی گئے ہوں اور وہاں تکمیل حاصل کرنے کے بعد دوبارہ محمدیہ خان کی ساری میں آئے ہوں جب کہ جنس تذکرہ کاروں نے لکھ دیا ہے کہ میں سب سے زیادہ جلد بحث بولیت حدیثی نے کیا ہے جنہوں نے ملاقات کی ترتیب کو مراہ کن حد تک غلط کر دیا ہے۔ یہ قطعاً نہیں گنتا کہ وہ ان سے کس قریب سے گئے گئے اور کس سے توکل پیدا کیا۔ لفظ ہر یہ قیام میں چارہ کہ قریب رہا۔ انہوں نے جنس شاعروں سے کسی ملاقات ہونے کا کواں پتہ نہ کرے میں کہہ ہے۔ خدا عز و جل سے چاہا کہ وہ سب سے کھتے ہیں۔

نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار

نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار  
نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار  
نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار  
نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار  
نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار  
نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار  
نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار  
نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار  
نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار  
نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار

نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار  
نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار  
نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار  
نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار  
نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار  
نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار  
نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار  
نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار  
نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار  
نہایت دریا سیکرہ۔ مہربان دی بد ملاقات تیری شمار

اسی طرح مراد آباد کے ایک شاہ ۶ مراد علی حیرت کا عاں کھانہ ہے:

نیر اور آواک آبادی کثیر و ذریعہ نولہ ویر ہو رہا ہے

عظیم نامی شاعر سے بھی آنولہ میں ملاقات ہوئی تھی: "یک غزل خود در آنولہ پیش فقیر خواند بود"

اسی طرح انھوں نے عشقی مراد آبادی سے آنولہ میں ملا بیان کیا ہے

قدوی لاہوری جن کی ہجو میں مراد فیہ سودا ہے "منوی بومہ و بقال" لکھی تھی۔ اسی زمانہ میں  
نولہ آئے۔ ان کی مد کا شہر ہن کر معصفتی بھی منے کے لئے پہنچے۔ کھتے ہیں:

"دعوی سے شاعری زرد و انش چاراشت و زیادہ، زمرہ شاہی قدوس در راہ امر و پستی می گذشت

خندہ خند چلی ہم کرد ادب کو دکاں حسین عشق و زریہ، کتر انش رہا کہ بچوں پر دہ...

زناہ جہاں آباد و کثیر آمد در ب رزب فقیر در آنولہ بود کہ تیرش و بے بیہ، آخر روز سہرا

دیدش زلم و بے خند گرد و نشہ دیدم...

قدرت اللہ قدرت رشوق، ہونف نہ کر: جہات نشہ اسے ہی سی زہن میں ملاقات ہوئی

شاہ قلم کے شاگرد نعیم اللہ خان نعیم سے بھی پہلے آنولہ میں ملاقات ہوئی تھی جہاں یہی محمد یا بھان کی

سہکاریں نوکر ہو گئے تھے

آنور در صل نواب علی محمد خان۔ زبیدی ہائی ریاست بہور کا کسی تھا در ب دین پڑا

نصبہ تھا۔ بقول نجم النبی:

"میں رہا نہیں شہر نعیم خان تھا تو تم کہتے بہرہ جد تھے، میں نے میں بوب صاحب کے ہاں

بہت سے مرے فائنات میں نہیں بچتا تھا جس کے مہذب تھے در بے بے خندہ...

یوں سووں سر کی مصفی تر شاہ، میں پریش کہ ذات سندھ میں یہ نقد...

نہ نہ... کھٹا... کھٹا... کھٹا... کھٹا... کھٹا... کھٹا... کھٹا... کھٹا...

میں کہ تمھو پر قدوسی کی بھی شائے سے کہتے معجز کے توں کی یاد بجاتے...

ذات یونہی ہے شاہ بندی رہا، ستارہ...



حکومتِ سلیمین میں لکھا ہے چونکہ ہر ایک پٹھان کا بہیب نفاہیت کمرہ قول تھا کہ دوسرے پٹھان کے مکان و مسجد پر غارتگری نہ ہو جسے نہیں جائیں گے اس لئے ہر ایک پٹھان نے اپنے اپنے دروازے پر مسجد تعمیر کی چنانچہ سترہ سو مسجدیں آنولے میں تیار ہوئیں۔ مگر اب تک بعض مساجد آباد اور کثرت و ویران موجود ہیں۔

آنولے میں معافی کا قیام تین ماہ تک رہا۔ اور تقریباً اثنائی زمانہ ٹانڈے میں گزرا۔ یہ محض ضابطہ خاں کی شکست کے بعد درہم برہم ہو گئی جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ضابطہ خاں کی شکست و قید ۱۸۵۹ء زفروری ۱۲۸۰ء کا واقعہ ہے۔ اس سے میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ معافی جہادی ارٹوں ۱۲۸۰ء و ۱۲۸۱ء یا جہادی اثنائی دسمبر ۱۲۸۰ء کے لگ بھگ آنولے میں آچکے تھے۔

کثیر | فدوی لاہوری کے حال میں معافی نے لکھا ہے کہ وہ دہلی سے آنولے آئے اور میں نے شہرت سنی نوٹنے لیا۔ اس کے بعد سنا کہ وہ نواب محمد یار خاں امیر کے مصاحب ہو گئے ہیں۔ دو تین مہینے کے بعد قانم چاند پوری اور میں بھی اسی دربار سے وابستہ ہوئے تو ان کی نوابی بگڑ گئی۔

بعد چند روزے نیند کم کر رہا۔ نواب محمد یار خاں... نوکر شد۔ ہر گاہ بعد دوسرے وہاں محمد قانم وغیرہ فقیریم۔ یہ ایک مجلسِ شانِ شہزادہ بہب برہم زون فرج نواب کہیاں میں موجب تعظیم است بر خاستہ رفت... لکھا۔

یہ نواب محمد یار خاں کون تھے؟ ٹانڈے میں ان کا دربار کیسے تھا اور کیوں درہم برہم ہو گیا۔ اسے اچھی طرح سمجھنے کے لئے تاریخ کے چند اوراق پڑھنا ضروری ہیں۔ ہم بہت احتیاط رکھیں گے۔ یہ سب یہاں درج کئے دیتے ہیں۔

داؤد خاں ایک ردِ بلیہ سردار تھا جس نے کھیر کے علاقے میں طاقت حاصل کر کے اپنا اقتدار جمایا تھا وہ لاؤد تھا۔ اس سے اثنائے راہ میں ایک بچے کو پڑا ہوا پایا اور سعادت و اقبال کے نشان اس کے

۱۲۸۰ء بمقامِ انیس: اخبار الصنادید عبداللہ ۱۹۶۲ء۔ مطبع نوکلشور (دہلی) ۱۹۶۹ء۔ ۱۲۸۰ء تا ۱۲۸۱ء سابق ۱۲۸۰ء

۱۲۸۰ء ہندی ۱۲۸۰ء۔

چہرے پر دیکھ کر اسے اپنا متنبی دے پالک کر لیا۔ یہی بچہ بڑا ہو کر محمد علی خاں، پھر علی محمد خاں کہلایا۔ یہ راجپوتوں کی ریاست کا پہلا مسند نشین اور بانی تھا۔ نجم النبی اور زمانہ حال کے بعض دوسرے مورخین نے اسے سید حسینی نسب لکھا ہے۔ لیکن بہت سے مورخ اس سے اختلاف کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ یہ نسل افغان ہی تھے چنانچہ ان کا مادہ تاریخ وفات بھی خان زادے کا نظم شیدائے "جے ہے افغان" سے برآمد کیا ہے۔ بعض قدیم دستاویزوں اور تاریخ کی کتابوں سے بھی ان کے افغان ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ معصوفی نے بھی لے روہیلہ خاندان کے سرداروں کی تاریخ اور روہیل کھنڈ میں ان کے عروج و زوال کی داستان تفصیل سے سمجھنے کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے:

(۱) نجم النبی: اخبار الصنادید (۱۹۰۸ء) دو جلدیں (۲) نجم النبی: تاریخ اودھ (۱۹۱۹ء) پہلی تین جلدیں (۳) آروین تاریخ فرخ آباد (اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۸۸ء) (۴) پنجاب خاں: گلستان رحمت دہلی نور پریم کشور فرقی: دقائق عالم شاہی (۱۹۲۹ء) (۵) اندرا منٹھل: سفرنامہ (۱۹۴۶ء) (۶) امیر میاں: پنجاب یادگار (۱۸۸۰ء) (۷) پور شاہ عالم سکندر اینڈ ہز کورٹ (انگریزی) مرتبہ بی سی گپتا (۱۹۵۴ء) (۸) اسٹریچی: ہسٹری آف دی روہیلہ وار (۱۸۹۲ء) انگریزی۔  
 لکھنے والے مولف حقیقۃً القایم کا بیان ہے کہ: "بمیز تھے (ص ۱۳۹) درکنز تاریخ دہلی ۱۷۵۳ء میں لکھی تھی۔ مولد بانکولی تھیں۔ کالہا سمرکار منٹھل اور وطن سکریٹری وضع ہوئی۔ جو منٹھل میں پرگنہ ساسی ہے" (جوالہ سفرنامہ منٹھل مرتبہ انظر علی حاشیہ ص ۵، قدرت شتر قائم کہتا ہے کہ گویند کہ منٹھل از قوم جٹ است" (مجموعہ نغز، ۱۳/۱۴) لکھنے والا لطف کی بات یہ ہے کہ اخبار الصنادید کے مولف نجم النبی نے علی محمد خاں کو سید ثابت کرنے کے لئے اپنی وانی پوری کوشش کی ہے لیکن خاندان کے بیلان میں ناقص پیدا ہو گیا ہے۔ یہ رت کی بحث کرنے کے بعد انھوں نے ایک جگہ شعر بھی درج کر دیا ہے جو بقول خود "سکے کے مستحق نہ ہو سکے، م سے تمام روہیل کھنڈ میں مشہور تھا۔ اس میں بھی محمد علی ٹموزوں ہے، درود یہ ہے:

سید زبیر کل کچھ روہیل زور و پستی  
 بادشاہ شہر روہیلہ: محمد علی

یہاں محمد علی کی جگہ جتنی تفصیل سے سائنس ہوتی ہے وہاں شعر میں جائز ہے۔ نصح کا شعر ہے

اسے نصح: "ترخیز زبیر کے زندان ہے" ہر دو دیواریں کھینچے میں بت کو "رجا: ۱۵۲

یہی طرح ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: "نواب" جب کی نہیں یہاں شہزادہ محمد علی محمد شاہ: بادشاہ غازی: سابق ۱۵۲  
 اس میں بھی سید نہیں ہے۔





حوئی میں تھے اور نواب سید فیض اللہ خاں اور نواب سید عبداللہ خاں کو ایسے میں نواب سید علی محمد خاں کے قلعے میں رہنے لگے۔ غالباً یہ تقسیم ۱۱۳۶ھ میں واقع ہوئی تھی۔

لیکن یہ غالباً ابتدائی تقسیم تھی اس کے بعد جب سردارانِ روہیل کھنڈ میں دوسرا معاہدہ ۱۱۴۲ھ (۱۷۲۹ء) میں ہوا تو نواب سعد اللہ خاں تمام ملک کے کام تسلیم کر لئے گئے اور آمدنی میں سے آٹھ لاکھ سالانہ ان کے مقرر ہوئے۔ عبداللہ خاں کو بہسوان، اجمپانی، اور سہدا اور پور کی جاگیر عطا ہوئی جس کی سالانہ آمدنی تین لاکھ تھی۔ عبداللہ خاں نے اجمپانی ہی میں سکونت اختیار کر لی اور مکان وغیرہ بنوائے۔ فیض اللہ خاں نے رامپور کو آباد کیا جس کی سالانہ آمدنی پانچ لاکھ تھی اس میں چھا چٹ، شاہ آباد وغیرہ بھی شامل تھے۔ محمد یار خاں اللہ یار خاں اور مرتضیٰ خاں کو حکومت میں کچھ حقہ نہیں ملا مگر محمد یار خاں نے ٹانڈے میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں حکومت کرتے رہے۔

سعد اللہ خاں نے ۲۷ برس کی عمر میں سل ووق کی موزی بیمار سے تھکی ریکھ مارچ ۱۱۶۲ھ ۵ شعبان ۱۱۷۵ھ اور ان کے بعد نواب محمد عبداللہ خاں رئیس بنائے گئے۔ ۲ جولائی ۱۱۷۶ھ ۱۱ صفر ۱۱۸۸ھ کو پانچ برس گزری تھیں رہ کر یہ بھی راجہ ملک عدم ہوئے اور نواب فیض اللہ خاں کا دور دورہ ہوا۔ اسی زمانے میں رامپور دارالریاست قرار پایا۔ فیض اللہ خاں بڑے سخی، علم دوست اور شجاع حکمراں تھے انھوں نے بیس برس تک پوری شان و شوکت سے ریاست کا کام چلایا اور آخر کار ۲ جولائی ۱۱۹۳ھ ۱۷ ازی الحجہ ۱۲۰۵ھ کو خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

محمد یار خاں ایسے | غیور و سلیکے لڑکے اور نواب فیض اللہ خاں کے بھائی محمد یار خاں تھے جو شاعر بھی تھے اور امیر تخلص کرتے تھے۔ انھیں کے دربار سے قلم چاند پوری، سخی، اندوس، جگتہ بیر سنگھ وغیرہ بہت سے حید شعراء وابستہ تھے۔ یہ اس زمانے میں ہندوستان کے جاگیر پر عیش کر رہے تھے۔ علم موسیقی میں خصوصی درک

لے محمد یار خاں، اجیار، نصاویہ، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴،

تھانے بچانے میں یگانہ روزگار تھے۔ ان کے معاصروں میں حکیم کبیر سنبھلی بھی تھے جو اگرچہ طبیب تھے مگر زمانے کے مزاج کے مطابق شعردن سے بھی لگاؤ تھا انھوں نے امیر کو بھی یہ چپکا لگا دیا۔ چنانچہ نواب محمد خان نے سب سے پہلے مزار اربعہ سودا اور میر سوز کو دعوت نامے بھیجے یہ دونوں استادانِ دلوں نواب بہر خان خان زند کے متوسل تھے۔ وہاں سکھ چین سے گزر رہی تھی انھوں نے فرخ آباد چھوڑ کر مانٹھے آنا گوارا نہ کیا۔ البتہ قائم چاند پوری اس زمانے میں بسوانی میں موجود تھے۔ امیر کی نگہ انتخاب ان کی طرف اٹھی۔ قائم نے یہ پیش کش قبول کر لی۔ ایک سو روپیہ ماہانہ مشاہرہ مقرر ہوا اور نواب کے کلام پر اصلاح دینے کی خدمت سیر ہوئی یہ مصحفی نے کھلے:

(بقیہ حاشیہ ص ۵۵) مثل تھی۔ قدیم زمانے سے یہ بنجاروں کا سکن تھا جو ایک شہر سے دوسرے شہر کو غلہ وغیرہ لے جاتے تھے۔ آج بھی یہاں بنجاروں کی آبادی زیادہ ہے دیکھو اپر ل گز ٹیر آف انڈیا جلد ۲۲ ص ۲۲۱۔ طبع ۱۹۰۵ء۔

لے نیز ملاحظہ ہوں؛ راہ دگار شعرا، ترجمہ ہرست کتب خانہ دودھ مرتبہ اسپرنگرٹ سٹع کردہ ہندوستانی اکادمی آلہ آباد۔ (۲) سری رم؛ خجندہ جاوید؛ جلد ۱ ص ۴۱۔ (۳) محکمہ لغت جلد ۱ ص ۴۱۔ (۴) میر نیانی؛ انتخاب دگار ص ۳۱۔ (۵) جوہر سخن جلد ۲ ص ۹۷۔ (۶) قائم چاند پوری کا پرانا مہتمم امیرین؛ محمد قائم ہے جب کہ خور انھوں نے اپنے تذکرہ "مخزن نکات" (ص ۱۱) میں لکھا ہے۔ لیکن تذکرہ نگاروں نے اس کے نام میں بہت غلط بحث کر دیا ہے تفصیل کے لئے دیکھو دستور جلد ۱ ص ۴۲۔ ان کے سات ولادت کا تعلق دستور ہے لیکن مصحفی نے عقد ۱۲۰۰ میں عمر لکھا ہے کہ تذکرہ جاتی ہے۔ اس تذکرہ کی، لیف ۱۵۵-۱۹۹ کے۔ بن ہوئی ہے دستور، صفحات ۱۰۷-۱۰۸ جلد ۱ ص ۱۰۷۔ (۷) تذکرہ ہندی کے دوسرے شمس میں ۱۳۵ و ۱۳۶ کے، بن پیدا ہوئے ہوں گے۔ اس کے والد کا نام محمد اکرام اور دادا کا نام محمد اکرم تھا ایک تذکرہ کا، محمد نعمت بنی، باقیہ زمانہ کا پورہ جلد ۵۳ شمارہ ۱ ص ۳۷) گرگشن سخن میں عبدالے منعم کو پورہ محمد قائم لکھا ہے رورق ۹۰۔ نسخہ میور۔ قائم چاند پوری میں پیدا ہوئے جو ضلع بنجور میں ایک قبیلہ ہے (مخزن ص ۱۱) ابتدا کے جوانی میں ترک وطن کر کے دہلی آئے وہیں تہذیب و علم کے عہد میں نور دہ توپ خانہ کی حیثیت میں ملازم ہوئے تذکرہ ہندی ص ۱۷۹۔ انعام سلطنت کی اتاری میں بہ سرتشہ ملازمت ہاتھ سے جاتا رہا تو قتل پر گزند ہونے لگا (مخزن ص ۱۱) میر کا بیان ہے کہ درویش صاحب نے تھے رنجت، نشر: ۱۳۶ اور بعد میں سود سے مشورہ کرنے لگے۔ قدرت ستر قائم کہہ کر کہ (باقی ص ۱۱)

نور آیا ہے کہ بترین حکیم کبیر بھلی شوق شہزادی واپس دیش را بسے غور کینہ خطے بہ طب میر سوز و غمزا  
رفیع نوشتہ روانہ کر دیوں دریاں ایام اس ہر دو بزرگ در سرکار ہر تباں قافلہ تخلص پھیند شاعری  
غزواتیاز داشتند از فرخ آباد آمدن ایشان پٹانڈہ کہ موضع بود و پاش نواب بود اتفاق نیفاؤ۔  
آخر کار میاں محمد قانم کہ دریاں ایام در بسول بود مذہب الارشاد آمدہ شرف ملازمت آں والا  
جناب دریانت و بدر ماہم یک صدر و پیر و امتیازش دادہ باتادیش برداشت۔۔۔  
فن موسیقی سے ان کے شغف کے بارے میں معنفی کا بیان ہے کہ:

”در علم موسیقی و ساز زدن یگانہ روزگار و در رقصائی و زیبائی جو آنے بود بانغ و بہار۔“

نہر زدن رویہ صرف کر کے اور بڑے بڑے استادان فن کی خدمت کر کے موسیقی میں کمال بہم پہنچایا  
تھا اس سے بھی زیادہ انھوں نے ایک اور کام ایسا کیا تھا کہ اگر آج وہ مرقع دستیاب ہو جائے تو انمول  
اور انوکھی چیز ہوگی۔ (باقی)

درغیہ جیشہ ۵۶) ہر ایت اندھاں بدیت کے شاگرد تھے جدیدیں برگشتہ ہو کر چو بکھدی تھی مجموعہ نغز: ۸۶/۲ پھر در دستہ ملند  
اختیار یک۔ آخر میں سوز اسے وابستہ ہو گئے۔ دہلی سے نکل کر بسولی پہنچے تھے اور غالباً راجہ داس رائے دیوان کا نظر رحمت  
فان سے متوسل تھے کہ نواب محمد رفعاں امیر نے ٹاٹھے میں جلیاں دیاں تین ماہ رہے۔ درہمی ملک کے بعد نواب فیض اللہ خان  
والی رامپور کے بیٹے اتھار خان سے منسلک ہو گئے ان کے دربار سے قوت و نبوت متاثر ہوئے کچھ دنوں بعد کھنوجا کر رہا رہ  
ٹیکسٹ رائٹ سے ملے اور اپنے وطن میں جائداد کی واکزاری کا پروانہ لے کر آئے گردیاں پہنچنے سے پہلے ملک عدم سے  
بلا کر آئے۔ (دہندی: ۱۷۹) اس کا قول ہے کہ آخر میں تعبد امر و دہس کے قاضی ہو گئے تھے مجموعہ نغز: ۸۶/۱ اگر اس کی  
تائید در کسی تذکرہ نگار نے نہیں کی۔ اس وفات میں بھی اختلاف ہے اکثر تذکرہ نگاروں نے ۱۱۷۱ھ (۱۷۵۷ء) لکھا ہے  
ن کے غمہ اس میں بھی مشہور ہے زریہ کانپور: جو ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۱ء) لیکن بعض نے ۱۱۷۱ھ کو صحیح مانا ہے۔ انتقال رامپور  
میں ہوا تھا اور میں دفن ہوئے درج بالا انتخاب طبعی و راقم ۴۷ھ۔ الف! تعانیف میں ایک تذکرہ خزان نکات شائع ہو چکا ہے  
یک ضخیم دیون جو تمام اصناف سخن پر مشتمل ہے ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اس کا ایک ہر خط طبعی نسخہ رامپور میں موجود  
ہے۔ یہ مشہور شعر کن کا ہے۔

قسط تو دیکھ توئی ہے جا کر کہاں کنہ  
نچھ دور اپنے ہاتھ سے جب باہر دیں

۱۳-۱۳/۱۳ ۱۳۵۷ مابقی ۱۳-



# لکھیا

## غزل

(جناب اکرم مظفر گڑھی)

گلشن کے اُٹارے کی جائے تغابریاں کیا سمجھے  
کی سوچ کے موسیٰ عمراں جلوے کا تقاضا کر بیٹھے  
دامن میں بہاروں کے اب بھی ہر لمحہ بچے قندیں میں  
پوچھ نہ گد رتی ہیں کیونکر دیو نہ میسوں کی رتیں  
جو مٹ کے سر لوح ہستی آزاد فنا ہو جاتا ہے  
آگاہ وہ نہ بھی ہے وہ نہ، زلف یک زار بھی ہے  
کہنے کیلئے تو کہتے ہیں، وہ دور بھی ہی نزدیک بھی ہے  
مگر مرنے رہتا ہے وہ منزل کی طرف اپنی جن میں  
کے سنسار پہ سے اس کی بستی محبت تو تم ہے  
نہ ہمت ہے جس میں میں دماغ ہزاروں پوشیدہ  
یہ سن ہو، یہ کی میں جگنو ہی اب نہ کر دیتے  
سب پہ اپنی کشتی پہنچی جو گھٹ کے بھنور میں ڈوبی تھی  
پنیا میں بنے کسے عمر نہ صوب ہو ب، کیا

پنیا میں نہ بہاں فطرت کو بے گانہ عرفاں کیا سمجھے  
نیرنگی جلوہ عرفاں کو ہر دیدہ حیراں کیا سمجھے  
گلشن ہی بیاباں تھا کدیں یہ راز گستاں کیا سمجھے  
دل رہتا ہے کس بچھن میں وہ زلف پریشاں کیا سمجھے  
اس نقش و نما کے رتبے کو نیرنگی دوراں کیا سمجھے  
کیا یہ میں معات انساں یہ بات ہر انساں کیا سمجھے  
اسا تو بت دیں، بل نظر منہم رگ جہاں کیا سمجھے  
کوہ سگی صدر کو کرتا ہے پُکیف حق خواں کیا سمجھے  
تو چہ رہا گر جاوے فاس درد کا دریاں کیا سمجھے  
اس چاہ جگر کی وسعت کو چاک گریباں کیا سمجھے  
نوبت میں کسی پر کیا مزاری یہ شاہ مغریاں کیا سمجھے  
اس بھید کو دریاں کیا ہنسنے اس راز کو طوفاں کیا سمجھے  
معدنہ سنہ در آگے بے خوشیوں گستاں کیا سمجھے

ایک نہ بہاں غم کو، لہ بل غمت نے غفل میں  
کیا گد رتی ہے پند انوسا پہنچت فوذاں کیا سمجھے

پرنسپل کو کہتے ہیں وہ رتبہ منتخب شعبہ دینی دینیہ اسلام نو میرٹھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

وزیر امور: محمد فیض خان فاروقی استاد مدرسہ عالیہ کلکتہ

اجاب نے کلمتہ سے رخصت ہوتے وقت ایڈیٹر بہان کے ساتھ اپنی محبت کا بھاری جن نغموں میں  
کیا تھا اور وہ تھا کہ ن کو بہان میں شائع کر دیا جسے اندر اس اور وہ کا بھاری بہان کے تحت میں  
بھی کر دیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں یہ ارادہ اس نے بدل گیا کہ اول تو بہان کے صفحات ان کے متعلق  
نہیں ہو سکتے۔ اور پھر یہ نظمیں اس زمانہ میں کلمتہ کے جہازات میں کلا یا جہازات میں بھی ہو چکی ہیں لیکن  
میں میں مولانا کاغذ کی نظمیں تھیں کہ اشعار کی جتنی ہے کیونکہ کسی خبر میں شائع نہیں ہوئی تھیں  
نئی طور پر جس پایہ کی ہے اس کی وہ رہا اور جی دے سکتے ہیں۔

چند طوفان گل و چرخیں بہار دشتیں  
چند نسیم سبز چوچہ خنداں دشتیں  
چند ہمہ جہر اندر وصل جاں دشتیں  
کے یوں نہ ہوں بولے گل رفت دوست بد  
بہ تو نہ ریں نیش مے بخشہ ضیہ  
بہر و طغانات تہ وصل و تہ جہات  
درد بخشید ہمہ بخشیدہ درد کے درد  
خوشتر آمدنی مٹنی پرو نہ جاں سوز را  
بوندہاں دروے کائے نوح چہ راز حیات

پیش دریا آبروئے خود چرا نیز و صدف  
جو ہر ذاتی رہین منت مشاطہ نیست  
قدر گوہر شاہ داند یا نداند گوہری  
جنت شداد ماند وز نگاہ حق شناس  
آسمان بر فسق انجم و دخت آن نوری کلاہ  
بسیکر تو از علی گڑھ جان تو از دیوبند  
زیر دام آورد و ہند مرغبائے سچہ خواں  
مرتر از سید باغاق و صفات موناں  
آن توئی کز ہمسیر تو در بان تو دعسالیہ  
پیش گوہت فاضلاں راداد منشور و سند  
ہر کجا باد و ہوائت جالفسر گشتہ بہار  
ہر کجا ذکر جمیست قصب مضطر اسکوں  
ہر کجا دغظ و خطابت دل درخشاں مے شود  
ہر کجا تحدیث تو الزوار حکمت حبس و گر  
ہر کجا دریں معانی دبیں سبحان خموش  
ہر کجا شعر و ادب ہمدرد لبستاں ذات تو  
پر تو از کلک تو پیرایہ فشی چرخ  
طاہر فلک ز شاہ سدرہ برتر مے پڑ  
چوں قنارہ قدر راہ باب سعادت را نوشت  
رحمت حق با و چہرت ہر کجا داری قیام  
گر عروج و قرب حق جوئی تر با بد بقیل

قطرہ را چون نظر بر اینیاں داشتن  
گوہرے را بجز نتواند درخشاں داشتن  
گوہرے را کے سرزد در جیب طفلان داشتن  
باغ سلامی چہرہ طاق ہفت ایوان داشتن  
خواست رہنواں انجمن از جوہر فلان داشتن  
جز تو در کف کے تو اند جام ونداں داشتن  
کار زلف نیت صید اہل عرفاں داشتن  
بر دیوانہا پ تقوی حکم و فرماں داشتن  
دید پائے خویشتن بر فرق کیواں داشتن  
مفتیباں را از پے تو حکم قرآن داشتن  
ہر کجا سیل فراق خانہ ویراں داشتن  
ہر کجا وصف کمال عقل حیراں داشتن  
ہر کجا نقد و کلامت ذوق یماں داشتن  
ہر کجا تفسیر تو لغات قرآن داشتن  
ہر کجا منطق اسطر را پیشماں داشتن  
ہر کجا بنیے است نامت زیب عنوں داشتن  
نکتہ از لفظ تو سرمایہ کاں داشتن  
مرکب راے ترا بر عرش جوہاں داشتن  
نعت آمد نام پاکت از سیداں داشتن  
ہم بہ توفیق الہی کار آساں داشتن  
خاک راہ مصطفیٰ بر چہرہ انشاں داشتن



## تبصرے

ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی از جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب ایم۔ اے۔  
ایک ایک جھلک :- تقطیع کلاں ضخامت ۵۰۶ صفحات، کتابت و طباعت اعلیٰ  
قیمت۔ مثنیٰ روپیہ - پتہ :- دارالمنیفین اعظم گڑھ (ریونی)

انگریزوں نے اپنے عہد حکومت میں ہندو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے ہندوستان کے اسلامی  
عہد کی تاریخ کو مسخ کر کے پیش کرنے کی کوشش کی تھی تو کی ہی تھی۔ افسوس اس بات کا ہے کہ آزادی ملنے  
کے بعد بھی ہندو مورخین کا ایک طبقہ ایسا ہے جو انگریزی عہد حکومت کی اس وراثت کا حامل بنا ہوا ہے اور اس  
ملک کے اسلامی عہد کی تاریخ سے مورخانہ انصاف اور غیر جانبداری کا برتاؤ نہیں کر رہا ہے۔ یہ طریقہ عمل و فکر جس  
طرح عملی بددیانتی ہے۔ خود ملک کے ساتھ دشمنی کے مرادف ہے۔ اس بنا پر شدید ضرورت تھی کہ مسلمان ہادشاہوں  
کے روشن و تابناک کارناموں کو مورخانہ ایمانداری اور سنجیدگی کے ساتھ منظر عام پر لایا جاتا تاکہ یہ واضح ہوتا  
کہ مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں اس ملک کی سیاسی، سماجی، تہذیبی خدمات کس درجہ بلند اور اعلیٰ قسم  
کی انجام دی ہیں۔ اور اس ملک کو ترقی دینے میں ان کا کتنا گرانقدر حصہ ہے۔ جناب سید صباح الدین عبدالرحمن  
صاحب اس ضرورت کی تکمیل اس صورت میں بھی کر سکتے تھے کہ خود تین چار جلدوں میں ایک تاریخ مرتب  
کر ڈالتے لیکن ملک کے موجودہ حالات میں اس سے کہیں زیادہ موثر اور دور رس یہ صورت تھی کہ خود نامور  
ہندو مورخین نے مسلمان فرمانرواؤں کے زریں کارناموں کا اپنی تاریخوں میں جو اعتراف جابجا کیا ہے  
اُس کو جوں کا توں یکجا کر کے شائع کرایا جاتا۔ چنانچہ لائق مرتب نے اس کتاب میں یہی دوسری صورت  
اختیار کی ہے اور ہندوستان میں عربوں اور غزنویوں کی آمد سے لیکر تیموری عہد کے آغاز تک کی  
داسستان سترہ لبرال در حدیث دیگران کے طور پر اٹھائیں مورخوں کی زبان سے سنائی ہے جنہیں



رو کو چھوڑ کر باقی سب ہندو ہیں یہ داستان اس قدر جامع ہے کہ ان میں مسلمان فرمانرواؤں کی عدلیہ و انتظامیہ نظم و نسق، فراخ جوہلی و عالی ظرفی، رواداری، علم پروری، ادب نواری، جمالیاتی ذوق اور اصلاحیت حکمرانی ان سب پر روشنی پڑ گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام تاریخی انگریزی میں ہیں۔ ان سب کو پڑھنا اور پھر اپنے موضوع بحث کے مطابق انتخاب کر کے ان کو اردو میں منتقل کرنا آسان کام نہیں تھا لیکن لائق مرتب جو مورخ اور ادیب ہونے کے ساتھ تصنیف و تالیف کا پختہ اور شگفتہ سلیقہ رکھتے ہیں، انھوں نے اس کارِ شکر کو اس خوبی سے انجام دیا ہے کہ تالیف میں تصنیف اور ترجمہ میں اصل کا مطلب آتا ہے۔ مگر بہر حال یہ ہے دوسروں کے ہی خیالات کا چرہ بہ اور اس کو من و عن پیش کیا گیا ہے اس لئے خیالات میں کہیں تضاد بھی ہے، عبارتوں میں ناہمواری اور کہیں کہیں بے ربطی اور تشکی بھی ہے اور لائق مرتب نے اپنے ناخداہ جوشی سے اس ہلا کو پُر کرنے کی کوشش کی ہے۔ شروع میں ڈاکٹر سید محمود کا مقدمہ بھی کافی بصیرت افروز اور دلچسپ و مفید ہے۔ کتاب اس لائق ہے کہ تاریخ کے طلباء کے علاوہ عام اردو خواں ہندو مسلمان بھی اس کا مطالعہ کر لیں۔

نور المصابیح حصہ اول | از: مولانا محمد شیر الدین صاحب تقطیع کلاں ضخامت ۲۱۱ صفحات

کتابت و طباعت بہتر قیمت للعمہ۔ پتہ: مکتبہ نقشبندیہ ۱۶۰۵ حسینی علم بارگاہ گلی حیدر آباد دکن - ۲

برہان کے انہیں صفحات میں مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ صاحب نقشبندی و قادری و حنفی کی گرانمایہ تالیف مزاجاتہ المصابیح کی مختلف جلدوں کا ذکر آچکا ہے جن میں مولانا موصوف نے حدیث کی مشہور اور متداول کتاب مشکوٰۃ الصالحین کے طرز پر اور اسی کے ابواب کی ترتیب کے مطابق ان مستند احادیث نبوی کو یکجا کر دیا ہے جن پر فقہ حنفی کی بنیاد قائم ہے اور جن کے مطالعہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ امام اعظم کا ہر قول اور ہر رائے کسی حدیث یا کسی صحابی یا کسی تابعی کے قول سے ماخوذ ہے۔ زیر تبصرہ کتاب اسی کتاب کی جلد اول کا ترجمہ ہے۔ اس حصہ میں کتاب الایمان، کتاب العلم، کتاب الطہارت، تین بڑے عنوانات ہیں اور ہر عنوان کے نیچے کثرت سے مختلف ابواب ہیں ترجمہ شگفتہ و سلیس و رواں ہی۔ جو اردو خواں عربی نہیں جانتے مگر حدیث کو ذوق رکھتے ہیں ان کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اس کے



باقی جلدوں کا ترجمہ بھی جلد شائع ہو گا۔

پاکستان میں ذہنی رجحانات۔ از:- جناب عبداللہ قدسی تقی طبع متوسط۔ ضخامت ۱۹۹ صفحات

کتابت و طباعت بہتر قیمت ص ۵۰۔ پتہ:- مشتاق بکڈ پورہ۔ اردو بازار۔ کراچی۔ ۱

گزشتہ بارہ برس میں پاکستانی معاشرہ میں ذہنی اعتبار سے جو تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں۔ خواہ وہ اچھی ہوں یا برسی اس کتاب میں ان کا جائزہ لیا گیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں لائق مرتبہ ترقی پسند ادب کی تحریک کے آغاز و انجام پر گفتگو کر کے پاکستان میں اردو ادب کی عام حالت پر بحث کی ہے اور اسی ذیل میں افسانے۔ ناول اور غزل پر کلام کیا ہے۔ اسی طرح ”رحمۃ“ تنقید۔ تعلیم۔ آرٹ۔ مذہب۔ ان سب کا جائزہ بڑی وسعت نظر اور ذہانت نگاہ سے لیا ہے۔ ان کی صحیح رفتار متعین کی ہے۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ ہر ایک چیز پر بے لاگ تبصرہ کیا ہے۔ آخر میں ان تمام اداروں پر تعارفی نوٹ ہیں جو پاکستان میں کسی نہ کسی حیثیت سے کوئی علمی یا ادبی کام کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ان خاص خاص کتابوں کے نام ہیں جو مختلف علوم و فنون پر گزشتہ بارہ برسوں میں چھپی ہیں۔ پھر ان علمی ذخائر کا ترجمہ ہے جو ملک کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ کتاب اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس میں معاشرہ کا جائزہ لیا گیا اور اس پر بلا رو رعایت تبصرہ کیا گیا ہو۔ پھر انداز بیان بھی شگفتہ اور ادیبانہ ہے اس لئے یہ کتاب بڑی دلچسپ بھی ہے اور مفید بھی۔ اس ایک کتاب کا مطالعہ مسیوں کتابوں کے مطالعہ سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

سلاطین ہند کی علم پروری۔ از:- جناب محمد حفیظ اللہ صاحب۔ تقی طبع خورد۔ ضخامت ۱۶۸ صفحات

کتابت و طباعت بہتر قیمت ص ۵۰۔ پتہ:- (۱) مسلم اکاڈمی پبلواری شریف (دہلی) (۲) مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کتاب میں مختلف مورخین کی شہادتوں کی روشنی میں پہلے بتایا گیا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہ علوم و فنون کے کس درجہ قدر دان تھے اور کس فیاضی اور سیر حشمتی کے ساتھ علماء کی سرپرستی کرتے تھے اس سلسلہ میں اپنے اور دیگر نے میں بھی تمیز نہیں کرتے تھے۔ چند صفحوں میں اس پر ایک عام گفتگو کرنے کے بعد خاندان بنامہ ان گفتگو کی ہے جو ہندوستان کی خود مختار حکومتوں اور شاہان دکن تک پر مشتمل ہے اور ہر خاندان کے بادشاہوں کی علمی فیاضی کا حال بیان کیا ہے۔ کتاب دلچسپ



بھی ہے اور مفید بھی۔ مگر افسوس ہے کہ حوالے بہت کم ہیں اور جو ہیں بھی وہ اکثر جگہ نامتام اور نامکمل ہیں۔

انسٹروکشن ٹو اسلام (انگریزی) از: جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ تقی طبع کلاں صفحات ۲۷۵  
صفحات: ٹائپ مٹی اور روشن۔ قیمت: صر۔ پتہ: حبیب اینڈ کمپنی۔ اسٹیشن روڈ۔  
حیدرآباد دکن۔

یہ کتاب کا دوسرا ڈیشن ہے پہلے ڈیشن پر تبصرہ ہو چکا ہے۔ جو اس قدر مقبول ہوا کہ چند مہینوں میں ہی ختم ہو گیا اور دوسرے ڈیشن کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس ڈیشن میں وہ تمام ابواب ہیں جو پہلے تھے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر سیرت۔ اسلامی تعلیمات کی حفاظت۔ اسلام کا تصور حیات۔ عقیدہ عبادات۔ نظام روحانی۔ اخلاقی اور معاشرتی و اقتصادی نظام۔ اسلام میں عورتوں کا اور غیر مسلموں کا مرتبہ۔ علوم و فنون میں مسلمانوں کا حصہ۔ اسلام کی تاریخ پر ایک سرسری نظر۔ ایک مسلمان کی روزمرہ کی زندگی۔ ان مباحث کے علاوہ ضمیمے۔ نقشے۔ فہرست۔ اعلام۔ نماز ادا کرنے کے نوٹ وغیرہ بھی ہیں۔ ان کے علاوہ مزید خوبی یہ ہے کہ پہلے ڈیشن میں جو بعض خامیاں رہ گئی تھیں اور جن کی نشاندہی بعض تبصرہ نگاروں یا دوستوں نے خطوط کے ذریعہ کی تھی ان کی بھی اصلاح کر دی گئی ہے۔ اس لئے "نقاش نقش ثانی بہتر کشتراول" کا مصداق ہے۔ امید ہے کہ پہلے کی طرح یہ ڈیشن بھی مقبول اور کامیاب ہوگا۔ فاضل مصنف یار غیر میں بیٹھے ہوئے اسلام کی جو ٹھوس خدمات انجام دے رہے ہیں اس پر وہ مسلمانوں کی طرف سے شکر یہ کے مستحق ہیں۔

بجنا کا اللہ جزاء خیراً۔

نہوۃ المصنفین دہلی کی جدید کتاب

حضرت عمر فاروقؓ کے سرکاری خطوط

قیمت مجلد بارہ روپے۔ غیر مجلد گیارہ روپے